ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

ISSN: 20491131
ایڈیٹر: محفوظ الرحمان

مئی 2026ء | ہجرت 1405 ہجری شمسی | ذوالقعدہ 1447 ہجری قمری | جلد 15 نمبر 05

جَرِیُّ اللّٰہِ فِیْ حُلَلِ الْاَنْبِیَاءِ

(تذکرہ صفحہ 70)

جری اللہ نبیوں کے حلّوں میں۔

The Champion of God in the mantle of prophets.

https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib

آخری..............

- قادیان میں حضورؑ کو ہونے والی **آخری وحی**: مباش ایمن از بازئ روز گار
- سب سے **آخری وحی** [جو آپؑ نے بیان فرمائی] 17 مئی کو لاہور میں ہوئی

اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ

- ایک روایت کے مطابق سب سے **آخری وحی** جو آپؑ نے بتائی:

اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ وَالْمَوْتُ قَرِیْبٌ

- **آخری نظم** جو کسی نے حضور علیہ السلام کے حضور پڑھی وہ ڈاکٹر احمد حسین صاحب لائلپوری نے 16 مئی کو پیش کی ۔جس کا ایک شعر یہ تھا

یا ربّ قادیاں میں میرا مزار ہووے
اور میرا ذرہ ذرہ اس پر نثار ہووے

- **آخری پبلک تقریر**۔17 مئی
- **مستورات سے آخری خطاب**۔23 مئی
- **آخری تقریر** 25 مئی عصر سے پہلے
- **آخری تصنیف** پیغام صلح، 25 مئی کو
- **آخری خط**، 23 مئی کو لکھا جو کہ 26 مئی کو اخبار عام میں شائع ہوا۔ جس کا بنیادی مضمون یہ تھا کہ میں خدا کا نبی ہوں۔
- **آخری سیر** 25 مئی بعد نماز عصر
- **آخری نماز** 26 مئی، فجر کی نماز
- **آخری تحریر**، 26 مئی قریباً آٹھ نو بجے صبح لکھی جس کے کچھ الفاظ پڑھے گئے اور وہ تھے:

"تکلیف یہ ہے کہ آواز نہیں نکلتی۔۔۔"

- **آخری الفاظ**: "اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے۔ اے میرے پیارے اللہ، اے میرے پیارے اللہ"

تفصیلی مضمون کے لئے دیکھیں صفحہ 27

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست مضامین

ماہنامہ

موازنۂ مذاہب

مئی 2026ء | ہجرت 1405 ہجری شمسی |

ذوالقعدہ 1447 ہجری قمری |

جلد 15 نمبر 05

ISSN: 20491131

ایڈیٹر: محفوظ الرحمان

پہلی شرط بیعت

”بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو شرک سے مجتنب رہے گا“

ابو ادریس عائذ اللہ نے بیان کیا حضرت عُبَادَۃ بن صامتؓ ان لوگوں میں سے تھے جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بدر میں شریک ہوئے تھے اور وہ عَقَبَۃ کی رات آپؐ کے صحابہؓ میں سے تھے۔ انہوں نے ان کو بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:(اور آپؐ کے گرد آپؐ کے صحابہؓ میں سے ایک جماعت تھی) آؤ تم میری بیعت کرو، اس پر کہ تم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہراؤگے اور نہ تم چوری کروگے اور نہ زنا کروگے اور نہ اپنے بچوں کو قتل کروگے اور نہ تم کسی بہتان کا ارتکاب کروگے۔ جس کو تم اپنی طرف سے گھڑتے ہو اور معروف بات میں میری نافرمانی نہ کروگے۔ سو جس نے تم میں سے اپنا عہد پورا کیا تو اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔ اور جس نے اس میں کسی چیز کا ارتکاب کیا اور اسے اسی دنیا میں اس کی سزا دی گئی تو وہ اس کے لیے بطور کفارہ ہے اور جس نے اس میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا پھر اللہ نے اس کی پردہ پوشی کی تو اس کا معاملہ اللہ کے ساتھ ہے اگر چاہے تو اسے سزا دے اور اگر چاہے تو اس سے درگزر کرے۔ وہ کہتے ہیں چنانچہ میں نے اس پر آپؐ کی بیعت کی۔

(صحیح بخاری، کتاب مناقب الانصار، باب وفود الانصار الی النبی ؐبمکۃ وبیعۃ العقبۃ، حدیث 3892)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

”__شرک تین قسم کا ہے۔__ اول یہ کہ عام طور پر بت پرستی، درخت پرستی وغیرہ کی جاوے۔ یہ سب سے عام اور موٹی قسم کا شرک ہے۔ دوسری قسم شرک کی یہ ہے کہ اسباب پر حد سے زیادہ بھروسہ کیا جاوے کہ فلاں کام

نہ ہوتا۔ تو میں ہلاک ہو جاتا۔ یہ بھی شرک ہے۔ تیسری قسم شرک کی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے وجود کے سامنے اپنے وجود کو بھی کوئی شے سمجھا جاوے۔ موٹے شرک میں تو آجکل اس روشنی اور عقل کے زمانہ میں کوئی گرفتار نہیں ہوتا؛ البتہ اس مادی ترقی کے زمانہ میں شرک فی الاسباب بہت بڑھ گیا ہے۔ طاعون کے پھیلنے پر یہ کوئی خیال نہیں کرتا کہ شامتِ اعمال سے پھیلی ہے اور اسباب کی طرف توجہ کرتے ہیں۔" (ملفوظات جلد 3 صفحہ 86 ایڈیشن 2022)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"دیکھو خدا یہ بھی نہیں چاہتا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاوے۔ بعض لوگ اپنے شرکاء نفسانی کے واسطے بہت حصہ رکھ لیتے ہیں اور پھر خدا کا بھی حصہ مقرر کرتے ہیں۔ سو ایسے حصہ کو خدا قبول نہیں کرتا۔ وہ خالص حصہ چاہتا ہے۔ اس کی ذات کے ساتھ کسی کو شریک بنانے سے زیادہ اس کو غضبناک کرنے کا اور کوئی آلہ نہیں ہے۔ ایسا نہ کرو کہ کچھ تو تم میں تمہارے نفسانی شرکاء کا حصہ ہو اور کچھ خدا کے واسطے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں سب گناہ معاف کروں گا مگر شرک نہیں معاف کیا جاوے گا۔

یاد رکھو شرک یہی نہیں کہ بتوں اور پتھروں کی تراشی ہوئی مورتوں کی پوجا کی جاوے۔ یہ تو ایک موٹی بات ہے۔ یہ بڑے بیوقوفوں کا کام ہے۔ دانا آدمی کو تو اس سے شرم آتی ہے۔ شرک بڑا باریک ہے۔ وہ شرک جو اکثر ہلاک کرتا ہے وہ شرک فی الاسباب ہے یعنی اسباب پر اتنا بھروسہ کرنا کہ گویا وہی اسکے مطلوب و مقصود ہیں۔ جو شخص دنیا کو دین پر مقدم رکھتا ہے اس کی بھی یہی وجہ ہے کہ اس کو دنیا کی چیزوں پر بھروسہ ہوتا ہے اور وہ امید ہوتی ہے جو دین وایمان سے نہیں۔ نقد فائدہ کو پسند کرتے ہیں اور آخرت سے محروم۔ جب وہ اسباب پر ہی اپنی ساری کامیابیوں کا مدار خیال کرتا ہے تو خدا تعالیٰ کے وجود کو تو اس وقت وہ لغو محض اور بے فائدہ جانتا ہے اور تم ایسا نہ کرو۔ تم توکل اختیار کرو۔"(ملفوظات جلد 4 صفحہ 288 ایڈیشن 2022)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

"تم خوش ہو اور خوشی سے اچھلو کہ خدا تمہارے ساتھ ہے اگر تم صدق اور ایمان پر قائم رہو گے تو فرشتے تمہیں تعلیم دیں گے اور آسمانی سکینت تم پر اترے گی اور روح القدس سے مدد دیئے جاؤ گے اور خدا ہر ایک قدم میں تمہارے ساتھ ہو گا اور کوئی تم پر غالب نہیں ہو سکے گا۔ خدا کے فضل کی صبر سے انتظار کرو۔ گالیاں سنو اور چپ رہو، ماریں کھاؤ اور صبر کرو حتی المقدور بدی کے مقابلہ سے پرہیز کرو تا آسمان پر تمہاری قبولیت لکھی جاوے۔ یقیناً یاد

رکھو کہ جو لوگ خدا سے ڈرتے ہیں اور دل ان کے خدا کے خوف سے پگھل جاتے ہیں انہی کے ساتھ خدا ہوتا ہے۔ اور وہ ان کے دشمنوں کا دشمن ہو جاتا ہے دنیا صادق کو نہیں دیکھتی پر خدا جو علیم و خبیر ہے وہ صادق کو دیکھ لیتا ہے۔ پس اپنے ہاتھ سے اس کو بچاتا ہے۔ کیا وہ شخص جو سچے دل سے تم سے پیار کرتا ہے اور سچ مچ تمہارے لئے مرنے کو بھی طیار ہوتا ہے اور تمہارے منشاء کے موافق تمہاری اطاعت کرتا ہے اور تمہارے لئے سب کو چھوڑتا ہے کیا تم اس سے پیار نہیں کرتے اور کیا تم اس کو سب سے عزیز نہیں سمجھتے۔ پس جب کہ تم انسان ہو کر پیار کے بدلہ میں پیار کرتے ہو پھر کیونکر خدا نہیں کرے گا خدا خوب جانتا ہے کہ واقعی اس کا وفادار دوست کون ہے اور کون غدار اور دنیا کو مقدم رکھنے والا ہے سو تم اگر ایسے وفادار ہو جاؤ گے تو تم میں اور تمہارے غیروں میں خدا کا ہاتھ ایک فرق قائم کر کے دکھلائے گا۔"

(تذکرۃ الشہادتین، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 68)

ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کی توحید کے مقابل پر کسی بھی قسم کا چاہے وہ معمولی سا بھی اظہار ہے جس سے خدا تعالیٰ کی توحید پر حرف آتا ہو، اللہ تعالیٰ کو قابلِ قبول نہیں ہے۔ پس ایک مسلمان جو توحید پر قائم ہونے کا دعویٰ کرتا ہے، جو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہ پڑھتا ہے، اسے توحید کی باریکی کو سمجھتے ہوئے، شرک کی باریکی کو سمجھتے ہوئے اس ترقی یافتہ دنیا میں جہاں خدا تعالیٰ کی توحید کا ذرّہ برابر خیال نہیں رکھا جاتا، بڑا بچ بچ کر قدم اٹھانے کی ضرورت ہے۔ اور خاص طور پر ہم احمدی مسلمانوں کو تو یہ ہمیشہ اپنے ذہن میں رکھنا چاہئے کہ ہم نے تو زمانے کے امام کی بیعت ہی اس شرط پر کی ہے، اور اس شرط کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سب سے پہلی شرط کے طور پر رکھا ہے جس کے الفاظ یہ ہیں کہ

"بیعت کنندہ سچے دل سے عہد اس بات کا کرے کہ آئندہ اس وقت تک کہ قبر میں داخل ہو، شرک سے مجتنب رہے گا۔" (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ 206 ایڈیشن 2019)

<u>پس یہ احمدیت میں داخل ہونے کے لئے، حقیقی اسلام میں داخل ہونے کے لئے پہلا عہد ہے</u>... آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہ تو کوئی توحید کا علم بردار تھا، نہ ہو سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر نہ تو توحید کی تعلیم دینے والا کوئی تھا اور نہ ہو سکتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر توحید کا فہم و ادراک حاصل کرتے ہوئے اپنے آپ پر اس توحید کو لاگو کرنے والا کوئی تھا، نہ ہو سکتا ہے۔ توحید کی حقیقت کو وہی سمجھ سکتا ہے جو خدا تعالیٰ کو ہر چیز پر فوقیت دینے والا ہو۔ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کون اللہ تعالیٰ کو فوقیت دینے اور آپ کو حاصل کرنے میں

بے چین ہو سکتا تھا۔ ان کی نبوت کے زمانہ سے پہلے کی تاریخ یہ گواہی دیتی ہے کہ گھنٹوں اور دنوں علیحدگی میں اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے تھے...

ایک احمدی مسلمان کا فرض بنتا ہے کہ اپنی حالتوں میں اور اپنے عملوں میں تبدیلی پیدا کریں۔ اپنی عبادتوں کو ایسا بنائیں کہ خدا تعالیٰ کی توحید ہماری عبادتوں میں نظر آنے لگے، ہمارے عملوں میں بھی نظر آنے لگے۔ دنیا کو بتائیں کہ قیامِ توحید کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تھے۔ آپ کی تعلیم پر عمل کرنے سے ہی اب یہ قیامِ توحید ہو سکتا ہے۔ اور مسلمانوں کی بھی کیونکہ حالت بگڑ گئی ہے اس لئے اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عاشقِ صادق اور غلامِ صادق ہیں، کی جماعت میں ہی شامل ہو کر توحید کے قیام کا حقیقی رنگ میں حق ادا ہو سکتا ہے۔ پس جب یہ احمدی کی ذمہ داری ہے اور شرائطِ بیعت کی پہلی شرط بھی یہ ہے اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام کی بعثت کا مقصد بھی یہی ہے کہ اپنے آقا کی غلامی کا حق ادا کرتے ہوئے توحید کے قیام کی کوشش کریں تو پھر ہمیں کس قدر احتیاط سے ہر قسم کے باریک شرک سے بھی بچنے کی کوشش کرنی چاہئے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ 29 اکتوبر 2010ء، خطبات مسرور جلد 8 صفحہ 557 تا 560)



ارشاد باری تعالیٰ

”خدا تعالیٰ خلافت حقہ کو قائم کرکے مسلمانوں کو امن کی حالت میں کر دے گا“

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۠ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۔ (النور: 56)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام ”براہین احمدیہ“ میں فرماتے ہیں:

”خدا نے تم میں سے بعض نیکوکار ایمانداروں کے لئے یہ وعدہ ٹھہرا رکھا ہے کہ وہ انہیں زمین پر اپنے رسول مقبول کے خلیفے کرے گا انہیں کی مانند جو پہلے کرتا رہا ہے اور ان کے دین کو کہ جو ان کے لئے اس نے پسند کر لیا ہے یعنی دین اسلام کو زمین پر جما دے گا اور مستحکم اور قائم کر دے گا اور بعد اسکے کہ ایماندار خوف کی حالت میں ہوں گے یعنی بعد اس وقت کے کہ جب بباعث وفات حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ خوف دامنگیر ہو گا کہ شاید اب دین تباہ نہ ہو جائے۔ تو اس خوف اور اندیشہ کی حالت میں خدائے تعالیٰ خلافت حقہ کو قائم کرکے مسلمانوں کو اندیشہ ابتری دین سے بے غم اور امن کی حالت میں کر دے گا وہ خالصاً میری پرستش کریں گے اور مجھ سے کسی چیز کو شریک نہ ٹھہرائیں گے۔“

(”براہین احمدیہ“ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 259، 260 حاشیہ نمبر 11)



ارشاد نبوی ﷺ

ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا صَلَّیْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓی اٰلِ مُحَمَّدٍ کَمَا بَارَکْتَ عَلٰٓی اِبْرَاھِیْمَ وَعَلٰٓی اٰلِ اِبْرَاھِیْمَ اِنَّکَ حَمِیْدٌ مَّجِیْدٌ

"عَنْ حُذَيْفَةَ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُوْنُ النُّبُوَّةُ فِيْكُمْ مَا شَآءَ اللهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا عَاضًّا فَيَكُوْنُ مَا شَآءَ اللهُ اَنْ يَكُوْنَ ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَرْفَعَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ مُلْكًا جَبْرِيَّةً فَتَكُوْنُ مَا شَآءَ اللهُ اَنْ تَكُوْنَ، ثُمَّ يَرْفَعُهَا اِذَا شَاءَ اَنْ يَرْفَعَهَا، ثُمَّ تَكُوْنُ خِلَافَةٌ عَلٰى مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ، ثُمَّ سَكَتَ۔"

(مسند الامام احمد بن حنبل جلد 6 صفحہ 285 مسند النعمان بن بشیر حدیث 18596، عالم الکتب بیروت 1998ء)

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میں نبوت قائم رہے گی جب تک اللہ چاہے گا کہ وہ رہے۔ پھر اللہ جب اس کو اٹھانا چاہے گا اٹھالے گا۔ اور خلافت عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ قائم ہوگی۔ پھر وہ رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے کہ وہ رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ جب چاہے گا اس نعمت کو بھی اٹھالے گا۔ پھر ایذا رساں بادشاہت قائم ہوگی اور تب تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ وہ رہے۔ پھر اللہ جب اس کو اٹھانا چاہے گا اٹھالے گا۔ پھر جابر بادشاہت قائم ہوگی اور تب تک رہے گی جب تک اللہ تعالیٰ چاہے گا کہ وہ رہے۔ پھر اللہ جب اس کو اٹھانا چاہے گا اٹھالے گا۔ پھر خلافت عَلٰی مِنْهَاجِ النُّبُوَّةِ قائم ہوگی! پھر آپ ﷺ خاموش ہوگئے۔



اِمَامُ الْکَلَام علیہ الصلوٰۃ والسلام

انبیاء من حیث الظّل باقی رکھے جاتے ہیں

حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی بانیٔ جماعت احمدیہ مسیح موعود و مہدیٔ معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”جس طرح پر کہ عقل اس بات کو واجب اور متحتم ٹھہراتی ہے کہ کتب الٰہی کی دائمی تعلیم اور تفہیم کے لئے ضروری ہے کہ ہمیشہ انبیاء کی طرح وقتاً فوقتاً ملہم اور مکلم اور صاحب علم لدنی پیدا ہوتے رہیں اسی طرح جب ہم قرآن پر نظر ڈالتے ہیں اور غور کی نِگہ سے اس کو دیکھتے ہیں تو وہ بھی باآواز بلند یہی فرما رہا ہے کہ روحانی معلموں کا ہمیشہ کے لئے ہونا اس کے ارادہ قدیمہ میں مقرر ہو چکا ہے دیکھو اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے وَ اَمَّا مَا یَنۡفَعُ النَّاسَ فَیَمۡکُثُ فِی الۡاَرۡضِ (الرعد:18) یعنی جو چیز انسانوں کو نفع پہنچاتی ہے وہ زمین پر باقی رہتی ہے اب ظاہر ہے کہ دنیا میں زیادہ تر انسانوں کو نفع پہنچانے والے گروہ انبیاء ہیں کہ جو خوارق سے معجزات سے پیشگوئیوں سے حقائق سے معارف سے اپنی راستبازی کے نمونہ سے انسانوں کے ایمان کو قوی کرتے ہیں اور حق کے طالبوں کو دینی نفع پہنچاتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ دنیا میں کچھ بہت مدت تک نہیں رہتے بلکہ تھوڑی سی زندگی بسر کر کے اس عالم سے اٹھائے جاتے ہیں لیکن آیت کے مضمون میں خلاف نہیں اور ممکن نہیں کہ خدا تعالیٰ کا کلام خلاف واقع ہو۔ پس انبیاء کی طرف نسبت دیکر معنی آیت کے یوں ہوں گے کہ **انبیاء من حیث الظل باقی رکھے جاتے ہیں اور خدا تعالیٰ ظلی طور پر ہر یک ضرورت کے وقت میں کسی اپنے بندہ کو ان کی نظیر اور مثیل پیدا کر دیتا ہے جو انہیں کے رنگ میں ہو کر ان کی دائمی زندگی کا موجب ہوتا ہے** اور اسی ظلی وجود کے قائم رکھنے کے لئے خدا تعالیٰ نے اپنے بندوں کو یہ دعا سکھائی ہے اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ (الفاتحہ:6،7) یعنی اے خدا ہمارے ہمیں وہ سیدھی راہ دکھا جو تیرے ان بندوں کی راہ ہے جن پر تیرا انعام ہے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کا انعام جو انبیاء پر ہوا تھا جس کے مانگنے کے لئے اس دعا میں حکم ہے وہ درم اور دینار کی قسم میں سے نہیں بلکہ وہ انوار اور برکات اور محبت اور یقین اور خوارق اور تائید سماوی اور قبولیت اور معرفت تامہ کاملہ اور وحی اور کشف کا انعام ہے اور خدا تعالیٰ نے اس امت کو اس انعام کے مانگنے کے لئے تبھی حکم فرمایا کہ

اول اس انعام کے عطا کرنے کا ارادہ بھی کر لیا۔ پس اس آیت سے بھی کھلے کھلے طور پر یہی ثابت ہوا کہ خدا تعالیٰ اس امت کو ظلی طور پر تمام انبیاء کا وارث ٹھہراتا ہے تا انبیاء کا وجود ظلی طور پر ہمیشہ باقی رہے اور دنیا ان کے وجود سے کبھی خالی نہ ہو اور نہ صرف دعا کے لئے حکم کیا بلکہ ایک آیت میں وعدہ بھی فرمایا ہے اور وہ یہ ہے وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا (العنکبوت:70) یعنی جو لوگ ہماری راہ میں جو صراط مستقیم ہے مجاہدہ کریں گے تو ہم ان کو اپنی راہیں بتلا دیں گے اور ظاہر ہے کہ خدا تعالیٰ کی راہیں وہی ہیں جو انبیاء کو دکھلائی گئیں تھیں۔

پھر بعض اور آیات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ضرور خداوند کریم نے یہی ارادہ فرمایا ہے کہ روحانی معلم جو انبیاء کے وارث ہیں ہمیشہ ہوتے رہیں اور وہ یہ ہیں:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ۔ (النور: 56)

وَ لَا یَزَالُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا تُصِیْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ حَتّٰى یَاْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ۔ (الرعد:32)

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِیْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا (بنی اسرائیل:16)

یعنی خدا تعالیٰ نے تمہارے لئے اے مومنان امت محمدیہ وعدہ کیا ہے کہ تمہیں بھی وہ زمین میں خلیفہ کرے گا جیسا کہ تم سے پہلوں کو کیا۔ اور ہمیشہ کفار پر کسی قسم کی کوفتیں جسمانی ہوں یا روحانی پڑتی رہیں گی یا ان کے گھر سے نزدیک آ جائیں گی۔ یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کا وعدہ آ پہنچے گا۔ اور خدا تعالیٰ اپنے وعدوں میں تخلف نہیں کرتا۔ اور ہم کسی قوم پر عذاب نازل نہیں کرتے جب تک ایک رسول بھیج نہ لیں۔

ان آیات کو اگر کوئی شخص تامل اور غور کی نظر سے دیکھے تو میں کیونکر کہوں کہ وہ اس بات کو سمجھ نہ جائے کہ خدا تعالیٰ اس امت کے لئے خلافت دائمی کا صاف وعدہ فرماتا ہے اگر خلافت دائمی نہیں تھی تو شریعت موسوی کے خلیفوں سے تشبیہ دینا کیا معنی رکھتا تھا اور اگر خلافت راشدہ صرف تیس برس تک رہ کر پھر ہمیشہ کے لئے اس کا دور ختم ہو گیا تھا تو اس سے لازم آتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا ہرگز یہ ارادہ نہ تھا کہ اس امت پر ہمیشہ کے لئے ابواب سعادت مفتوح رکھے کیونکہ روحانی سلسلہ کی موت سے دین کی موت لازم آتی ہے اور ایسا مذہب ہرگز زندہ نہیں کہلا سکتا جس کے قبول کرنے والے خود اپنی زبان سے ہی یہ اقرار کریں کہ تیرہ 1300 سو برس سے یہ مذہب مرا ہوا ہے اور خدا تعالیٰ نے اس مذہب کے لئے ہرگز یہ ارادہ نہیں کیا کہ حقیقی زندگی کا وہ نور جو نبی کریمؐ کے سینہ میں تھا وہ توارث کے طور پر دوسروں میں چلا آوے۔

افسوس کہ ایسے خیال پر جمنے والے خلیفہ کے لفظ کو بھی جو استخلاف سے مفہوم ہوتا ہے تدبّر سے نہیں سوچتے کیونکہ خلیفہ جانشین کو کہتے ہیں اور رسول کا جانشین حقیقی معنوں کے لحاظ سے وہی ہو سکتا ہے جو ظلی طور پر رسول کے کمالات اپنے اندر رکھتا ہو اس واسطے رسول کریمؐ نے نہ چاہا کہ ظالم بادشاہوں پر خلیفہ کا لفظ اطلاق ہو کیونکہ خلیفہ درحقیقت رسول کا ظلّ ہوتا ہے اور چونکہ کسی انسان کے لئے دائمی طور پر بقا نہیں لہٰذا خدا تعالیٰ نے ارادہ کیا کہ رسولوں کے وجود کو جو تمام دنیا کے وجودوں سے اشرف و اولیٰ ہیں ظلی طور پر ہمیشہ کیلئے تا قیامت قائم رکھے۔ سو اسی غرض سے خدا تعالیٰ نے خلافت کو تجویز کیا تا دنیا کبھی اور کسی زمانہ میں برکات رسالت سے محروم نہ رہے۔

پس جو شخص خلافت کو صرف تیس برس تک مانتا ہے وہ اپنی نادانی سے خلافت کی علت غائی کو نظر انداز کرتا ہے اور نہیں جانتا کہ خدا تعالیٰ کا یہ ارادہ تو ہرگز نہیں تھا کہ رسول کریمؐ کی وفات کے بعد صرف تیس برس تک رسالت کی برکتوں کو خلیفوں کے لباس میں قائم رکھنا ضروری ہے پھر بعد اس کے دنیا تباہ ہو جائے تو ہو جائے کچھ پرواہ نہیں...

پس یہ حقیر خیال خدا تعالیٰ کی نسبت تجویز کرنا کہ اس کو صرف اس امت کے تیس 30 برس کا ہی فکر تھا اور پھر ان کو ہمیشہ کے لئے ضلالت میں چھوڑ دیا اور وہ نور جو قدیم سے انبیاء سابقین کی امت میں خلافت کے آئینہ میں وہ دکھلاتا رہا اس امت کے لیے دکھلانا اس کو منظور نہ ہوا۔ کیا عقل سلیم خدائے رحیم و کریم کی نسبت ان باتوں کو تجویز کرے گی۔ ہرگز نہیں۔ اور پھر یہ آیت خلافت ائمہ پر گواہ ناطق ہے وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ (الانبیاء:106) کیونکہ یہ آیت صاف صاف پکار رہی ہے کہ اسلامی خلافت دائمی ہے اس لئے کہ یَرِثُھَا کا لفظ دوام کو چاہتا ہے۔ وجہ یہ کہ اگر آخری نوبت فاسقوں کی ہو تو زمین کے وارث وہی قرار پائیں گے نہ کہ صالح اور سب کا وارث وہی ہوتا ہے جو سب کے بعد ہو۔

پھر اس پر بھی غور کرنا چاہیئے کہ جس حالت میں خدا تعالیٰ نے ایک مثال کے طور پر سمجھا دیا تھا کہ میں اسی طور پر اس امت میں خلیفے پیدا کرتا رہوں گا جیسے موسیٰ کے بعد خلیفے پیدا کئے تو دیکھنا چاہیئے تھا کہ موسیٰ کی وفات کے بعد خدا تعالیٰ نے کیا معاملہ کیا۔ کیا اس نے صرف تیس برس تک خلیفے بھیجے یا چودہ سو برس تک اس سلسلہ کو لمبا کیا۔ پھر جس حالت میں خدا تعالیٰ کا فضل ہمارے نبی ﷺ پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہیں زیادہ تھا چنانچہ اس نے خود فرمایا: وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا (النساء:114) اور ایسا ہی اس امت کی نسبت فرمایا: كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (ال عمران:111) تو پھر کیونکر ہو سکتا تھا کہ حضرت موسیٰ کے خلیفوں کا چودہ سو برس تک سلسلہ ممتد ہو اور اس جگہ صرف تیس برس تک خلافت کا خاتمہ ہو جاوے اور نیز جب کہ یہ امت خلافت کے انوار روحانی سے ہمیشہ کے لئے خالی ہے تو پھر آیت اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ کے کیا معنی ہیں کوئی بیان تو کرے۔ مثل مشہور ہے کہ اُو خویشتن گم

است کرار راہبری کند۔ جب کہ اس امت کو ہمیشہ کے لئے اندھا رکھنا ہی منظور ہے اور اس مذہب کو مردہ رکھنا ہی مدّ نظر ہے تو پھر یہ کہنا کہ تم سب سے بہتر ہو اور لوگوں کی بھلائی اور رہنمائی کے لئے پیدا کئے گئے ہو کیا معنی رکھتا ہے۔ کیا اندھا اندھے کو راہ دکھا سکتا ہے سوائے لوگو جو مسلمان کہلاتے ہو برائے خدا سوچو کہ اس آیت کے یہی معنی ہیں کہ ہمیشہ قیامت تک تم میں روحانی زندگی اور باطنی بینائی رہے گی۔ اور غیر مذہب والے تم سے روشنی حاصل کریں گے اور یہ روحانی زندگی اور باطنی بینائی جو غیر مذہب والوں کو حق کی دعوت کرنے کے لئے اپنے اندر لیاقت رکھتی ہے یہی وہ چیز ہے جس کو دوسرے لفظوں میں خلافت کہتے ہیں پھر کیونکر کہتے ہو کہ خلافت صرف تیس برس تک ہو کر پھر زاویہ عدم میں مخفی ہو گئی۔ اِتَّقُوا اللہ۔ اِتَّقُوا اللہ۔ اِتَّقُوا اللہ۔“

(”شہادۃ القرآن“ روحانی خزائن جلد 06 صفحہ 351 تا 355)



خلافت احمدیہ سے وابستہ رہیں

امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”آج 27/مئی ہے اور جیسا کہ ہر احمدی جانتا ہے اس دن جماعت احمدیہ میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کے بعد خلافت کا آغاز ہوا اور اس کی مناسبت سے جماعت میں یہ دن یوم خلافت کے طور پر منایا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کے وعدے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشگوئی اور حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قدرت ثانیہ کے متعلق دی ہوئی خوشخبری پر ہم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بکھرنے سے بچالیا۔ ہمیں ایک لڑی میں پرو دیا۔ اور اس حوالے سے ہم یہ عہد بھی کرتے ہیں کہ ہم خلافت احمدیہ کے قیام اور ہمیشہ جاری رکھنے کے لئے ہر قسم کی قربانی کے لئے بھی تیار رہیں گے۔ (انشاء اللہ)

جماعت احمدیہ کی گزشتہ 108 سالہ تاریخ اس بات پر گواہ ہے کہ اس عہد کو پورا کرنے کے لئے ایک کے بعد دوسری نسل نے ثبات قدم کے ساتھ قربانیاں دیں۔ اللہ تعالیٰ آئندہ بھی جماعت کے ہر فرد کو جو اس وقت جماعت میں ہے یا آئندہ انشاء اللہ شامل ہو گا ہمیشہ اس عہد کو نبھانے کی توفیق عطا فرماتا رہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی بعثت کا مقصد بندے کو خدا تعالیٰ کے قریب کرنا اور اللہ تعالیٰ کے تمام حقوق ادا کرنا اور بندوں کو ایک دوسرے کے حقوق ادا کرنے کی طرف توجہ دلانا بتایا ہے۔ رسالہ الوصیت میں بھی خلافت کے قیام کی خوشخبری عطا فرما کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان باتوں کو ہی ہمیں اپنی زندگی کا حصہ بنانے کے لئے ہدایت فرمائی ہے۔ چنانچہ رسالہ الوصیت میں ایک جگہ آپؑ فرماتے ہیں کہ:

”اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کے منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے۔ خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ اور اُس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔“

فرمایا: ”کینہ وری سے پرہیز کرو اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو۔

نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ۔" (رسالہ الوصیت۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 308)

پس اگر ہم توحید پر قائم رہیں اور بنی نوع کی ہمدردی میں ترقی کرتے رہیں، خلافت احمدیہ کے ساتھ وابستہ رہیں تو پھر وہ تمام ترقیات جن کا اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے وعدہ فرمایا ہے انہیں بھی ہم دیکھنے والے ہوں گے۔ اس بات کی بھی اللہ تعالیٰ سے خبر پا کر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں خوشخبری دی ہے۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ:

"یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا۔ تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا۔ خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا۔"

(رسالہ الوصیت۔ روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 309)

پس اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قائم کردہ جماعت نے ترقی کرنی ہے یہ خدا تعالیٰ کا وعدہ ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اپنے جائزے لینے ہوں گے کہ ہم حقوق اللہ اور حقوق العباد کے لئے کیا کر رہے ہیں۔ دنیا کی نظر ہماری طرف ہے اللہ تعالیٰ نے بھی یہ کام ہمارے سپرد کیا ہے کہ توحید کو قائم کریں۔ خود بھی اللہ تعالیٰ کے قریب ہوں اور دنیا کو بھی اپنے پیدا کرنے والے واحد و یگانہ خدا کے قریب کرنے کی کوشش کریں اور انسانیت کی قدروں کو قائم کریں.....

خلافت احمدیہ اور جماعت احمدیہ کے مقاصد وہی ہیں جس کو حاصل کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو بھیجا تھا اور وہ یہی ہیں کہ بندے کو خدا تعالیٰ کے قریب کرنے کے لئے پوری کوشش کرنا اور بنی نوع انسان کے حق ادا کرنا۔ اس سے زیادہ ہمارا کوئی مقصد نہیں ہے۔

کیونکہ آج کی دنیا میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ دنیا خدا تعالیٰ کو بھول رہی ہے اور عموماً خدمت انسانیت کے نام پر اپنے مفادات حاصل کرنے کے لئے خدمت کی جاتی ہے۔ جس سے مزید بے چینیاں پیدا ہو رہی ہیں اور ملکوں اور قوموں کے تعلقات میں دُوریاں پیدا ہو رہی ہیں۔ اس دَور میں یہ بات دنیاداروں کو بڑی مشکل سے سمجھ آتی ہے کہ بغیر اپنے مفادات کے صرف خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کس طرح تم لوگ یہ کام کر سکتے ہو۔ ابھی شاید ان لوگوں کا، دنیاداروں کا خیال ہوتا ہے کہ محبت پیار کے نام پر تم احمدی لوگ جو ہو، دوسروں کے قریب آ رہے ہو یا لوگوں کو قریب لانے کی کوشش کر رہے ہو اور بعد میں جب تمہاری طاقت ہو جائے، حکومتوں پر قبضہ کرو تو شاید یہ تمہارا مقصد ہو جس کے لئے تم نے یہ طریق کار اختیار کیا۔ سٹاک ہوم (Stockholm) یونیورسٹی کے اسلامیات کے ایک پروفیسر نے بھی ایک موقع پر اس قسم کا سوال کیا تو مَیں نے اسے جو جواب دیا یہ جواب حضرت مسیح موعود علیہ

الصلوٰۃ والسلام کے اس شعر میں ہے کہ

مجھ کو کیا ملکوں سے میرا ملک ہے سب سے جدا

مجھ کو کیا تاجوں سے میرا تاج ہے رِضوان یار

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔ روحانی خزائن جلد 21 صفحہ 141)

اور یہی خلافت احمدیہ اور جماعت احمدیہ کا مقصد ہے... جیسا کہ مَیں نے کہا اکثر لوگوں نے اس بات کا اظہار کیا کہ حقیقی تعلیم کا ہمیں اب پتا چلا ہے اور آج ہمیں جماعت احمدیہ کے خلیفہ سے اسلام کی حقیقی تعلیم کا علم ہوا ہے۔ پس حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد جاری نظام خلافت نے نہ صرف ماننے والوں کی رہنمائی کی اور کرتا ہے یا خلافت رہنمائی کرتی ہے بلکہ دوسروں کو، غیروں کو، اسلام کے مخالفین کو یا اسلام سے خوف کھانے والوں کو بھی صحیح اسلامی تعلیم کے نمونے دکھاتی ہے۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 27 مئی 2016ء، خطبات مسرور جلد 14 صفحہ 286 تا 288)

حضور ایدہٗ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ افراد جماعت کو... یہ توفیق دے کہ خلافت کی باتوں کو نہ صرف سننے والے ہوں بلکہ عمل کرنے والے بھی ہوں۔... یوم خلافت پر صرف وفا کا اظہار کر دینا یا وفا کا اظہار کر کے یوم خلافت کی مبارکباد دے کر اپنے آپ کو فرض ادا کرنے والے نہ سمجھیں۔ اللہ کرے کہ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے مطابق ہم خلافت کے انعام کو سنبھالنے والے ہوں۔"

(از خطبہ جمعہ بیان فرمودہ 29 مئی 2015ء، خطبات مسرور جلد 13 صفحہ 341)



تعارف کتاب حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

وہ خزائن جو ہزاروں سال سے مدفون تھے

15۔ آسمانی فیصلہ

اے۔ ولیم

> **حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:**
> **”سب دوستوں کے واسطے ضروری ہے کہ ہماری کتب کم از کم ایک دفعہ ضرور پڑھ لیا کریں۔ کیونکہ علم ایک طاقت ہے اور طاقت سے شجاعت پیدا ہوتی ہے۔“**
> (”ملفوظات“ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جلد 7 صفحہ 224 ایڈیشن 2022ء)

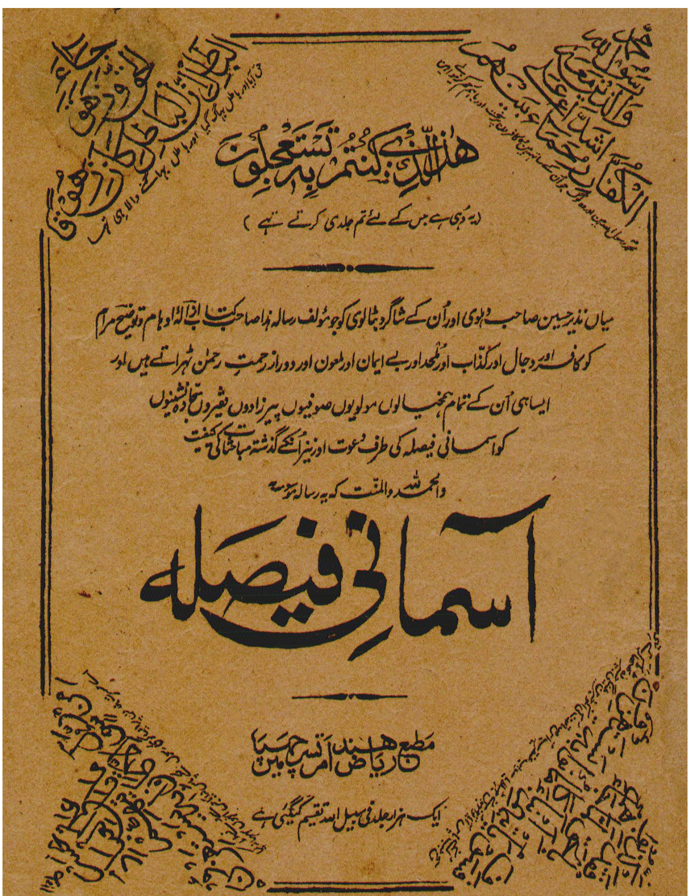
مباحثات میں عاجز آکر جب متحدہ ہندوستان کے علماء نے دیکھا کہ سلسلہ حقّہ کی قبولیت بڑھ رہی ہے تو انہوں نے حربۂ کفر کے ذریعہ اس کو روکنا چاہا اور اپنے مکروں کے آخری منصوبہ سے کام لیا اور اعلان کیا کہ یہ شخص اپنے ان دعاوی کی وجہ سے (نعوذ باللہ) مسلمان نہیں۔ اس حربۂ تکفیر کے سرغنہ مولوی محمد حسین بٹالوی صاحب تھے جن کو مولوی سید نذیر حسین صاحب دہلوی کی پشت پناہی حاصل تھی۔ یہ لوگ سمجھتے تھے کہ یہ حربہ کارگر ہوگا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایک ایسا حربہ دیا کہ جس نے اس باطل کے سارے سانپوں کو گویا ملیامیٹ کرکے رکھ دیا۔ اور وہ یہ کہ آپ نے ایک رسالہ ”آسمانی فیصلہ“ تحریر فرمایا۔ جس میں لکھا محض مونہہ سے کسی کو کافر کہہ دینے سے کوئی کافر نہیں ہو جایا کرتا۔ بلکہ مومن اور کافر کے مابین جو امتیاز قرآنِ کریم نے پیش کیا ہے اس معیار پر پرکھا جائے اور تقابل کیا جائے۔ اس سے یہ ثابت ہو جائے گا کہ مومن کون ہے؟

اس رسالہ کے ٹائٹل پیج پر لکھا گیا:

> ”میاں نذیر حسین صاحب دہلوی اور ان کے شاگرد بٹالوی کو جو مؤلف رسالہ ہذا صاحب کتاب ازالۂ اوہام و توضیح مرام کو کافر اور دجال اور کذاب اور ملحد اور بے ایمان اور ملعون اور دور از رحمتِ رحمٰن ٹھہراتے ہیں اور ایسا ہی ان کے تمام ہمخیالوں مولویوں صوفیوں پیرزادوں فقیروں سجادہ نشینوں کو آسمانی فیصلہ کی طرف دعوت اور نیز ان کے گزشتہ مباحثات کی کیفیت“

اس رسالہ آسمانی فیصلہ میں آپؑ نے لکھا:

”قبل اس کے جو میں آسمانی فیصلہ کا ذکر کروں صفائی بیان کے لئے اس قدر لکھنا ضرور ہے کہ یہ بات ظاہر ہے کہ جو لوگ خدائے تعالیٰ کے نزدیک فی الحقیقت مومن ہیں اور جن کو خدائے تعالیٰ نے خاص اپنے لئے چن لیا ہے اور اپنے ہاتھ سے صاف کیا ہے اور اپنے برگزیدہ گروہ میں جگہ دے دی ہے اور جن کے حق میں فرمایا ہے۔ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ (الفتح:30) ان میں آثار سجود اور عبودیت کے ضرور پائے جانے چاہئیں کیوں کہ خدائے تعالیٰ کے وعدوں میں خطا اور تخلّف نہیں۔ سو اُن تمام علامات کا مومن میں پائے جانا جن کا قرآن کریم میں مومنوں کی تعریف میں ذکر فرمایا گیا ہے ضروریاتِ ایمان میں سے ہے اور مومنوں اور ایسے شخص میں فیصلہ کرنے کے لئے جس کا نام اس کی قوم کے علماء نے کافر رکھا اور مفتری اور دجّال اور ملحد قرار دیا یہی علامات کامل محک ّاور معیار ہیں پس اگر کوئی شخص اپنے بھائی مسلمان کا نام کافر رکھے اور اس سے مطمئن نہ ہو کہ وہ شخص اپنے ایماندار ہونے کا اقرار کرتا ہے اور کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا قائل ہے اور اسلام کے تمام عقیدوں کا ماننے والا ہے اور خدائے تعالیٰ کے تمام فرائض اور حدود اور احکام کو فرائض اور حدود اور احکام سمجھتا ہے اور حتی الوسع اُن پر عمل کرتا ہے تو پھر بالآخر طریق فیصلہ یہ ہے کہ فریقین کو ان علامات میں آزمایا جاوے جو خدا وند تعالیٰ نے مومن اور کافر میں فرق ظاہر کرنے کے لئے قرآن کریم میں ظاہر فرمائی ہیں تا جو شخص حقیقت میں خدا تعالیٰ کے نزدیک مومن ہے اس کو خدائے تعالیٰ اپنے وعدے کے موافق تہمتِ کفر سے بری کرے اور اُس میں اور اُس کے غیر میں فرق کر کے دکھا دیوے اور روز کا قصہ کوتاہ ہو جاوے۔ یہ بات ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ اگر یہ عاجز جیسا کہ میاں نذیر حسین اور اس کے شاگرد بٹالوی کا خیال ہے درحقیقت



کافر اور دجّال اور مُفتری اور موردِ لَعن اور دائرہ اسلام سے خارج ہے تو خدائے تعالیٰ عند المقابلہ کوئی نشان ایماندارانہ کا اس عاجز کی تصدیق کے لئے ظاہر نہیں کرے گا کیونکہ خدائے تعالیٰ کافروں اور اپنے دین کے مخالفوں کے بارے میں جو بے ایمان اور مردود ہیں ایمانی علامات کے دکھلانے سے ہرگز اپنی تائید ظاہر نہیں کرتا اور کیونکر کرے جبکہ وہ اُن کو جانتا ہے کہ وہ دشمنِ دین اور نعمتِ ایمان سے بے بہرہ ہیں سو جیسا کہ میاں نذیر حسین صاحب اور بٹالوی نے میری نسبت کفر اور بے دینی کا فتویٰ لکھا اگر میں در حقیقت ایسا ہی کافر اور دجّال اور دشمن دین ہوں تو خدائے تعالیٰ اس مقابلہ میں ہرگز میری تائید نہیں کرے گا بلکہ اپنی تائیدوں سے مجھے بے بہرہ رکھ کر ایسا رسوا کرے گا کہ جیسا اتنے بڑے کذاب کی سزا ہونی چاہئے اور اِس صورت میں اہلِ اسلام میرے شر سے بچ جائیں گے اور تمام مسلمان میرے فتنہ سے امن میں آجائیں گے لیکن اگر کرشمہ قدرت یہ پیدا ہوا کہ خود میاں نذیر حسین اور ان کی جماعت کے لوگ بٹالوی وغیرہ تائید کے نشانوں میں مخذول و مہجور رہے اور تائید الٰہی میرے شاملِ حال ہوگئی تو اِس صورت میں بھی لوگوں پر حق کھل جائے گا اور روز کے جھگڑوں کا خاتمہ ہو جائے گا۔

اب جاننا چاہیے کہ خدائے تعالیٰ نے قرآن کریم میں **چار عظیم الشان آسمانی تائیدوں** کا کامل متقیوں اور کامل مومنوں کے لئے وعدہ دیا ہے اور وہی کامل مومن کی شناخت کے لئے کامل علامتیں ہیں اور وہ یہ ہیں **اوّل** یہ کہ مومن کامل کو خدائے تعالیٰ سے اکثر بشارتیں ملتی ہیں یعنی پیش از وقوع خوشخبریاں جو اُس کی مرادات یا اُس کے دوستوں کے مطلوبات ہیں اس کو بتلائی جاتی ہیں۔ **دوئم** یہ کہ مومن کامل پر ایسے امور غیبیہ کھلتے ہیں جو نہ صرف اُس کی ذات یا اُس کے واسطے داروں سے متعلق ہوں بلکہ جو کچھ دنیا میں قضا و قدر نازل ہونے والی ہے یا بعض دنیا کے افراد مشہورہ پر کچھ تغیرات آنے والے ہیں اُن سے برگزیدہ مومن کو اکثر اوقات خبر دی جاتی ہے۔ **سیوم** یہ کہ مومن کامل کی اکثر دعائیں قبول کی جاتی ہیں اور اکثر اُن دعاؤں کی قبولیت کی پیش از وقت اطلاع بھی دی جاتی ہے۔ **چہارم** یہ کہ مومن کامل پر قرآن کریم کے دقائق و معارف جدیدہ و لطائف و خواص عجیبہ سب سے زیادہ کھولے جاتے ہیں۔ اِن چاروں علامتوں سے مومن کامل نسبتی طور پر دوسروں پر غالب رہتا ہے اور اگرچہ دائمی طور پر یہ قاعدہ کلّیہ نہیں ہے کہ ہمیشہ مومن کامل کو منجانب اللہ بشارتیں ہی ملتی رہیں یا ہمیشہ بلا تخلّف ہر ایک دعا اس کی منظور ہی ہو جایا کرے اور نہ یہ کہ ہمیشہ ہر ایک حادثہ زمانہ سے اُس کو اطلاع دی جائے اور نہ یہ کہ ہر وقت معارفِ قرآنی اُس پر کھلتے رہیں لیکن غیر کے مقابلہ کے وقت ان چاروں علامتوں میں کثرت مومن ہی کی طرف رہتی ہے اگرچہ ممکن ہے کہ غیر کو بھی مثلاً جو مومن ناقص ہے شاذ و نادر کے طور پر ان نعمتوں سے کچھ حصہ دیا جاوے مگر **اصلی وارث** ان نعمتوں کا مومن کامل ہی ہوتا ہے۔ ہاں یہ سچ ہے کہ یہ مرتبہ کاملہ مومن کا بغیر مقابلہ کے ہر ایک بلید و غبی اور کوتاہ نظر پر کھل نہیں سکتا۔ لہٰذا نہایت صاف اور سہل طریق حقیقی اور کامل مومن کی شناخت کے لئے مقابلہ ہی ہے کیونکہ اگرچہ یہ تمام علامات بطور خود بھی مومن کامل سے صادر ہوتی رہتی ہیں لیکن یکطرفہ طور پر بعض دقتیں بھی ہیں مثلاً بسا اوقات مومن کامل کی

خدمت میں دعا کرانے کے لئے ایسے لوگ بھی آجاتے ہیں جن کی تقدیر میں قطعاً کامیابی نہیں ہوتی اور قلمِ ازل مبرم طور پر اُن کے مخالف چلی ہوئی ہوتی ہے سو وہ لوگ اپنی ناکامی کی وجہ سے مومن کامل کی اِس علامتِ قبولیت کو شناخت نہیں کرسکتے بلکہ اور بھی شک میں پڑ جاتے ہیں اور اپنے محروم رہنے کی وجہ سے مومن کامل کے کمالاتِ قبولیت پر مطلع نہیں ہوسکتے اور اگرچہ مومن کامل کا خدائے تعالیٰ کے نزدیک بڑا درجہ اور مرتبہ ہوتا ہے اور اُس کی خاطر سے اور اس کی تضرع اور دعا سے بڑے بڑے پیچیدہ کام درست کئے جاتے ہیں اور بعض ایسی تقدیریں جو تقدیر مبرم کے مشابہ ہوں بدلائی بھی جاتی ہیں مگر جو تقدیر حقیقی اور واقعی طور پر مبرم ہے وہ مومن کامل کی دعاؤں سے ہرگز بدلائی نہیں جاتی۔ اگرچہ وہ مومن کامل نبی یا رسول کا ہی درجہ رکھتا ہو۔ غرض نسبتی طور پر مومن کامل اِن چاروں علامتوں میں اپنے غیر سے بہ بداہت ممیز ہوتا ہے اگرچہ دائمی طور پر قادر اور کامیاب نہیں ہوسکتا۔ پس جب کہ یہ امر ثابت ہوچکا کہ نسبتی طور پر حقیقی اور کامل مومن کو کثرتِ بشارات اور کثرتِ استجابت دعا اور کثرتِ انکشاف مغیبات اور کثرت انکشاف معارف قرآنی سے وافر حصہ ہے تو مومن کامل اور اُس کے غیر کے آزمانے کے لئے اس سے بہتر اور کوئی طریق نہ ہو گا کہ بذریعہ مقابلہ ان دونوں کو جانچا اور پرکھا جاوے یعنی اگر یہ امر لوگوں کی نظر میں مشتبہ ہو کہ دو شخصوں میں سے کون عنداللہ مومن کامل اور کون اِس درجہ سے گرا ہوا ہے تو انہیں **چاروں علامتوں کے ساتھ مقابلہ ہونا چاہئے**۔ یعنی اِن چاروں علامتوں کو محک اور معیار ٹھہرا کر مقابلہ کے وقت دیکھا جاوے کہ اس معیار اور ترازو کی رو سے کون شخص پورا اترا ہے اور کس کی حالت میں کمی اور نقصان ہے۔

اب خلق اللہ گواہ رہے کہ میں خالصاً لِلّٰہ اور اظہاراً لِلْحَقِّ اس مقابلہ کو بدل و جان منظور کرتا ہوں اور مقابلہ کے لئے جو صاحب میرے سامنے آنا چاہئیں اُن میں سے سب سے اوّل نمبر میاں نذیر حسین دہلوی کا ہے جنہوں نے پچاس سال سے زیادہ قرآن اور حدیث پڑھا کر پھر اپنے علم اور عمل کا یہ نمونہ دکھایا کہ بلا تفتیش و تحقیق اِس عاجز کے کفر پر فتویٰ لکھ دیا اور ہزارہا وحشی طبع لوگوں کو بدظن کرکے اُن سے گندی گالیاں دلائیں اور بٹالوی کو ایک مجنون درندہ کی طرح تکفیر اور لعنت کی جھاگ منہ سے نکالنے کے لئے چھوڑ دیا اور آپ مومن کامل اور شیخ الکل اور شیخ العرب والعجم بن بیٹھے لہٰذا مقابلہ کے لئے سب سے اوّل اُنہیں کو دعوت کی جاتی ہے۔ ہاں ان کو اختیار ہے کہ وہ اپنے ساتھ بٹالوی کو بھی کہ اب تو خواب بینی کا بھی دعویٰ رکھتا ہے ملالیں بلکہ ان کو میری طرف سے اختیار ہے کہ وہ مولوی عبدالجبار صاحب خلف عبد صالح مولوی عبداللہ صاحب مرحوم اور نیز مولوی عبدالرحمن لکھو والے کو جو میری نسبت ابدی گمراہ ہونے کا الہام مشتہر کرچکے ہیں اور کفر کا فتویٰ دے چکے ہیں اور نیز مولوی محمد بشیر صاحب بھوپالوی کو جو ان کے متبعین میں سے ہیں اِس مقابلہ میں اپنے ساتھ ملالیں اور اگر میاں صاحب موصوف اپنی عادت کے موافق گریز کرجائیں تو یہی حضرات مذکورہ بالا میرے سامنے آویں اور اگر یہ سب گریز اختیار کریں تو پھر مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اس کام کے لئے ہمت کریں کیونکہ مقلّدوں کی پارٹی کے تو وہی رکن اوّل ہیں اور ان کے ساتھ ہر ایک ایسا شخص

بھی شامل ہو سکتا ہے کہ جو نامی اور مشاہیر صوفیوں اور پیرزادوں اور سجادہ نشینوں میں سے ہو اور انہیں حضرات علماء کی طرح اس عاجز کو کافر اور مفتری اور کذاب اور مکار سمجھتا ہو اور اگر یہ سب کے سب مقابلہ سے منہ پھیر لیں اور کچے عذروں اور نامعقول بہانوں سے میری اس دعوت کے قبول کرنے سے منحرف ہو جائیں تو خدا تعالیٰ کی حجت اُن پر تمام ہے۔ مَیں مامور ہوں اور فتح کی مجھے بشارت دی گئی ہے لہٰذا مَیں حضرات مذکورہ بالا کو مقابلہ کے لئے بلاتا ہوں کوئی ہے جو میرے سامنے آوے؟ اور مقابلہ کے لئے احسن انتظام یہ ہے کہ لاہور میں جو صدر مقام پنجاب ہے اس امتحان کی غرض سے ایک انجمن مقرر کی جائے۔ اگر فریق مخالف اس تجویز کو پسند کرے تو انجمن کے ممبر بتراضیٔ فریقین مقرر کئے جائیں گے اور اختلافات کے وقت کثرت رائے کا لحاظ رہے گا۔ اور مناسب ہو گا کہ چاروں علامتوں کی پورے طور پر آزمائش کے لئے فریقین ایک سال تک انجمن میں بقید تاریخ اپنی تحریرات بھیجتے رہیں اور انجمن کی طرف سے بقید تاریخ و بہ تفصیل مضمون تحریرات موصول شدہ کی رسیدیں فریقین کو بھیجی جائیں گی۔ علامت اوّل یعنی بشارتوں کی آزمائش کا طریق یہ ہو گا کہ فریقین پر جو کچھ منجانب اللہ بطریق الہام و کشف وغیرہ ظاہر ہو وہ امر بقید تاریخ و بہ ثبت شہادت چار کس از مسلماناں پیش از وقوع انجمن کی خدمت میں پہنچا دیا جائے اور انجمن اپنے رجسٹر میں بقید تاریخ اس کو درج کرے اور اس پر تمام ارکان انجمن یا کم سے کم پانچ ممبروں کے دستخط ہو کر پھر ایک رسید اس کی فریسندہ کو حسبِ تصریح مذکور بھیجی جائے اور اس بشارت کے صدق یا کذب کا انتظار کیا جائے اور کسی نتیجہ کے ظہور کے وقت اس کی یادداشت معہ اس کے ثبوت کے رجسٹر میں لکھی جاوے اور بدستور ممبروں کی گواہیاں اس پر ثبت ہوں اور دوسری علامت کی نسبت بھی جو حوادث و نوازل دنیا کے متعلق ہے یہی انتظام مرعی رہے گا۔ اور یاد رہے کہ انجمن کے پاس یہ سب اسرار بطور امانت محفوظ رہیں گے۔ اور انجمن اس بات کا حلفاً اقرار کر لے گی کہ اس وقت سے پہلے کہ فریقین کے موازنہ کے لئے ان امور کا جلسہ عام میں اِفشا ہو ہرگز کوئی امر کسی اجنبی کے کانوں تک نہیں پہنچایا جائے گا۔ بجز اس صورت کے کہ کسی راز کا فاش ہونا انجمن کے حد اختیار سے باہر ہو اور علامت سوم یعنی قبولیت دعا کی آزمائش کا طریق یہ ہو گا کہ وہی انجمن مختلف قسم کے مصیبت رسیدوں کے بہم پہنچانے کے لئے جس میں ہر ایک مذہب کا آدمی شامل ہو سکتا ہے ایک عام اشتہار دے دی گی اور ہر ایک مذہب کا آدمی خواہ وہ مسلمان ہو خواہ عیسائی یا ہندو ہو یا یہودی ہو غرض کسی مذہب یا کسی رائے کا پابند ہو اگر وہ کسی عظیم الشان مصیبت میں مبتلا ہو اور اپنے نفس کو مصیبت زدوں کے گروہ میں پیش کرے تو بلا تمیز و تفرقہ قبول کیا جائے گا کیونکہ خدائے تعالیٰ نے جسمانی دنیوی فوائد کے پہنچانے میں اپنے مختلف المذاہب بندوں میں کوئی تمیز اور تفرقہ قائم نہیں رکھا اور مصیبت زدوں کی فراہمی کے لئے ایک ماہ تک یا جیسے انجمن مناسب سمجھے یہ انتظام رہے گا کہ اُن کے نام کے پرچے معہ ولدیت و سکونت وغیرہ کے ایک صندوق میں جمع ہوتے رہیں بعد اس کے ان کے اسم وار دو فردیں برعایت اعتدال اور بقید ولدیت و قومیت و سکونت و مذہب و پیشہ و تبصریح بلاء پیش آمدہ مرتب کر کے فریقین کے سامنے معہ ان مصیبت رسیدوں کے پیش کریں گے اور فریقین

ان مصیبت رسیدوں کا ملاحظہ کر کے ان دونوں فردوں کو بذریعہ قرعہ اندازی کے باہم تقسیم کرلیں گے اور اگر کوئی مصیبت زدہ کسی دور دراز ملک میں ہو اور بوجہ بُعدِ مسافت وعَدم مَقدرت حاضر نہ ہوسکے تو ایک شاخ انجمن اُس شہر میں مقرر ہو کر جہاں وہ مصیبت زدہ رہتا ہے اُس کے پرچہ مصیبت کو صدر انجمن میں پہنچادیں گی اور بعد قرعہ اندازی کے ہر ایک فریق کے حصہ میں جو فرد آئے گی اس فرد میں جو مصیبت رسیدہ مُندرج ہوں گے وہ اُسی فریق کے حصہ کے سمجھے جائیں گے جس کو خدائے تعالیٰ نے قرعہ اندازی کے ذریعہ سے یہ فرد دے دی اور واجب ہو گا کہ انجمن مصیبت رسیدوں کی فراہمی کے لئے اور اُن کی تاریخ مقررہ پر حاضر ہو جانے کی غرض سے چند ہفتے پہلے اشتہارات شائع کر دیوے اُن اشتہارات کا تمام خرچ خاص میرے ذمہ ہو گا اور وہ دو فردیں مصیبت رسیدوں کی جو تیار ہوں گی ایک ایک نقل اُن کی انجمن بھی اپنے دفتر میں رکھے گی اور یہی دن سال مقررہ میں سے پہلا دن شمار کیا جائے گا ہر ایک فریق اپنے حصہ کے مصیبت رسیدوں کے لئے دعا کرتا رہے گا اور بدستور مذکور وہ تمام کارروائی انجمن کے رجسٹر میں درج ہوتی رہے گی۔ اور اگر ایک سال کے عرصہ میں اور اُس وقت سے پہلے جو کثرت قبولیت اور غلبہ صریحہ کا اندازہ پیدا ہو کوئی فریق وفات پا جائے اور اپنے مقابلہ کے تمام امر کو ناتمام چھوڑ جائے تب بھی وہ مغلوب سمجھا جائے گا کیونکہ خدائے تعالیٰ نے اپنے خاص ارادہ سے اس کے کام کو ناتمام رکھا تا اس کا باطل پر ہونا ظاہر کرے۔‘‘

(آسمانی فیصلہ، رخ جلد4ص321تا327)

یہ اعلان مکفرین اور مکذبین علماء اور الہام وکشوف کے مدعیوں پر شہابِ ثاقب کی طرح گرا اور ان میں سے جن کو اس میں سے بالخصوص مخاطب کیا گیا تھا۔ جرأت نہ ہوئی کہ مقابلہ میں آتا۔ اور اپنے مومن اور مقرب باللہ ہونے کا ثبوت دیتا۔

رسالہ آسمانی فیصلہ روحانی خزائن جلد4میں شامل ہے۔ اور یہ دسمبر1891ء کے آخری دنوں میں لکھا گیا اور سلسلہ احمدیہ کے سب سے پہلے جلسہ سالانہ کے موقعہ پر 27/دسمبر کو بعد نماز ظہر مسجد کلاں واقعہ قادیان (مسجد اقصیٰ۔ایازؔ) میں ایک جم غفیر کے روبرو حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ سیالکوٹی نے پڑھ کر سنایا۔

(ازآسمانی فیصلہ، رخ جلد4ص336ح)

اس رسالہ میں اس اولین جلسہ میں تمام شاملین کے نام لکھے گئے ہیں۔اسی طرح ’’ڈاکٹر جگن ناتھ صاحب ملازم ریاست جموں کو آسمانی نشانوں کی طرف دعوت‘‘ کے عنوان سے ایک مضمون ہے۔

(ازآسمانی فیصلہ، رخ جلد4ص336تا340)

اسی طرح ’’منصفین کے غور کے لائق‘‘ دوصفحہ کا ایک مضمون ہے جس میں آپؑ نے بیان فرمایاہے کہ کس

طرح خدا قبل از وقت آپؑ کو بعض خبریں دیتا رہا اور وہ اپنے اپنے وقت پر پوری ہوتی رہیں۔ اور اس میں بڑے جلال کے ساتھ فرمایا:

”ایسا ہی صدہا نشان ہیں جن کے گواہ موجود ہیں۔ کیا ان دیندار مولویوں نے کبھی ان نشانوں کا بھی نام لیا جس کے دل پر خدا تعالیٰ مہر کرے اس کے دل کو کون کھولے۔ اب بھی یہ لوگ یاد رکھیں کہ ان کی عداوت سے اسلام کو کچھ ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ کیڑوں کی طرح خود ہی مر جائیں گے مگر اسلام کا نور دن بدن ترقی کرے گا۔ خدا تعالیٰ نے چاہا ہے کہ اسلام کا نور دنیا میں پھیلاوے۔ اسلام کی برکتیں اب ان مگس طینت مولویوں کی بک بک سے رک نہیں سکتیں۔ خدا تعالیٰ نے مجھے مخاطب کر کے صاف لفظوں میں فرمایا ہے اَنَا الْفَتَّاحُ اَفْتَحُ لَکَ۔ تَرٰی نَصْرًا عَجِیْبًا وَّ یَخِرُّوْنَ عَلَی الْمَسَاجِدِ۔ رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَآ اِنَّا کُنَّا خَاطِئِیْنَ۔ جَلَابِیْبُ الصِّدْقِ۔ فَاسْتَقِمْ کَمَآ اُمِرْتَ۔ اَلْخَوَارِقُ تَحْتَ مُنْتَھٰی صِدْقِ الْاَقْدَامِ۔ کُنْ لِلّٰہِ جَمِیْعًا وَّ مَعَ اللّٰہِ جَمِیْعًا۔ عَسٰی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا۔ یعنی میں فتّاح ہوں تجھے فتح دوں گا ایک عجیب مدد تو دیکھے گا اور منکر یعنی بعض ان کے جن کی قسمت میں ہدایت مقدر ہے اپنے سجدہ گاہوں پر گریں گے یہ کہتے ہوئے کہ اے ہمارے رب ہمارے گناہ بخش ہم خطا پر تھے۔ یہ صدق کے جلابیب ہیں جو ظاہر ہوں گے۔ سو جیسا کہ تجھے حکم کیا گیا ہے استقامت اختیار کر۔ خوارق یعنی کرامات اس محل پر ظاہر ہوتی ہیں جو انتہائی درجہ صدق اقدام کا ہے۔ تو سارا خدا کیلئے ہو جا تو سارا خدا کے ساتھ ہو جا۔ خدا تجھے اس مقام پر اٹھائے گا جس میں تو تعریف کیا جائے گا اور ایک الہام میں چند دفعہ تکرار اور کسی قدر اختلاف الفاظ کے ساتھ فرمایا کہ میں تجھے عزت دوں گا اور بڑھاؤں گا اور تیرے آثار میں برکت رکھ دوں گا یہاں تک کہ بادشاہ تیرے کپڑوں سے برکت ڈھونڈیں گے۔ اب اے مولویو۔ اے بخل کی سرشت والو۔ اگر طاقت ہے تو خدا تعالیٰ کی ان پیشگوئیوں کو ٹال کر دکھلاؤ ہر یک قسم کے فریب کام میں لاؤ اور کوئی فریب اٹھا نہ رکھو پھر دیکھو کہ آخر خدا تعالیٰ کا ہاتھ غالب رہتا ہے یا تمہارا۔“

(آسمانی فیصلہ، رخ جلد 4 ص 342)

رسالہ کے آخر پر میر عباس علی صاحب لدھیانوی کے ارتداد کی بابت کچھ تفصیل ہے اور جلسہ سالانہ کی بنیاد کی بابت اعلان ہے۔ اس رسالہ کی اشاعت جنوری 1892ء کی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ اس کتاب کے آخر پر ایک اشتہار ہے جو کہ 11/ جنوری 1892ء کا ہے۔ (آسمانی فیصلہ، رخ جلد 4 ص 340)

مستشرقین و دیگر کے اعتراضات اور ان کے جوابات

از افاضات امام جماعت احمدیہ عالمگیر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

ع۔ س۔ اختر

خدا تعالیٰ کی صفت حلیم

وَ لَوۡ یُؤَاخِذُ اللّٰہُ النَّاسَ بِظُلۡمِہِمۡ مَّا تَرَکَ عَلَیۡہَا مِنۡ دَآبَّۃٍ وَّ لٰکِنۡ یُّؤَخِّرُہُمۡ اِلٰۤی اَجَلٍ مُّسَمًّی ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُہُمۡ لَا یَسۡتَاۡخِرُوۡنَ سَاعَۃً وَّ لَا یَسۡتَقۡدِمُوۡنَ۔ (النحل: 63)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور قرآن کریم سے استہزاء کرنے والوں کو حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خدا تعالیٰ کی صفت حلیم کے تحت انتباہ۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”آج کل جو کارٹون بنانے والے ہیں یا جو آنحضرت ﷺ اور قرآن کریم سے استہزاء کرنے والے ہیں ان کا جواب بھی اس آیت میں آگیا ہے کہ کیوں انہیں کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے۔ یہ کھلی چھٹی نہیں ہے بلکہ یہ ڈھیل اس لئے ہے کہ خدا تعالیٰ نے اپنا ایک قانون بنایا ہوا ہے۔ اس کی صفت حلیم ہے جو اُن کو بچا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفت حلیم کا تقاضا ہے کہ وہ بندوں کی طرح فوری طور پر اشتعال میں نہیں آتا، غصے میں نہیں آتا جب تک کہ اچھی طرح اتمام حجت نہ ہو جائے۔ اس لئے یہ نہ سمجھو کہ اس ڈھیل کا ملنا، یا تمہیں فوری سزا نہ ملنا اس بات کا ثبوت ہے کہ تم حق پر ہو۔ یا اسلام یا قرآن حقیقت میں اس قابل ہی ہیں کہ ان کو اگر برا بھلا بھی کہہ دیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ یا یہ نہ سمجھو کہ تمہیں سزا کا نہ ملنا خدا تعالیٰ کے عدم وجود پر دلالت کرتا ہے۔ اگر یہی دلیل ہے کہ فوری پکڑ نہ ہو تو یا وہ دین سچا نہیں ہے یا خدا تعالیٰ کا وجود نہیں ہے تو پھر بہت سی دنیاوی برائیاں ہیں جن میں مجرم فوری طور پر پکڑتے نہیں جاتے۔ بعض جرموں کا پتہ لگنے پر حکومتی ادارے ان پر نظر رکھتے ہیں لیکن فوری پکڑتے نہیں۔ تو ان جرموں پر اس طرح پکڑے نہ جانے کا یہ مطلب نہیں نکلتا کہ وہ جرائم، جرائم نہیں رہے۔ حکومتیں بھی ایک حد تک ڈھیل دیتی ہیں اور نظر رکھتی ہیں اور پھر قانون حرکت میں آجاتا ہے۔ تو پھر جو حاکم اعلیٰ ہے اور جس نے اپنی ایک صفت حلیم بتائی ہے اُس سے کیوں

توقع رکھی جاتی ہے کہ فوری پکڑے اور اگر نہ پکڑے گا تو اس کا مطلب ہے کہ یہ دین خدا تعالیٰ کی طرف سے نہیں ہے یا خدا تعالیٰ کا کوئی وجود نہیں ہے۔

دنیاوی قانون میں تو پکڑے جانے اور سزا کے بعد اس شخص تک ہی بات محدود رہتی ہے جس کو پکڑا گیا ہو یا سزا دی گئی ہو یا زیادہ سے زیادہ اس کے فوری زیر پرورش لوگ بیوی بچے، بہن بھائی، ماں باپ متاثر ہوتے ہیں۔ اور اگر کسی کو کسی جرم میں پھانسی پر لٹکا دیا جائے تو نسل چلتی رہتی ہے یا کم از کم انسانیت کی نسل چلتی رہتی ہے، اس خاندان کی نسل چلتی رہتی ہے؟ اس معاشرے میں نسل چلتی رہتی ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ اگر میں نسل انسانی کے جرموں پر انہیں پکڑنا شروع کر دوں اور فوری پکڑنے لگوں تو نسلِ انسانی ہی ختم ہو جائے۔ پس اللہ تعالیٰ کی ڈھیل کے قانون کے بغیر تو نسلِ انسانی چل ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ دنیا گناہوں سے بھری پڑی ہے اگر یہ ہو کہ ہر گناہ پر اس دنیا میں ہی اللہ تعالیٰ عذاب نازل فرمانا شروع کر دے یا جب سے دنیا بنی ہے عذاب نازل کرتا رہتا تو اب تک نسل انسانی ختم ہو چکی ہوتی۔ یہ ٹھیک ہے کہ نیک لوگ بھی دنیا میں ہیں لیکن اگر دیکھا جائے تو اول تو بہت کم ایسے نظر آئیں گے جو سو فیصد ہر نیکی کو بجالانے والے ہیں جن سے کبھی گناہ سرزد ہی نہ ہوا ہو۔ اللہ تعالیٰ تو کسی بھی جرم کی سزا میں پکڑ سکتا ہے۔ اور دوسرے یہ کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ان نیک لوگوں کے آباء واجداد بھی نیک ہی تھے۔ اگر وہ اسی وقت پکڑے جاتے تو یہ نسل ہی نہ آتی۔ یہ نیک نسل آگے چل ہی نہیں سکتی تھی اور ہوتے ہوتے آگے پھر نسل ختم ہی ہو جاتی۔ پس اگر اللہ تعالیٰ ہر گناہ کی فوری سزا اور پکڑ اور عذاب شروع کر دے تو نسل انسانی کا خاتمہ ہو جائے۔ یہ ٹھیک ہے کہ بہت سوں کو اللہ تعالیٰ اسی دنیا میں بھی سزا دیتا ہے۔ لیکن جب شیطان نے کہا تھا کہ میں انسانوں کو ورغلانے کے لئے ان کے آگے سے بھی اور ان کے پیچھے سے بھی اور ان کے دائیں سے بھی اور ان کے بائیں سے بھی آؤں گا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ میں ان سب کو پھر جہنم سے بھر دوں گا جو تیری اتباع کرنے والے ہیں۔ گو بعض لوگوں کو ان کے اعمال اس دنیا میں ہی جہنم کا نمونہ دکھا دیتے ہیں لیکن یہ جہنم کا دور مرنے کے بعد ان کی سزا سے شروع ہو گا۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ جو جزا سزا کا دن رکھا ہے یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ اللہ تعالیٰ فوری طور پر یہاں نہیں پکڑتا بلکہ آگے جا کے پکڑے گا۔ اگلے جہان جا کر جزا سزا کا فیصلہ ہو گا۔ اس لئے آخرت پر یقین نہ رکھنے والے یہ نہ سمجھیں کہ اس دنیا میں اگر پکڑ نہیں ہے تو اگلے جہان میں بھی ہمارے ساتھ کوئی پوچھ گچھ نہیں ہو گی کیونکہ ہمارا کفارہ ادا ہوا ہے یا خدا کا کوئی وجود ہی نہیں ہے جو ہمیں سزا دے۔ کاش کہ اللہ تعالیٰ کی چھوٹ سے غلط مطلب نکالنے کی بجائے یا خدا کو نہ سمجھنے والے اس حقیقت کو سمجھیں کہ خدا ہے اور اس کی طرف جھکنے والے بنیں۔

پھر اس آیت میں خدا تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اگر ہر گناہ پر اس دنیا میں گرفت شروع ہو جائے تو اس

زمین پر مَیں پھر کوئی جاندار بھی باقی نہ چھوڑتا اور جاندار کا نہ چھوڑنا، کیا مقصد ہے؟ یہ اس لئے کہ اس رحمان خدا نے انسان کی بقائے زندگی کے لئے اس دنیا میں پہلے زندگی پیدا کی ہے۔ اس لئے کہ جو خدا تعالیٰ کی باقی مخلوق ہے اس کی زندگی بھی انسان کی زندگی کے لئے ضروری ہے بلکہ انسان کی پیدائش سے پہلے ہی دوسری مخلوق اللہ تعالیٰ نے پیدا کر دی تھی۔ پہلے دوسری زندگی شروع ہوئی تھی۔ ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے انسان کی خدمت پر لگا دیا اور اس کے لئے مسخّر کر دیا۔ پس اگر انسان کی زندگی کا سزا دے کر خاتمہ کرنا تھا تو اس مخلوق کو ہی ختم کر دیتا جو انسان کی بقا کے لئے تھی اور انسان ایک عذاب میں مبتلا ہو کر ختم ہو جاتا۔ کیونکہ بقایا زندگی کی بنیاد ہی ختم ہو جاتی۔ یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جب کسی عذاب سے انسانیت ہی کو ختم کرنا تھا تو پھر اس کی بقا کے جو سامان مہیا فرمائے ان کا بھی خاتمہ کر دیتا۔ کیونکہ جب انسان ہی نہیں رہا تو ان چیزوں کی بھی ضرورت نہیں رہی۔ پس اللہ تعالیٰ کے فوری طور پر کسی جرم میں نہ پکڑنے کی بڑی حکمت ہے۔ جس طرح نیک لوگوں میں سے بد پیدا ہو جاتے ہیں یا ہو سکتے ہیں اسی طرح بدوں میں سے نیک بھی پیدا ہوتے ہیں۔

آنحضرت ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی اس صفت حلیم کو خوب سمجھا ہے تبھی تو طائف کے سفر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس بد قماش قوم کو ختم کرنے کے لئے کہنے پر آپؐ نے اس حلیم کا پرتَو بنتے ہوئے عرض کی کہ اے اللہ! میں امید کرتا ہوں کہ ان کی نسل میں سے تیری عبادت کرنے والے پیدا ہوں گے۔ اور تجھ سے دعا بھی کرتا ہوں اور تو میری اس دعا کو قبول کر۔ اور پھر اس قوم میں سے دنیا نے دیکھا کہ ایک خدا کی عبادت کرنے والے پیدا ہوئے۔ وہ جو آپؐ کی جان لینا چاہتے تھے، ان کی زندگی کا مقصد ہی یہ تھا کہ نعوذ باللہ آنحضرت ﷺ کی جان لیں۔ وہی آپؐ پر اپنی جانیں نثار کرنے والے بن گئے۔ پس اللہ تعالیٰ کی ڈھیل میں بڑی حکمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ میں ان کا حساب نہیں لوں گا بلکہ مؤاخذہ میں ڈھیل ہے۔ اور فرمایا جب مؤاخذہ کا وقت آئے گا تو پھر اس کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

پھر ایک جگہ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں ان لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو حد سے بڑھ جاتے ہیں فرماتا ہے کہ وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِمَا كَسَبُوْا مَا تَرَكَ عَلٰى ظَهْرِهَا مِنْ دَآبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِعِبَادِهٖ بَصِيْرًا۔ (الفاطر:46) اور اگر اللہ لوگوں کا اس کے نتیجہ میں مؤاخذہ کرتا جو انہوں نے کمایا تو اس (زمین) کی پشت پر کوئی چلنے پھرنے والا جاندار باقی نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو (آخری) مدت تک مہلت دیتا ہے۔ پس جب ان کی مقررہ مدت آجائے گی تو (خوب کھل جائے گا کہ) یقیناً اللہ اپنے بندوں پر گہری نظر رکھنے والا ہے۔

اس آیت سے کچھ پہلے اسی سورۃ فاطر میں اللہ تعالیٰ اپنے حلیم ہونے کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا ۚ وَ لَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حَلِيْمًا

غَفُوْرًا۔ (الفاطر:42) کہ یقیناً اللہ آسمانوں اور زمین کو روکے ہوئے ہے کہ وہ ٹل سکیں اور اگر وہ دونوں (ایک دفعہ) ٹل گئے تو اس کے بعد کوئی نہیں جو پھر انہیں تھام سکے۔ یقینا وہ بہت بُردبار اور بہت بخشنے والا ہے۔

اس آیت کا مقصد ہے کہ وہ لوگ جو ایمان لانے والے نہیں وہ اپنی مذموم حرکتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے یقینا قابل ہیں۔ لیکن خدا تعالیٰ جو رحم کرنے والا ہے، بردبار ہے، بخشنے والا ہے اس نے تمہیں بچایا ہوا ہے اور ڈھیل دیتا ہے کہ ابھی بھی وقت ہے کہ اپنی حالتوں کو بدلو۔ اس رویّے کو بدلو جو آنحضرت ﷺ کے خلاف تم نے اپنایا ہوا ہے۔ اپنی اصلاح کر لو ورنہ اگر اللہ تعالیٰ اپنا حساب لینا شروع کر دے اور فوری سزا شروع کر دے تو چند لمحوں میں تمہیں ختم کر سکتا ہے۔ اور زمین و آسمان کو اس نے روک رکھا ہے۔ اگر وہ ٹل جائیں تو پھر قیامت کا نمونہ ہو گا۔ پس وہ خدا جس نے زمین و آسمان کو پیدا کیا ہے جو فوری بدلے نہیں لیتا اور بخشنے والا بھی ہے اس کی طرف جھکو اور اپنی حدود کے اندر رہو۔

یہ جو پہلی آیت میں نے پڑھی تھی (الفاطر:46 مراد ہے۔ ناقل) اور ترتیب کے لحاظ سے وہ آخری آیت ہے۔ اس میں بھی اس بات کا اعادہ کیا گیا ہے کہ اگر تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ فوری مؤاخذہ کرتا تو نہ کوئی جنگلی جانور باقی رہتا، نہ کوئی گھریلو جانور باقی رہتا، نہ کوئی پرندہ باقی رہتا۔ یعنی پھر یہاں دوبارہ اس بات کا اظہار فرمایا کہ تمہاری زندگی کی بقا جن زندگیوں سے وابستہ ہے اگر صرف انہی کا خاتمہ اللہ تعالیٰ کر دے تو تمہاری زندگی اذیت ناک ہو جائے گی اور اسی عذاب میں مبتلا ہو کر ختم ہو جاؤ گے۔ پس کس بات پر اِتراتے پھرتے ہو اور تکبر کرتے ہو۔

پس اللہ تعالیٰ نے جو یہ عارضی ڈھیل دی ہے اس سے سبق سیکھو۔ یہ مستقل سزا بھی بن سکتی ہے۔ اب یہاں مرغیوں کی بیماریاں آئیں مثلاً برڈ فلو ہے، دنیا میں بڑا پھیلا۔ اس نے کئی ملکوں کے لوگوں کو پریشان کر دیا۔ یہ تو ہلکے ہلکے جھٹکے ہیں جو خدا تعالیٰ کی طرف سے ملتے ہیں۔ لیکن سب سمجھتے نہیں۔ سمجھتے وہی ہیں جو سمجھنے والے ہیں۔ ایک زمانے میں گائیوں کی بیماری نے ان کو پریشان کر دیا تھا۔ اگر غور کریں اور سوچیں کہ اللہ تعالیٰ جو ہر چیز پر قادر ہے ایک وقت میں ہی دنیا کے ان تمام جانوروں میں کسی قسم کی بیماری پیدا کر دے تو دنیا اسی سے عذاب میں مبتلا ہو جائے گی۔ پس اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے۔ وہ ایک آخری مدت تک مہلت دیتا ہے اور جب وہ مدت آجائے اور انسان اپنے رویوں میں تبدیلی نہ کرے، خدا کے کاموں میں ہاتھ ڈالنے سے باز نہ آئے، اس کی رَکھ میں داخل ہونے کی کوشش کرے تو پھر مزید ڈھیل نہیں ہوتی۔ پھر صفت حلیم کی بجائے دوسری صفات اپنا کام کرنا شروع کر دیتی ہیں۔

اس آیت میں بھی اور دوسری آیات میں بھی دَابَّۃ کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کا ترجمہ ہے جاندار یا جانور۔ اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ زمین کے کیڑے، پس یہاں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایسے لوگ جو خدا تعالیٰ کے اور اس

کے نبیوں کے مقابلے پر کھڑے ہوتے ہیں وہ دنیا کے کیڑے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو اس بات کی کوئی پرواہ نہیں ہوگی کہ اگر یہ لوگ اپنی اصلاح نہیں کرتے تو جس طرح کیڑوں کو مسلنے میں کوئی عار نہیں ہے ان کو بھی اسی طرح ختم کر دے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے قانون کے مطابق ایک مدت تک مہلت دی ہوئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نظر میں اور ہر دیندار کی نظر میں یہ لوگ بے حقیقت ہیں۔ ذلیل کیڑے سے زیادہ ان لوگوں کی کوئی حیثیت نہیں جو خدا کے مقابلے پر کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ تو چند مثالیں ہیں جو مَیں نے پیش کیں، ان لوگوں کی جو استہزاء میں بڑھے ہوتے ہیں اور خاص طور پر اسلام اور آنحضرت ﷺ کو نشانہ بناتے ہیں اور زبان حال سے یہ کہتے ہیں کہ اسلام کا اگر کوئی خدا ہے تو سامنے آکر ہم سے بدلہ کیوں نہیں لیتا۔ تو اللہ تعالیٰ حلیم ہے درگزر کرتا ہے لیکن جب اس کی چکی چلتی ہے تو اس دنیا میں بھی حد سے بڑھے ہوؤں کو خائب و خاسر کر دیتی ہے اور اگلے جہان میں بھی۔"

(خطبہ جمعہ فرمودہ مورخہ 14 مارچ 2008ء، خطبات مسرور جلد 6 صفحہ 110 تا 114)

آئے بھی اور آ کے چلے بھی گئے وہ آہ!

حضرت اقدس مسیح موعود و مہدیٔ معہود بانیٔ سلسلہ احمدیہ کی حیات مبارکہ کے آخری ایام

مقالہ نگار: اے ولیم مدیر رسالہ ہذا

حضرت اقدسؑ کا سفر لاہور

ماہ اپریل 1908ء میں اللہ تعالیٰ کی باریک در باریک مصلحتوں اور نہاں در نہاں تقدیر کے ماتحت حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ عنہا کی خرابیٔ طبیعت اور بیماری وغیرہ کی وجہ سے کچھ ایسے حالات پیدا ہوئے جن کے باعث حضرت اقدسؑ کو سفر لاہور اختیار کرنا پڑا۔ کچھ حضورؑ کی اپنی طبیعت بھی ٹھیک نہ تھی سو تبدیلی آب ہوا کی غرض سے بعد استخارہ مسنونہ لاہور جانے کا پروگرام بنایا گیا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے تحریر فرماتے ہیں:۔"ان ایام میں ہماری والدہ صاحبہ کی طبیعت علیل رہتی تھی اور ان کی خواہش تھی کہ لاہور جا کر کسی ماہر لیڈی ڈاکٹر کو دکھا کر علاج کرائیں۔۔۔ یہ اپریل 1908ء کے آخری ایام تھے۔"(سلسلہ احمدیہ جلد اول ص 171)

حضرت مولوی عبداللہ سنوری صاحبؓ کے نام ایک خط میں حضرت اقدسؑ سفر لاہور کی وجہ یوں تحریر فرماتے ہیں :

"میں بباعث علالت طبع والدہ محمود احمد کے اور نیز بباعث خود اپنی بیماری کے تبدیل آب وہوا کے لئے لاہور میں آ گیا ہوں۔"(مکتوبات احمد جلد 3 ص 244، مکتوب نمبر 78 بنام حضرت منشی عبد اللہ سنوریؓ صاحب)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہ رضی اللہ عنہا کا ایک خواب

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے تحریر فرماتے ہیں:

"خاکسار عرض کرتا ہے کہ مجھ سے ہماری ہمشیرہ مبارکہ بیگم صاحبہ نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت صاحب آخری سفر میں لاہور تشریف لے جانے لگے تو آپ نے ان سے کہا کہ مجھے ایک کام درپیش ہے دعا کرو اور اگر کوئی خواب آئے تو مجھے بتانا۔ مبارکہ بیگم نے خواب دیکھا کہ وہ چوبارہ پر گئی ہیں اور وہاں حضرت مولوی نورالدین صاحب ایک کتاب لئے بیٹھے ہیں اور کہتے ہیں کہ دیکھو اس کتاب میں میرے متعلق حضرت صاحب کے الہامات ہیں اور مَیں ابوبکر ہوں۔ دوسرے دن صبح مبارکہ بیگم سے حضرت صاحب نے پوچھا کہ کیا کوئی خواب دیکھا ہے؟ مبارکہ بیگم

نے یہ خواب سنائی تو حضرت صاحب نے فرمایا۔ یہ خواب اپنی اماں کو نہ سُنانا۔ مبارکہ بیگم کہتی ہیں کہ اس وقت مَیں نہیں سمجھی تھی کہ اس سے کیا مراد ہے۔ خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ خواب بہت واضح ہے اور اس سے یہ مراد تھی کہ حضرت صاحب کی وفات کا وقت آن پہنچا ہے اور یہ کہ آپ کے بعد حضرت مولوی صاحب خلیفہ ہوں گے۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ اس وقت ہمشیرہ مبارکہ بیگم صاحبہ کی عمر گیارہ سال کی تھی۔ دوسری روایتوں سے پتہ لگتا ہے کہ حضرت صاحب اس سفر پر تشریف لے جاتے ہوئے بہت متأمل تھے کیونکہ حضور کو یہ احساس ہو چکا تھا کہ اسی سفر میں آپ کو سفر آخرت پیش آنے والا ہے۔ مگر حضور نے سوائے اشارے کنایہ کے اس کا اظہار نہیں فرمایا۔ نیز خاکسار عرض کرتا ہے کہ ہماری ہمشیرہ کا یہ خواب غیر مبایعین کے خلاف بھی حجت ہے کیونکہ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بعد خلافت کی طرف صریح اشارہ ہے۔"(سیرت المہدی جلد اول روایت نمبر 537)

ایک الہام کی بناء پر سفر ملتوی ہونا

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے تحریر فرماتے ہیں:۔"ابھی آپ قادیان میں ہی تھے اور دوسرے دن روانگی کی تیاری تھی کہ 25 اور 26، اپریل کی درمیانی شب کو آپ کو یہ الہام ہوا کہ: مباش ایمن از بازیٔ روزگار (الحکم جلد 12 نمبر 30 مؤرخہ 26 اپریل 1908ء) یعنی اس زندگی کے کھیل سے امن میں نہ رہو۔ یہ ایک چونکا دینے والا الہام تھا اور چونکہ اتفاق سے اس دن ہمارے چھوٹے بھائی[1] کی طبیعت بھی علیل ہو گئی اس لئے آپ پھر متامل ہو گئے اور اس دن کی روانگی ملتوی کر دی۔"(سلسلہ احمدیہ جلد اول ص 171)

حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحبؓ فرماتے ہیں:

"اس الہام اور پہلی تیاری و التوا کی خبروں سے لوگوں پر غالب اثر یہ تھا کہ حضور پُر نور کا یہ سفر اب پختہ طور پر معرض التوا ہی میں رہے گا۔ مگر دوسرے ہی روز یعنی 27/ اپریل 1908ء کی صبح کو حضور کی روانگی کا فیصلہ ہو گیا چنانچہ صبح کی نماز کے بعد خدام کو تیاری کا حکم ہوا اور رخت سفر باندھا جانے لگا۔ قریباً سات یا آٹھ بجے حضور معہ اہل بیت و تمام خاندان روانہ ہوئے۔ چند یکّے اور ایک رتھ حضور اور خاندان کی سواری کے لئے ساتھ تھے۔ حضرت مولانا مولوی نورالدین صاحب معہ اہل بیت و بچگان وغیرہ۔ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی نیز بعض اور اصحاب اور خدام و خادمات حضور کے ہمرکاب تھے۔ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سلّمہٗ ربّہٗ کی گھوڑی مکرمی مفتی فضل الرحمٰن کے سپرد تھی۔ حضرت مفتی محمد صادق صاحب کو بعد میں حضور نے لاہور بلوا لیا تھا۔"

(تتمہ سیرت المہدی جلد 2 ص 376)

1۔ حضرت صاحبزادہ مرزا شریف احمد صاحبؓ

حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے تحریر فرماتے ہیں:

''حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کے حرم یعنی اماں جی نے مجھ سے بیان کیا کہ جب 1908ء میں حضرت مسیح موعودؑ آخری دفعہ لاہور تشریف لے جانے لگے اور اسی سفر میں آپ کی وفات ہوئی تو مَیں دیکھتی تھی کہ آپ اس موقعہ پر قادیان سے باہر جاتے ہوئے بہت متامّل تھے اور فرماتے بھی تھے کہ میرا اس سفر پر جاتے ہوئے دل رُکتا ہے۔ مگر چونکہ حضرت ام المومنین اور بچوں کی خواہش تھی اس لئے آپ تیار ہو گئے۔ پھر جب آپ روانہ ہونے لگے تو آپ نے اپنے کمرہ کو جو حجرہ کہلاتا تھا خود اپنے ہاتھ سے بند کیا اور جب آپ اس کے دروازہ کو قفل لگا رہے تھے۔ تو مَیں نے سنا کہ آپ بغیر کسی کو مخاطب کرنے کے یہ الفاظ فرما رہے تھے کہ **اب ہم اس کمرہ کو نہیں کھولیں گے۔** جس میں گویا یہ اشارہ تھا کہ اسی سفر کی حالت میں آپ کی وفات ہو جائے گی۔''(سیرت المہدی جلد اول روایت نمبر 883)



وہ دروازہ جو آپؑ نے لاہور جانے سے قبل اپنے دست مبارک سے بند کیا تھا۔

سرائے مائی اچھرا دیوی بٹالہ میں قیام

بٹالہ پہنچے تو معلوم ہوا کہ آج ریزرو گاڑی کا انتظام نہیں ہو سکتا۔ اس پر بٹالہ میں ریزرو گاڑی کے انتظار میں ٹھہر گئے۔ اور سٹیشن کے قریب ہی ایک لب سڑک سرائے میں قیام ہوا، جس کے دروازہ پر '' سرائے مائی اچھرا دیوی'' منقوش ہے۔ یہ سرائے ریلوے روڈ پر رائل فونڈری بٹالہ کے قریب بازار کے مشرقی حصہ میں ہے۔ اس سرائے کے دروازے پر لکھا ہوا ہے کہ اس کی بنیاد 15 اگست 1893ء کو رکھی گئی تھی۔ سرائے کا دروازہ سڑک کی طرف کھلتا ہے۔ دروازہ کے اندر داخل ہوتے ہی سیڑھیاں دائیں جانب سے اوپر کو چڑھتی اور ایک کمرے کے سامنے جا کر ختم ہوتی ہیں۔ یہ کمرہ دوسری منزل پر ہے اور اسی میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام ٹھہرے تھے۔ [خاکسار نے یہ سرائے 2007ء میں دیکھی تھی اور جیسا محل وقوع بیان ہوا ہے اسی طرح یہ موجود تھی۔ شاید سیڑھیوں کی جگہ تبدیل ہوئی ہو گی۔ احمد ایاز]

حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور خاندان کے اراکین علیوال کی نہر پر سیر کے واسطے تشریف لے گئے۔ جہاں سے شام کے قریب واپسی ہوئی۔ بٹالہ یا علیوال کے سرسبز درختوں کا گھنا سایہ دیکھ کر واہ واہ کہتے ہوئے کسی

خادمہ کی زبان سے نکلا۔ "کیسا پیارا منظر اور ٹھنڈی چھاؤں ہے" حضور نے یہ الفاظ سن کر فرمایا: "ہمیں تو قادیان کی دھوپ بھی اچھی لگتی ہے" (تتمہ سیرت المہدی جلد 2 ص 377-376 و تاریخ احمدیت جلد 2 ص 535 ح نمبر 8)

حضرت اقدس علیہ السلام کی قادیان سے محبت کا اندازہ ایک اور روایت سے بھی ہوتا ہے چنانچہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیان فرماتے ہیں:

"اس موقعہ پر جبکہ حضرت مسیح موعودؑ لاہور گئے ہیں اور آپ کا وصال ہو گیا ہے۔ ایک دن مجھے آپ نے ایک مکان میں بلا کر فرمایا۔ محمود دیکھو یہ دھوپ کیسی زرد سی معلوم ہوتی ہے۔ چونکہ مجھے ویسی ہی معلوم ہوتی تھی جیسی کہ ہر روز دیکھتا تھا میں نے کہا نہیں اسی طرح کی ہے جس طرح کی ہر روز ہوا کرتی ہے۔ آپ نے فرمایا نہیں یہاں کی دھوپ کچھ زرد اور مدھم سی ہے۔ قادیان کی دھوپ بہت صاف اور عمدہ ہوتی ہے۔ چونکہ آپ نے قادیان میں ہی دفن ہونا تھا اس لیے آپ نے یہ ایک ایسی بات فرمائی جس سے قادیان سے آپ کی محبت اور الفت کا پتہ لگتا تھا۔ کیونکہ جب کہیں سے جدائی ہونے لگتی ہے تو وہاں کی ذرا ذرا چیز سے بھی محبت اور الفت کا خیال آتا ہے۔"

(انوار خلافت۔ انوار العلوم جلد 3 ص 175)

بٹالہ میں مجلس عرفان جاری رہی اور احباب کے مختلف سوالات کے جوابات حضورؑ نے دئے۔ اسی طرح امرتسر میں سٹیشن پر ایک مسلمان مع چند آدمیوں کے حضرت اقدسؑ سے ملنے کے لئے تشریف لائے حضورؑ نے ان کو گاڑی کے اندر بلا کر اپنے پاس بٹھایا اور ان کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے وفات و حیات مسیح کا فیصلہ قرآن سے لینے کا ارشاد فرمایا۔ یہ تفصیل ملفوظات جلد 10 ص 254 تا 256 پر موجود ہے۔

یہ دن رات بلکہ دوسرا دن رات بھی بٹالہ کی اسی سرائے میں قیام رہا۔ سیر کے واسطے حضور معہ اہل بیتؑ تشریف لے جاتے رہے اور رات اسی سرائے میں قیام ہوتا رہا۔ آخر گاڑی کے ریزرو کا فیصلہ ہو گیا اور تیسرے روز یعنی 29، اپریل صبح کی گاڑی سیکنڈ کلاس کے ڈبہ سے حضور نے لاہور کا عزم فرمالیا۔ جہاں دوپہر کے وقت خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان واقع کیلیانوالی[1] سڑک [موجودہ برانڈرتھ روڈ] متصل موجودہ اسلامیہ کالج لاہور میں پہنچ کر قیام ہوا۔

احمدیہ بلڈنگز برانڈرتھ روڈ لاہور کا تعارف

ان ایام میں یہ علاقہ قریباً ایک جنگل کی حیثیت میں تھا۔ کچھ باغات تھے۔ اس علاقہ کی زمین کی ملکیت چوہدری اللہ یار صاحب کی تھی۔ خواجہ کمال الدین صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے 1906ء میں ان سے زمین لیز پر لی۔ سب سے پہلے خواجہ صاحب اور پھر ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب نے لب سڑک اپنے مکانات تعمیر کئے۔

1۔ یہاں پر کیلوں کے باغات تھے جس وجہ سے اس کو کیلیانوالی سڑک کہتے تھے۔



احمدیہ بلڈنگز لاہور

خواجہ صاحب کا مکان احمدیہ بلڈنگس کی تین گلیوں میں سے شرقی جانب کی پہلی گلی کے سرے پر تھا جس کی پیشانی پر ابتدائی زمانہ میں بڑے حروف میں احمدیہ بلڈنگس لکھا ہوا ہوتا تھا جو دور سے نظر آتا تھا۔ اس گلی کا نام جامع سٹریٹ تھا۔ درمیانی گلی چونکہ پرائیویٹ تھی اس لئے اس کا کوئی نام نہ تھا۔ اور آخری گلی کا نام احمدیہ سٹریٹ رکھا گیا۔ کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور بابو منظور الٰہی صاحب نے بھی اپنے مکانات تعمیر کئے۔ اس وقت تک اس علاقہ میں ان عمارات کے علاوہ اور کوئی عمارت نہ تھی۔ البتہ برانڈرتھ روڈ کی دوسری جانب اسلامیہ کالج کی عمارت بن چکی تھی۔ سڑک کی طرف سے کالج کی گراؤنڈ تک جانے کے لئے دو بڑے گیٹ تھے۔ جن کی جگہ اب دکانیں بن چکی ہیں۔ جب اس علاقہ میں مکانات تعمیر ہو گئے تو ان تین گلیوں میں احمدی احباب کے مکانات کی ترتیب کچھ یوں تھی۔

دالگراں چوک سے آتے ہوئے دائیں طرف جامع سٹریٹ نمبر 9 میں درج ذیل احباب کے مکانات تھے۔

دائیں طرف بالترتیب: مکان خواجہ کمال الدین صاحب، مکان خواجہ جلال الدین صاحب، مکان خواجہ کمال الدین صاحب، مکان خواجہ عبد الغنی صاحب، مکان خواجہ کمال الدین صاحب جس کی نچلی منزل میں بشیر بادشاہ ریڈنگ روم قائم ہوا۔ جہاں بعد میں احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور کی مرکزی لائبریری 1988ء تک قائم رہی۔ مکان خواجہ جلال الدین صاحب، مکان بابو منظور الٰہی صاحب، مکان میاں تاج الدین صاحب۔ عمارت مسلم ہائی سکول ملکیت احمدیہ انجمن لاہور اور مکان میاں میراں بخش صاحب۔

بائیں جانب بالترتیب: مکان ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ اسی مکان میں حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا وصال 26، مئی 1908ء کو ہوا۔ یہ مکان مسجد احمدیہ تک پھیلا ہوا تھا۔ عمارت مسجد احمدیہ بلڈنگس، مکان ماسٹر نیاز علی صاحب جو بعد میں مہمان خانہ بنا دیا گیا۔ مکان انجمن [لاہور] نے 24، اگست 1926ء کو خرید لیا۔ مکان بابو شیخ غلام قادر صاحب، اور مکان عزیز بخش صاحب برادر اکبر مولوی محمد علی صاحب۔

درمیان والی گلی: دائیں جانب: مکان ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔

بائیں جانب: ایک ہندو بیلی رام کی عمارت، ایک غیر از جماعت کا مکان جو بعد میں انجمن لاہور کی ملکیت میں آ گیا۔ مکان سید نادر حسین شاہ صاحب برادر ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب جو نادر منزل کے نام سے جانا جاتا تھا۔

تیسری اور آخری گلی (احمدیہ سٹریٹ): بائیں جانب: سڑک کی طرف سے پہلا مکان ایک غیر از جماعت کا تھا۔ مکان ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب جس کی عمارت گلی کے آخر تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس کے پہلے حصہ میں ڈاکٹر صاحب کا مطب تھا، پھر ان کی رہائش گاہ تھی، اس کا نام احمد منزل تھا۔ درمیان میں کافی وسیع صحن نما جگہ تھی۔ عمارت کے آخری حصہ بعد میں مرکزی انجمن لاہور کے دفاتر بن گئے جو 1970ء تک احمدیہ انجمن اشاعت اسلام کی سرگرمیوں کا مرکز رہی۔

ابتدا میں ان تین گلیوں میں خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور مرزا یعقوب بیگ صاحب کے مکانات کے درمیان مخصوص جگہوں پر لکڑی کے تختوں کے پل بنے ہوئے تھے۔

ابتداءً سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام اور حضور کے خاندان کے لئے قیام کا انتظام خواجہ صاحب ہی کے مکان میں کیا گیا۔ حضور مکان کے نچلے حصہ میں جو شمالی جانب واقع تھا بود و باش رکھتے رہے اور حضرت مولانا مولوی نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ معہ اہل بیت ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان میں۔ باقی ہمرکاب بزرگوں اور خدام کے لئے بھی اِدھر اُدھر انہی مکانات میں انتظام کر دیا گیا۔ نماز کے لئے خواجہ صاحب کے مکان کی بالائی منزل کا بڑا دالان مخصوص کر دیا گیا جو حضرت احمد علیہ السلام کے دربار اور میل ملاقات کی تقریبوں میں بھی کام آتا تھا۔ درس قرآن کریم کھلے میدان میں ہونے لگا۔ جہاں آج کل احمدیہ مسجد ہے اس جگہ یہ درس ہوتا تھا جو کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ دیا کرتے تھے اور جمعہ بھی شامیانہ وغیرہ لگا کر اسی جگہ ہوتا تھا۔ البتہ جب 9 مئی کو حضورؑ کو الہام ہوا اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ [اب کوچ کا وقت آ گیا۔ ہاں کوچ کا وقت آ گیا] تو حضورؑ نے گو کہ اپنی مصروفیات کو جاری رکھا اور سفر آخرت کے اس اشارے کے باوجود کسی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار نہیں فرمایا البتہ اس الہام کو ظاہری طور پر پورا کرنے کے لئے اپنی جائے قیام کو حضرت خلیفہ اولؓ کی رہائش گاہ سے بدل لیا یعنی خود ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے بالاخانہ میں اور حضرت مولوی صاحب خواجہ صاحب کے مکان میں منتقل ہو گئے۔ نمازوں وغیرہ کے انتظامات بدستور اسی حالت میں رہے۔ البتہ حضورؑ کے نمازوں میں آنے اور جانے کے واسطے درمیانی گلی پر ایک لکڑی کا عارضی پل بنا کر دونوں مکانوں کو ملا دیا گیا۔ اس تبدیلی مکان کا ذکر کرتے ہوئے حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کے گھر سے یعنی حضرت اماں جی نے مجھ سے بیان کیا۔ کہ جب آخری سفر لاہور میں وفات سے چند روز قبل حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو یہ الہام ہوا کہ ”اَلرَّحِیۡلُ ثُمَّ الرَّحِیۡل“یعنی کوچ پھر کوچ (جو آپ کے قرب موت کی طرف اشارہ تھا) تو حضرت صاحب نے مجھے بلا کر فرمایا۔ کہ جس حصّہ مکان میں ہم ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اُس میں آپ آ جائیں اور ہم آپ والے حصّہ میں چلے جاتے ہیں کیونکہ خدا نے الہام میں اَلرَّحِیۡلُ فرمایا ہے جسے ظاہر میں اس نقل مکانی سے پورا کر دینا چاہئے اور معذرت بھی فرمائی کہ اس نقل مکانی سے آپ کو تکلیف تو ہو گی۔ مگر مَیں اس خدائی الہام کو ظاہر میں پورا کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ مکان بدل لئے گئے۔ مگر جو خدا کی تقدیر میں تھا۔ وہ پورا ہوا اور چند دن بعد آپ اچانک وفات پا گئے۔“(سیرت المہدی جلد اول روایت نمبر 584)

لاہور میں حضرت اقدس علیہ السلام کی مصروفیات، تقاریر اور نصائح کا سلسلہ

ایام قیام لاہور میں حضور کو بہت ہی مصروفیت رہا کرتی تھی۔ کیونکہ حضور کے لاہور پہنچتے ہی سارے شہر میں ہلچل مچ گئی اور ایک شور بپا ہو گیا۔ جس کی وجہ سے ہر قسم کے لوگ اس کثرت سے آتے رہتے تھے کہ خلق خدا کا تانتا بندھا رہتا اور رجوع کا یہ عالم تھا کہ باوجود مخالفانہ کوششوں اور سخت روکوں کے لوگ جوق در جوق لوہے کی طرح اِس مقناطیس کی طرف کھنچے چلے آتے۔ مولویوں کے فتووں کی پرواہ کرتے نہ ان کی دھمکیوں سے ڈرتے۔ اپنے بھی آتے اور بیگانے بھی۔ دوست بھی اور دشمن بھی۔ موافق بھی اور مخالف بھی۔ محبت سے بھی اور عداوت سے بھی۔ علماء بھی آتے اور امراء بھی۔ الغرض عوام اور خواص، عالم اور فاضل، گریجوایٹ اور فلاسفر، ہر طبقہ اور ہر رتبہ کے لوگ جمع ہوتے اپنے علم و مذاق کے مطابق سوالات کرتے اور جواب پاتے تھے۔

اس اقبال اور رجوع خلق کو دیکھ کر مولوی لوگوں کے سینے پر سانپ لوٹنے لگے۔ وہ اس منظر کو برداشت نہ کر سکے اور آپے سے باہر ہو گئے۔ وہ بھی حضورؑ کی رہائش گاہ کے سامنے جمع ہو جاتے اور ہر روز مخالفانہ تقریریں کرتے۔ گالی گلوچ اور سب و شتم کا بازار گرم رکھتے۔ افتراء پردازی اور بہتان طرازی کے ایسے شرمناک مظاہرے کرتے کہ انسانیت ان کی ایسی کرتوتوں پر سر پیٹتی اور اخلاق و شرافت کا جنازہ اٹھ جاتا۔ توہین و دل آزاری اتنی کرتے کہ قوت برداشت اس کی متحمل نہ ہو سکتی۔ مجبور ہو کر، تنگ آ کر بعض دوستوں نے حضرت کے حضور اپنے درد کا اظہار کیا تو حضور نے یہی نصیحت فرمائی کہ ”گالیاں سن کے دعا دو پا کے دکھ آرام دو“

امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خاص تقدیر اپنے مامور و مرسل کو لاہور جیسے علمی و سیاسی مرکز میں لے کر آئی تاکہ تکمیل تبلیغ اور اتمام حجت ہو جائے۔ قریباً 25، 26 دن کا یہ دورہ ایک زبردست تبلیغی دورہ تھا۔ جس میں ہر قسم کے

اور ہر مزاج کے لوگوں سے حضور علیہ السلام نے خطاب فرمایا اور اپنی بعثت کا مقصد اور دلائل کھول کر ان سب کے سامنے بیان فرمائے۔ ہمارے پیارے امام حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے بھی حالیہ ایک خطبہ جمعہ [فرمودہ 10 اپریل 26ء] میں اسی آخری سفر لاہور کے ایک خطاب کا ذکر کرتے ہوئے حضور علیہ السلام کے اس دورہ کی بابت فرمایا: "**بڑا تبلیغی قسم کا دورہ تھا وہ**"۔ اور اس کا ادراک واحساس حضورؑ کے اس سفر کی مصروفیات کو پڑھ کر بخوبی ہو جاتا ہے۔ یہ تفصیلات اخبار الحکم اور بدر میں موجود ہیں اسی طرح تاریخ احمدیت جلد 2، تاریخ احمدیت لاہور اور سیرت المہدی کے آخر پر حضرت بھائی عبد الرحمن صاحب قادیانیؓ کے ایک مضمون اور خاص طور پر ملفوظات جلد 10 میں موجود ہیں اور وہاں سے ان کو پڑھا جا سکتا ہے۔ البتہ بہت اختصار کے ساتھ ان دنوں کی ملاقاتوں اور لیکچرز و خطابات اور وعظ و نصائح کا مختصر احوال کچھ یوں ہے۔

- **30 اپریل:** آپؑ نے مسلمانوں کی کمزور حالت کا ذکر فرمایا نیز سلسلہ احمدیہ کی ترقی کا ذکر کیا اور فرمایا کہ مسیح ناصریؑ کی حیات و وفات کا فیصلہ قرآن سے کرنا چاہیے۔
- **یکم مئی:** جمعہ سے قبل چند اجنبی ملاقات کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو آپؑ نے انہیں اسلام کی کمزور حالت کا ذکر کرتے ہوئے نصیحت فرمائی کہ دنیا کے ساتھ ساتھ اصل یہ ہے کہ خدا کے ساتھ لَو لگائی جائے۔
- **یکم مئی:** نماز جمعہ کے بعد کسی نے سوال کیا کہ "ہم اللہ اور اس کی کتاب قرآن شریف اور اس کے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو صدقِ دل سے مانتے ہیں اور نماز روزہ وغیرہ اعمال بھی بجالاتے ہیں۔ پھر ہمیں کیا ضرورت ہے کہ آپ کو بھی مانیں؟ اس کا جواب دیتے ہوئے آپؑ نے فرمایا کہ "آخری زمانہ میں ایک آخری خلیفہ کے آنے کی پیشگوئی بھی بڑے زور سے بیان فرمائی ہے اور اس کے نہ ماننے والے اور اس سے انحراف کرنے والوں کا نام فاسق رکھا ہے۔ قرآن اور حدیث کے الفاظ میں فرق (جو کہ فرق نہیں بلکہ بالفاظ دیگر قرآن شریف کے الفاظ کی تفسیر ہے) صرف یہ ہے کہ قرآن شریف میں خلیفہ کا لفظ بولا گیا ہے اور حدیث میں اسی خلیفہ آخری کو مسیح موعودؑ کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس قرآن شریف نے جس شخص کے مبعوث کرنے کے متعلق وعدے کا لفظ بولا ہے اور اس طرح سے اس شخص کی بعث کو ایک رنگ کی عظمت عطا کی ہے۔ وہ مسلمان کیسا ہے جو کہتا ہے کہ ہمیں اس کے ماننے کی ضرورت ہی کیا ہے؟" اسکے ساتھ ساتھ آپؑ نے اس زمانے کی علامات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ کیسے وہ سب علامات بھی پوری ہو گئیں۔ اور ان معجزات اور نشانات کا ذکر فرمایا جو اللہ تعالیٰ نے آپؑ کی صداقت کے لئے اس زمانے میں دکھائے۔

پھر ایک یہ سوال کیا گیا کہ خلیفہ آنے کا مدّعا کیا ہوتا ہے؟ فرمایا۔ اصلاح۔ اور پھر اس کی تفصیل بیان فرمائی۔

اسی طرح ایک سوال یہ تھا کہ:"خاتم النّبیّین کے کیا معنی ہیں؟ فرمایا۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی صاحبِ شریعت نہیں آوے گا اور یہ کہ کوئی ایسا نبی آپؐ کے بعد نہیں آسکتا جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر اپنے ساتھ نہ رکھتا ہو۔ رئیس المتصوّفین حضرت ابنِ عربی کہتے ہیں کہ نبوت کا بند ہو جانا اور اسلام کا مَر جانا ایک ہی بات ہے۔ دیکھو حضرت موسیٰؑ کے زمانہ میں تو عورتوں کو بھی الہام ہوتا تھا۔ چنانچہ خود حضرت موسیٰ کی ماں سے بھی خدا نے کلام کیا ہے۔ وہ دین ہی کیا ہے جس میں کہا جاتا ہے کہ اس کے برکات اور فیوض آگے نہیں بلکہ پیچھے رہ گئے ہیں۔"

ایک یہ سوال تھا کہ:"کیا ایک ہی وقت میں کئی نبی ہو سکتے ہیں؟ فرمایا۔ ہاں۔ خواہ ایک ہی وقت میں ہزار بھی ہو سکتے ہیں۔ مگر چاہیے ثبوت اور نشانِ صداقت۔ ہم انکار نہیں کرتے۔"

ایک سوال یہ تھا کہ "کیا یہ آخری صدی ہے؟"

- **2 مئی:** ظہر سے قبل:"ایک گریجویٹ صاحب حاضر خدمت ہوئے اور عرض کی کہ آپ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ حضور کے اس نور کی شناخت کی توفیق دے تا کہ ہم اس نعمت سے محروم نہ رہ جاویں۔ وغیرہ۔ فرمایا۔ اگرچہ جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا کے فضل سے ہی ہوتا ہے مگر کوشش کرنا انسان کا فرض ہے۔

- **2 مئی:** شہزادہ سلطان ابراہیم صاحب جو کہ شیر انوالہ گیٹ لاہور کے رہائشی تھی 2 مئی کو ملنے کے لئے تشریف لائے۔ سر لیپل گریفن نے اپنی کتاب "The Punjab Chiefs" جس کا اردو ترجمہ "تذکرہ رؤسائے پنجاب" کے نام سے سید نوازش علی نے کیا ہے۔ اس میں ان کا ذکر کیا ہے۔

(تذکرہ رؤسائے پنجاب (ترجمہ سید نوازش علی) جلد اول ص 478-476)

شہزادہ سلطان ابراہیم کو یکم جنوری 1889ء کو خان بہادر کے خطاب سے نوازا گیا۔

(The Golden book of India by Sir Roper Lethbridge K.C.I.E. page 516.Macmillan And Co. London and New York 1893)

حضور اقدس علیہ السلام نے ان کے سامنے فارسی زبان میں تقریر فرمائی۔

- **2، مئی:** کو ہی مسٹر محمد علی جعفری ایم۔اے وائس پرنسپل اسلامیہ کالج بھی ملاقات کے لئے آئے۔ ان کے ساتھ آپؑ نے اپنی بعثت کی ضرورت اور صداقت کے دلائل اور جہاد وغیرہ پر تفصیل سے گفتگو فرمائی۔

- **3 مئی:** بروز اتوار ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب کے مکان پر ایک دہریہ سے ملاقات فرماتے ہوئے خدا تعالیٰ کو شناخت کرنے کے طریق بیان فرمائے۔ جس میں یہ بھی بیان فرمایا کہ:"اس جگہ ایک سوال پیدا ہوتا ہے

کہ بھلا یہ کیوں کر معلوم ہو کہ وہ گفتار جو انسان سنتا ہے واقعی خدا کا کلام ہے کسی اور کا نہیں؟ سو اس کے لئے یاد رکھنا چاہیے کہ خدا کے کلام کے ساتھ خدائی طاقت، جبروت اور عظمت ہوتی ہے جس طرح تم لوگ ایک معمولی انسان اور بادشاہ کے کلام میں فرق کر سکتے ہو اسی طرح اس احکم الحاکمین کے کلام میں بھی شوکت و سطوتِ سلطانی ہوتی ہے جس سے شناخت ہو سکتی ہے کہ واقعی یہ کلام بجز خدائے عزّوجل کے اور کسی کا نہیں۔ دوسرا بڑا بھاری نشان اس شناخت اور تمیز کا یہ ہوتا ہے کہ جس انسان سے خدا کلام کرتا ہے وہ خالی نہیں ہوتا بلکہ اس میں بھی خدائی شان جلوہ گر ہوتی ہے اور وہ بھی ایک گونہ خدائی صفات کا مظہر اور جلوہ گاہ ہوتا ہے۔ اس میں وہ لوازم پائے جاتے ہیں۔ اس میں ایک خاص امتیاز ہوتا ہے۔ علومِ غیبی جو سفلی خیالات کے انسانوں کے وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتے وہ ان کو عطا کئے جاتے ہیں۔ اس کی دعائیں قبول کر کے اس کو اطلاع دی جاتی ہے اور اس کی اس کے کاروبار میں خاص نصرت اور مدد کی جاتی ہے اور جس طرح خدا سب پر غالب ہے اور اس کو کوئی جیت نہیں سکتا۔ اسی طرح انجام کار وہ بھی غالب اور ہر طرح سے مظفر و منصور اور کامیاب و بامراد ہو جاتے ہیں۔" اس کے علاوہ آپؑ نے گناہ کی حقیقت اور اس سے کیسے بچا جا سکتا ہے، پر گفتگو فرمائی۔

<u>**خلیفہ رجب الدین صاحب**</u> نے سوال کیا کہ لوگ پوچھتے ہیں وفات مسیح کے کیا دلائل ہیں؟ اس پر حضورؑ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا: "حضرت عیسیٰؑ کی وفات قرآن شریف میں بہت آئی ہے۔ دو قسم کی آیات ہیں جن سے ان کا وفات پانا ثابت ہوتا ہے بعض آیات عام ہیں اور بعض خاص حضرت عیسیٰؑ ہی کے متعلق۔ عام طور پر تمام انبیاء علیہم السلام کی وفات کے متعلق جس میں حضرت عیسیٰؑ بھی شامل ہیں یہ آیت واضح اور کھلا بیان کرتی ہے وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ (اٰل عمران:145) خَلَتۡ کا لفظ قرآن شریف کے محاورے میں ہرگز کسی ایسے شخص کے واسطے استعمال نہیں ہوا جو زندہ ہو بلکہ ہمیشہ وفات یافتہ لوگوں پر ہی اس لفظ کا اطلاق ہوتا ہے۔ اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے بھی یہی معنے کئے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر جب کہ حضرت عمرؓ نے جوشِ محبت، وفورِ اُلفت کی وجہ سے تلوار کھینچ لی تھی اور آپؓ ننگی تلوار لئے گلیوں میں پھرتے تھے اور کہتے تھے کہ جو کوئی کہے گا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہو گئے ہیں اس کی گردن مار دوں گا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس واقع سے خبر پا کر مسجد میں آئے اور منبر پر کھڑے ہو کر خطبہ پڑھا جس میں ابتداءً یہی آیت پڑھی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوۡلٌ قَدۡ خَلَتۡ مِنۡ قَبۡلِهِ الرُّسُلُ اَفَاۡئِنۡ مَّاتَ اَوۡ قُتِلَ انۡقَلَبۡتُمۡ عَلٰۤى اَعۡقَابِكُمۡ.... الخ (اٰل عمران:145) اس وقت صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اس آیت کو سن کر رو پڑے اور یہ سمجھا کہ گویا یہ آیت آج ہی اتری ہے اور حضرت عمرؓ نے بھی جن کو اتنا جوش تھا کہ تلوار لئے پھرتے تھے اور ان کا یہ خیال تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابھی وفات

نہیں پائی اس خطبہ کے بعد تلوار چھوڑ دی اور پھر کبھی کوئی ایسا ذکر نہ کیا۔ اب ظاہر ہے کہ اگر صحابہؓ میں سے کسی ایک نفس واحد کا بھی یہ اعتقاد ہوتا کہ حضرت عیسیٰؑ زندہ بجسم عنصری آسمان پر ہیں تو کیوں وہ اس وقت اعتراض نہ کرتے اور کہتے کہ کیا وجہ ہے کہ ایک چھوٹی سی قوم کا رسول تو زندہ ہے پر ہمارا رسول جس کو خدا نے تمام جہان کے واسطے قیامت تک کی تمام انسانی نسلوں کے لئے بلا کسی خصوصیت کے بھیجا۔ وہ تو ستّر برس تک بھی زندہ نہ رہ سکے۔ پس صحابہؓ کا سکوت اور خاموشی اور کسی قسم کا اعتراض نہ کرنا اس بات کی روشن دلیل ہے کہ تمام صحابہؓ حضرت عیسیٰؑ کو دوسرے انبیاء کی طرح وفات یافتہ یقین کرتے تھے اور کسی ایک کا بھی ہرگز یہ اعتقاد نہ تھا کہ وہ آسمان پر زندہ بجسم عنصری خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں اور یہ اسلام میں سب سے پہلا اجماع ہے۔"

- **4 مئی:** بعد نماز عصر جماعت کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: "ملاقات سے غرض یہی ہوتی ہے کہ اَمرِ دین کے متعلق کچھ سوچا جاوے میں بار بار اور کئی مرتبہ کہہ چکا ہوں کہ ظاہر نام میں تو ہماری جماعت اور دوسرے مسلمان دونوں مشترک ہیں۔ تم بھی مسلمان ہو۔ وہ بھی مسلمان کہلاتے ہیں۔ تم کلمہ گو ہو وہ بھی کلمہ گو ہیں۔ تم بھی اتباع قرآن کا دعویٰ کرتے ہو۔ وہ بھی اتباع قرآن ہی کے مدعی ہیں۔ غرض دعووں میں تو تم اور وہ دونوں برابر ہو مگر اللہ صرف دعووں سے خوش نہیں ہوتا جب تک کوئی حقیقت ساتھ نہ ہو اور دعوے کے ثبوت میں کچھ عملی ثبوت اور تبدیلی حالت کی دلیل نہ ہو۔ اس واسطے اکثر اوقات مجھے اس غم سے سخت صدمہ پہنچتا ہے۔ ظاہری طور سے جماعت (کی) تعداد میں تو بہت ترقی ہو رہی ہے کیا خطوط کے ذریعہ سے اور کیا خود حاضر ہو کر دونوں طرح سے سلسلہ بیعت میں روز افزوں ترقی ہو رہی ہے۔ آج کی ڈاک میں بھی ایک لمبی فہرست بیعت کنندگان کی آئی ہے، لیکن بیعت کی حقیقت سے پوری واقفیت حاصل کرنی چاہیے اور اس پر کاربند ہونا چاہیے۔ اور بیعت کی حقیقت یہی ہے کہ بیعت کنندہ اپنے اندر سچی تبدیلی اور خوف خدا اپنے دل میں پیدا کرے اور اصل مقصود کو پہچان کر اپنی زندگی میں ایک پاک نمونہ کر کے دکھاوے اگر یہ نہیں تو پھر بیعت سے کچھ فائدہ نہیں بلکہ یہ بیعت پھر اس واسطے اور بھی باعث عذاب ہو گی کیونکہ معاہدہ کر کے جان بوجھ اور سوچ سمجھ کر نافرمانی کرنا سخت خطرناک ہے۔" اسی طرح تقویٰ، استغفار اور توبہ وغیرہ کے حوالے سے عرفان انگیز بیان فرمایا۔

- **9 مئی:** نماز ظہر سے قبل طاعون اور ہیضہ وغیرہ وباؤں کا ذکر ہوا اس ضمن میں جو خطاب فرمایا اس میں احمدی اطباء اور ڈاکٹروں کے لئے بھی ایک خاص نصیحت تھی۔ چنانچہ آپؑ نے فرمایا: "بدقسمت ہے وہ انسان کہ ان بلاؤں سے بچنے کے واسطے سائنس، طبی یا ڈاکٹران وغیرہ کی طرف توجہ کر کے سامان تلاش کرتا ہے اور خوش قسمت ہے وہ جو خدا کی پناہ لیتا ہے اور کون ہے جو بجز خدا کے ان آفات سے پناہ دے سکتا ہو؟ اصل میں یہ لوگ جو فلسفی طبع یا

سائنس کے دلدادہ ہیں ایسی مشکلات کے وقت ایک قسم کی تسلّی اور اطمینان پانے کے واسطے بعض دلائل تلاش کر لیتے ہیں اور اس طرح سے ان وباؤں کے اصل بواعث اور اغراض سے محروم رہ جاتے ہیں اور خدا سے پھر بھی غافل ہی رہتے ہیں۔ ہماری جماعت کے ڈاکٹروں سے میں چاہتا ہوں کہ ایسے معاملات میں اپنے ہی علوم کو کافی نہ سمجھیں بلکہ خدا کا خانہ بھی خالی رکھیں اور قطعی فیصلے اور یقینی رائے کا اظہار نہ کر دیا کریں کیونکہ اکثر ایسا تجربہ میں آیا ہے کہ بعض ایسے مریض جن کے حق میں ڈاکٹروں نے متفقہ طور سے قطعی اور یقینی حکم موت کا لگا دیا ہوتا ہے ان کے واسطے خدا کچھ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ وہ بچ جاتے ہیں اور بعض ایسے لوگوں کی نسبت جو کہ اچھے بھلے اور بظاہر ڈاکٹروں کے نزدیک ان کی موت کے کوئی آثار نہیں نظر آتے خدا قبل از وقت ان کی موت کی نسبت کسی مومن کو اطلاع دیتا ہے۔ اب اگرچہ ڈاکٹروں کے نزدیک اس کا خاتمہ نہیں۔ مگر خدا کے نزدیک اس کا خاتمہ ہوتا ہے اور چنانچہ ایسا ہی ظہور میں آجاتا ہے۔ علم طب یونانیوں سے مسلمانوں کے ہاتھ آیا مگر مسلمان چونکہ مؤحد اور خدا پرست قوم تھی۔ انہوں نے اسی واسطے اپنے نسخوں پر ھو الشّافی لکھنا شروع کر دیا۔ ہم نے اطباء کے حالات پڑھے ہیں۔ علاج الامراض میں مشکل اَمر تشخیص کو لکھا ہے۔ پس جو شخص تشخیص مرض میں ہی غلطی کرے گا وہ علاج میں بھی غلطی کرے گا کیونکہ بعض امراض ایسے اَدَقّ اور باریک ہوتے ہیں کہ انسان ان کو سمجھ ہی نہیں سکتا۔ پس مسلمان اطباء نے ایسی دقتوں کے واسطے لکھا ہے کہ دعاؤں سے کام لے۔ مریض سے سچی ہمدردی اور اخلاص کی وجہ سے اگر انسان پوری توجہ اور دردِ دل سے دعا کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر مرض کی اصلیت کھول دے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی غیب مخفی نہیں۔"

اخبار (الحکم) میں اس تقریر کی رپورٹنگ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ: "اتنی تقریر کر چکنے پر چند دوستوں نے بیعت کی اور ان کے ساتھ ہی ایک بڑے ضعیف العمر بھی تھے۔ انہوں نے عرض کی کہ حضور میرے واسطے دعا کی جاوے کہ اللہ تعالیٰ میرے گناہوں کو معاف کرے۔ (ایڈیٹر)" (الحکم جلد 12 نمبر 35 مورخہ 30 مئی 1908ء صفحہ 3،2)

فرمایا۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ انسان ہر وقت اس بات کا خیال رکھے کہ عمر کا اعتبار نہیں۔ نہ معلوم کہ موت کس وقت انسان کو آن پکڑے گی اور پھر اس کے ساتھ توبہ استغفار کرتا رہے۔ خدا سے اپنے گناہوں کی بخشش چاہنا اور اس کی رضا کے حصول کی تڑپ دل میں پیدا کرنا اسی میں سب دین اور دنیا آجاتا ہے۔ ساری بندگیوں کا خلاصہ یہی ہے کہ انسان کے گناہ معاف ہوں اور اس سے خدا خوش ہو جاوے۔

حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دریافت فرمایا کہ

آپ کا نام کیا ہے؟

اس نے عرض کی کہ مستقیم۔

فرمایا: اچھا! خدا آپ کو مستقیم کرے۔

بابا مستقیم صاحب نے عرض کی کہ حضور میرا دل ہے کہ میں آپ کی کوئی خدمت کرنے کے قابل ہو سکوں۔

فرمایا: سب کچھ نیت میں آجاتا ہے۔ آپ کو آپ کی نیت کا ثواب مل گیا۔ آپ نے یہاں تک آنے کی جو تکلیف اٹھائی ہے اس کا بھی اجر دیا جاوے گا۔ اچھا! خدا پر راضی رہو۔" اوراس کے بعد آپؑ نے تقریر کا سلسلہ پھر شروع فرمایا۔ جس میں آپ نے جہنم کی بابت فرمایا کہ وہ دائمی نہیں ہے اور معراج کی حقیقت بیان فرمائی۔

12 مئی: ایک نبی کی زیارت کرنے والا خوش نصیب پروفیسر کلیمنٹ ریگ (Clement Lindley Wragg)

ایک ماہر اور معروف ہیئت دان Astronomer، سیاح اور لیکچرار پروفیسر ریگ جو ہندوستان کی سیاحت کر رہے تھے ان دنوں لاہور میں تھے اور حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ کے ساتھ متعارف ہوئے۔ جیسا کہ حضرت مفتی صاحب خود بیان فرماتے ہیں کہ:

"جبکہ حضرتؑ لاہور تشریف لائے تو پروفیسر اس وقت یہیں تھا۔ اوراس نے علم ہیئت پر ایک لیکچر ریلوے اسٹیشن کے قریب دیا تھا اور ساتھ ایک لینٹرن کی روشنی سے اجرام فلکی کی تصویریں دکھائی تھیں۔ یہ لیکچر میں نے بھی سنا تھا۔ دوران لیکچر میں پروفیسر کی گفتگو سے مجھے معلوم ہوا کہ یہ شخص اندھا دھند عیسائیت کی پیروی کرنے والا نہیں۔ بلکہ غیر متعصب اور انصاف پسند ہے۔ اس واسطے میں اسے ملا اور میں نے اسے کہا۔ پروفیسر تم دنیا میں گھومے۔ کیا تم نے کبھی کوئی خدا کا نبی بھی دیکھا اور حضرت اقدسؑ کے دعویٰ مسیحیت و مہدویت اوراس کے دلائل سے اس کو خبر کی۔ ان باتوں کو سن کر وہ بہت خوش ہوا اور کہا کہ میں ساری دنیا کے گرد گھوما ہوں مگر خدا کا نبی کوئی نہیں دیکھا اور میں تو ایسے ہی آدمی کی تلاش میں ہوں۔ اور حضرتؑ کی ملاقات کا ازحد شوق ظاہر کیا۔ میں نے ... مکان پر آکر حضرت صاحبؑ سے اس کا ذکر کیا۔ حضرت صاحبؑ ہنسے اور فرمایا کہ مفتی صاحب تو انگریزوں کو ہی شکار کرتے رہتے ہیں۔ اور اجازت دی کہ وہ آکر ملاقات کرے۔ چنانچہ وہ اور اس کی بیوی دو دفعہ حضرتؑ کی ملاقات کے واسطے احمدیہ بلڈنگ میں آئے۔" (ذکر حبیب ص330-329)

12 مئی کو انہیں حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی زیارت اور ملاقات کا شرف نصیب ہوا۔ ان کے ساتھ ان کی ان کی انڈین نژاد میم [یعنی بیگم] صاحبہ (Edris) بھی ساتھ تھیں۔ اس ملاقات میں جو سوال جواب ہوئے اس کی تفصیل ملفوظات جلد10 ص 353-364 میں پڑھی جاسکتی ہے۔

اس گفتگو میں پروفیسر صاحب نے کہا کہ میں ایک علمی مذاق کا آدمی ہوں۔ میں دیکھتا ہوں کہ یہ زمین جس

میں ہم رہتے ہیں ایک چھوٹی سی زمین ہے اور ہزار در ہزار اور لاکھ در لاکھ حصے اس کے علاوہ مخلوقِ الٰہی کے موجود ہیں اور یہ ان کے مقابلہ میں ایک ذرّہ کی بھی حقیقت نہیں رکھتی تو پھر کیا وجہ کہ خدا کے فضل کو صرف اسی حصہ زمین یا کسی خاص مذہب وملّت میں ہی محدود رکھا گیا؟

آپؑ نے ان کے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا۔ دراصل یہ صحیح نہیں اور نہ ہی ہمارا یہ اعتقاد ہے کہ ایک خاص فرقے یا قوم کے ذریعہ خدا اپنی ہستی ظاہر کرتا ہے۔ خدا کو کسی خاص قوم سے انس یا رشتہ نہیں۔ بلکہ صحیح یہ ہے کہ خدا تمام دنیا کا خدا ہے اور جس طرح اس نے ظاہر جسمانی ضروریات اور تربیت کے واسطے مواد اور سامان تمام قسم کی مخلوق کے واسطے بلا کسی امتیاز کے مشترکہ طور سے پیدا کیے ہیں اور ہمارے اصول کی رو سے وہ ربُّ العالمین ہے اور اس نے اناج، ہوا، پانی، روشنی وغیرہ سامان تمام مخلوق کے واسطے بنائے ہیں اسی طرح سے وہ ہر ایک زمانہ میں ہر ایک قوم کی اصلاح کے واسطے وقتاً فوقتاً مصلح بھیجتا رہا ہے۔ جیسا کہ قرآن شریف میں ہے وَاِنۡ مِّنۡ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیۡہَا نَذِیۡرٌ (فاطر:25)

خدا تمام دنیا کا خدا ہے۔ کسی خاص قوم سے اس کو کوئی رشتہ نہیں اور یہ جو مختلف اوقات میں مختلف آسمانی کتابیں آئی ہیں ان میں بھی دراصل کوئی اختلاف نہیں کیونکہ جو قابل اصلاح امور ہوتے ہیں جب دنیا عملی رنگ سے بالکل بگڑ جاتی ہے اور فسق وفجور اور چوری شرارت وغیرہ پیدا ہو جاتی ہیں اور لوگ پاکیزگی سے دور ہو کر نفسانی شہوات سے مغلوب ہو جاتے ہیں اور اعتقادی طور سے بھی خدا کو چھوڑ کر بُت پرستی کی طرف جھک جاتے ہیں تو پھر خدا جو انسان کا جسمانی اور روحانی مربی ہے اس کی غیرت تقاضا کرتی ہے کہ ان مفاسد کی اصلاح کے واسطے کوئی شخص پیدا کرے اور اس طرح کا مصلح قانونِ قدرت سے باہر نہیں۔ جس طرح ہمارے واسطے وہ اناج جو حضرت آدمؑ یا اور گذشتہ انبیاء کے وقت میں پیدا ہوا تھا باعث زندگی نہیں ہو سکتا اور وہ پانی جو پہلے لوگوں کے واسطے تھا ہماری پیاس نہیں مٹا سکتا اسی طرح سے روحانی طور سے بھی ہمیں تازہ بتازہ روحانی غذا اور پانی کی ضرورت ہے۔

ہستیٔ باری تعالیٰ کا ایک زبردست ثبوت

یہ عادت اللہ ہے کہ جس طرح سے جسمانی سلسلے کی پرورش اور تربیت کرتا ہے اور گذشتہ پرورش کافی نہیں ہوتی اسی طرح سے روحانی سلسلہ کا حال ہے اور روحانی جسمانی دونوں سلسلے پہلو بہ پہلو چلتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خدا سے ہی منکر ہو تو اس بحث کا الگ ایک طریق ہے۔ خدا کے قائل کو چاہیے کہ دونوں سلسلوں کو بالمقابل رکھ کر ایک ہی نظر سے دیکھ کر فائدہ اٹھائے۔ جس نے جسمانی سلسلہ پیدا کیا ہے اسی نے روحانی سلسلہ پیدا کیا ہے۔ جس طرح وہ جسمانی

سلسلہ کی تازہ بتازہ پرورش کرتا ہے اسی طرح سے وہ روحانی سلسلہ کی بھی تازہ بتازہ پرورش کرتا ہے۔ جس طرح جسمانی حالت ایک تازہ پانی کی محتاج ہے اسی طرح روحانی حالت بھی تازہ آسمانی وحی کی محتاج ہے۔ جس طرح جسم بغیر پرورش کے مَر جاتا ہے اسی طرح روح بھی بغیر پرورش کے مُردہ ہو جاتی ہے۔ روحانی امور میں اگر ہمیشہ گذشتہ ہی گذشتہ کا حوالہ دیا جاوے تو بجز اس کے کہ روحانی حالت ایک مُردہ حالت ہو جاوے گی اور کیا ہو سکتا ہے؟

خدا ہمیشہ طبعاً چاہتا ہے کہ وہ پہچانا جاوے۔ وہ اپنی شناخت اور زندگی کے ثبوت میں ہمیشہ حقائق، معارف اور تازہ بتازہ نشان دکھایا کرتا ہے اور یہ امور کوئی عقلی استبعاد بھی نہیں رکھتے۔ یہی سلسلہ ہمیشہ سے چلا آتا ہے۔ ہزاروں لاکھوں انبیاء آئے انہوں نے عملی طور سے ثبوت دیئے۔ دنیا پر حجت پوری کی۔ اب کوئی شخص صرف یہ کہہ کر (کہ) میں سائنس دان یا فلاسفر ہوں ایک ایسی متواتر اور ثابت شدہ شہادت کو کیسے توڑ سکتا ہے؟ چاہیے کہ جس طرح سے اس گروہ پاک نے عملی زندگی اور نمونے سے اپنے دعویٰ کا ثبوت دیا اسی طرح سے اس کا ردّ بھی کیا جاتا ہے۔ ہاں البتہ ان لوگوں کو یہ کہنے کا حق پہنچتا تھا کہ پرانے قصے کہانیاں کیوں پیش کی جاتی ہیں کوئی زندہ نمونہ یا ثبوت پیش کیا جاوے۔ سو اس کے واسطے ہم تیار ہیں۔ صرف ہیئت دان اپنی ہیئت وغیرہ یا نظام شمسی میں غور کرنے سے خدا کے وجود کا یقینی ثبوت بہم نہیں پہنچا سکتا۔ البتہ ایک امکان پیدا ہو سکتا ہے کہ خدا ہونا چاہیے۔ یہ بات کہ خدا ہے اور یقیناً ہے ہمیشہ انبیاء کے پیش کردہ اصول سے ہی ثابت ہوتا رہا ہے۔ اگر ہماری طرح کے انسان دنیا میں نہ آتے تو خدا کے ثبوت کا کوئی حقیقی اور کامل ذریعہ ہرگز ہرگز دنیا میں نہ ہوتا۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی منصف مزاج ہوتا اور شرافت بھی اس کے حصہ میں آئی ہوتی تو اس اَبلغ اور مُحکم ترتیب اور نظام شمسی وغیرہ سے اتنا نتیجہ نکال سکتا تھا کہ خدا ہونا چاہیے۔ باقی یہ اَمر کہ یقیناً خدا ہے اور وہ دنیا کا مالک، متصرّف اور حکمران ہے۔ بجز خدا سے آکر خدا نمائی کرنے والوں کے ممکن نہیں۔ وہ لوگ مشاہدہ کرانے والے ہوتے ہیں اور تازہ بتازہ نشانوں کے پیش کرنے سے گویا خدا کو دکھا دیتے ہیں۔

اسی طرح ان کا ایک سوال تھا کہ لکھا ہے کہ ایک آدم اور حوّا تھے۔ حوّا ایک کمزور عورت تھی۔ اس نے ایک سیب کھا لیا۔ اب اس کے ایک سیب کھانے کی سزا ہمیشہ جاری رہے گی۔ یہ اَمر میری سمجھ میں نہیں آتا اور کہ یہ زمین جس سے ہمارا تعلق ہے اس کے سوا اور ہزاروں کروڑوں سلسلے خدا نے پیدا کیے ہیں تو خدا کی قدرت اور انعامات کو کیوں اس زمین تک محدود کیا جاتا ہے۔

جواب: ہمارا یہ عقیدہ نہیں ہے۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ اس آسمان اور زمین کے سوا اور کوئی سلسلہ ہی نہیں۔ بلکہ ہمارا خدا کہتا ہے کہ وہ ربُّ العالمین ہے یعنی کہ وہ کل جہانوں کا ربّ ہے اور کہ جہاں جہاں کوئی آبادی ہے وہاں وہاں ہی اس نے رسول بھیجے ہیں۔ عدم علم سے عدم شیء لازم نہیں آتی۔ جس خدا نے اس ایک چھوٹی سی زمین کے واسطے

اتنا وسیع سامان پیدا کیا اس نے کیوں دوسری تمام آبادیوں کے واسطے سامان پیدا نہ کیے ہوں گے؟ وہ سب کا یکساں ربّ ہے اور سب کی ضرورتوں سے واقف۔

باقی یہ کہنا کہ انسانی رنج و محن حوّا کے سیب کھانے کی وجہ سے ہیں اسلام کا یہ عقیدہ نہیں۔ ہمیں تو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی (الانعام:165) زید کے بدلے بکر کو سزا نہیں مل سکتی اور نہ ہی اس سے کوئی فائدہ متصور ہے۔ حوّا کی سیب خوری ان مشکلات اور رنج و سزا کا باعث نہیں ہے بلکہ ان کے وجوہات قرآن نے کچھ اور ہی بیان فرمائے ہیں۔

سوال: دو باتیں میں دریافت کرنا چاہتا ہوں۔ ایک یہ کہ گناہ کیا چیز ہے۔ ایک ملک کا انسان ایک اَمر کو گناہ یقین کرتا ہے۔ حالانکہ ایک دوسرے ملک کا انسان اسی اَمر کو گناہ نہیں سمجھتا۔ انسان ایک کیڑے سے ترقی کرتا کرتا انسان بنا اور پھر حق و باطل میں امتیاز حاصل کیا۔ صداقت اور جھوٹ میں فرق کیا۔ نیکی اور بدی کو سمجھا۔ گناہ اور ثواب کا علم پیدا کیا۔ بایں ہمہ پھر اس اَمر میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک اَمر ایک شخص کے نزدیک گناہ۔ دوسرا اس کو گناہ نہیں سمجھتا اور کرتا ہے۔

دوسرا یہ کہ شیطان کیا چیز ہے۔ خدا کے اس علم اور قدرت کا مالک ہوتے ہوئے بھی شیطان کا اس قدر قابو پا جانا کہ اس کی اصلاح کے واسطے خود خدا کو دنیا میں آنا پڑا۔ اس سے کیا مراد ہے؟ اسی طرح کچھ اور بھی سوالات تھے جن کے جواب آپؑ نے دئے۔ (ملفوظات جلد 10 صفحہ 310 ایڈیشن 2022)

- **14 مئی:** صبح کے وقت آپؑ نے ایک مختصر سی تقریر فرماتے ہوئے کلام کی عمدگی، اسلام کی وسطی راہ اور بعض دیگر امور پر ارشاد فرمایا۔

اسی روز نماز ظہر کے وقت متفرق امور جیسے اصلاح کے طریق اور قیاس کے متعلق فرمایا اور زلزلہ کے متعلق ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ انذاری پیشگوئی ٹل بھی سکتی ہے۔

- **15 مئی 1908ء صبح 10 بجے** دو معزز بیرسٹر ایٹ لاء ملاقات کو آئے۔ ان میں سے ایک بیرسٹر سر فضل حسین صاحب تھے۔ ان سے ملاقات کے دوران انشاء اللہ کہنے کی اہمیت، جماعت کے قیام کا مقصد اور دوسرے کلمہ گو مسلمانوں سے اختلاف، اور معراج کی حقیقت وغیرہ کی بابت تفصیل سے گفتگو فرمائی اور دوران ملاقات بیرسٹر فضل حسین صاحب نے عرض کیا کہ اگر تمام غیر احمدیوں کو کافر کہا جائے تو پھر اسلام میں تو کچھ بھی نہیں رہتا۔

- فرمایا: ہم کسی کلمہ گو کو اسلام سے خارج نہیں کہتے جب تک کہ وہ ہمیں کافر کہہ کر خود کافر نہ بن

جائے آپ کو شاید معلوم نہ ہو جب میں نے مامور ہونے کا دعویٰ کیا تو اس کے بعد بٹالہ کے محمد حسین مولوی ابو سعید صاحب نے بڑی محنت سے ایک فتویٰ تیار کیا جس میں لکھا تھا کہ یہ شخص کافر ہے دجّال ہے۔ ضال ہے۔ اس کا جنازہ نہ پڑھا جائے جو ان سے السلام علیکم کرے یا مصافحہ یا انہیں مسلمان کہے وہ بھی کافر۔ اب سنو! یہ ایک متفق علیہ مسئلہ ہے کہ جو مومن کو کافر کہے وہ کافر ہوتا ہے۔ پس اس مسئلہ سے ہم کس طرح انکار کرسکتے ہیں۔ آپ لوگ خود ہی کہہ دیں کہ ان حالات کے ماتحت ہمارے لئے کیا راہ ہے؟ ہم نے ان پر پہلے کوئی فتویٰ نہیں دیا۔ اب جو انہیں کافر کہا جاتا ہے تو یہ انہیں کے کافر بنانے کا نتیجہ ہے۔ ایک شخص نے ہم سے مباہلہ کی درخواست کی۔ ہم نے کہا کہ دو مسلمانوں میں مباہلہ جائز نہیں۔ اس نے جواب لکھا کہ ہم تو تجھے پکا کافر سمجھتے ہیں۔

- اس پر بیرسٹر صاحب نے عرض کیا کہ وہ آپ کو کافر کہتے ہیں تو کہیں لیکن اگر آپ نہ کہیں تو اس میں کیا حرج ہے؟
- فرمایا کہ جو ہمیں کافر نہیں کہتا ہم اسے ہرگز کافر نہیں کہتے لیکن جو ہمیں کافر کہتا ہے اسے کافر نہ سمجھیں تو اس میں حدیث اور متفق علیہ مسئلہ کی مخالفت لازم آتی ہے اور یہ ہم سے نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح تعلیم نسواں کی بابت ایک سوال پر آپؑ نے حدیث نبوی طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَةٍ۔ بیان کرتے ہوئے فرمایا ہم تعلیم نسواں کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ہم نے تو ایک سکول بھی کھول رکھا ہے۔ اسی طرح یہ تفصیلی گفتگو اخبار الحکم اور ملفوظات میں شائع شدہ ہے۔ ملفوظات جلد 10 ص 370-381 پر ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔

17 مئی: رؤسائے لاہور کو دعوت طعام اور پبلک لیکچر، مسلسل 3 گھنٹے کی تقریر

- یہ تقریر 17 مئی کو 11 بجے صبح سے ایک بجے دوپہر تک ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان کے نچلے صحن میں ہوئی اور کھانے کا انتظام خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان میں کیا گیا۔ الحکم میں یہ تقریر "تکمیل التبلیغ واتمام الحجۃ" کے عنوان سے 14، جولائی 1908ء کے پرچہ میں اور بدر میں یہ تقریر "البلاغ المبین" کے عنوان سے 25، جون 1908ء کے پرچہ میں درج ہے۔ ملفوظات جلد 10 میں یہ تقریر صفحہ 382 تا 426 پر شائع ہوئی ہے۔

بدر میں اس تقریر کی رپورٹنگ میں مدیر کی طرف سے یہ نوٹ بھی دیا گیا جس میں وہ لکھتے ہیں:

"17/ مئی 1908ء کا وجد انگیز نظارہ آخر دم تک مجھے یاد رہے گا۔ جب خدا کے ہاتھوں سے معطّر کیا ہوا مسیح گیارہ بجے معزز رؤساء و امراء لاہور کے سامنے ایک تقریر فرمارہا تھا۔ تقریر کیا تھی۔ معرفت کا ایک سمندر تھا جو اپنے پورے جوش میں تھا۔ عرفان کا ایک بادل تھا جو ابر رحمت بن کر ان پر برسا۔ وہ ایک آخری پیغام تھا جو دارالخلافہ میں


Clement Lindley Wragge

اس عزّالخلافت نے اپنے قادر وتوانا مالک الملکوت سلطان الجبروت کی طرف سے پہنچایا۔ بارہ بج گئے اورآپ نے فرمایا۔ کھانے کا وقت گذرا جاتا ہے چاہو تو میں اپنی تقریر بند کردوں مگر سب نے یہی کہا کہ یہ کھانا تو ہم روز کھاتے ہیں۔ ہمیں روحانی غذا کی ضرورت ہے۔ چنانچہ تقریر ایک بجے ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ خواجہ کمال الدین صاحب پلیڈر چیف کورٹ کی مساعی جمیلہ کو مشکور کریں جنہوں نے اپنے دوستوں کے لیے حضور سے نیاز حاصل کرنے اوران کے کلمات طیبات سننے کا یہ موقع دعوت کے رنگ میں نکال دیا۔“

(بدر جلد 7 نمبر 25 مورخہ 25 جون 1908ء صفحہ 3)

• 18 مئی: پروفیسر کلیمنٹ ریگ صاحب کی دوسری ملاقات

حضرت مفتی محمد صادق صاحب رضی اللہ عنہ لکھتے ہیں:

”پہلی ملاقات سے پروفیسر کی اس قدر تشفّی ہوئی اوراس کے سوالات پر جو جوابات حضرتؑ نے دیئے ان سے وہ اس قدر خوش ہوا کہ اس نے بہت الحاح کے ساتھ درخواست کی کہ اسے ایک دفعہ پھر حضرت کی ملاقات کا موقع دیا جائے۔ چنانچہ حضرتؑ کے حکم سے اس کو اجازت دی گئی کہ پیر کے دن تین بجے وہ آئے۔ ٹھیک وقت پر پروفیسر صاحب اوران کی بیوی حضرت کی ملاقات کے واسطے آئے۔ ان کے ساتھ ان کا چھوٹا لڑکا بھی تھا۔“(ذکر حبیب ص 335-336) یعنی ان کی بیگم (Edris)اور چھوٹا بیٹا (Kismet) بھی تھا۔

بعد نماز ظہر ملاقات میں انہوں نے کچھ سوالات کئے جیسے:

سوال: آپ کا کیا عقیدہ ہے خدا محدود ہے یا کہ ہر جگہ حاضر ناظر اور اس میں کوئی شخصیت یا جذبات پائے جاتے ہیں۔؟

سوال: کیا خدا کی کوئی شکل ہے؟

سوال: جب خدا محبت ہے۔ عدل ہے۔ انصاف ہے تو کیا وجہ کہ نظام دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ اس نے بعض چیزوں کو بعض کی خوراک بنادیا ہے۔ اگر محبت اور عدل یا انصاف ورحم اس کے ذاتی خاصے ہیں تو کیا وجہ کہ اس نے مخلوق میں سے بعض میں ایسی کیفیت اور قویٰ رکھ دیئے ہیں کہ وہ دوسروں کو کھاجائیں حالانکہ مخلوق ہونے میں دونوں برابر ہیں؟

سوال: یہ تو میں نے سمجھ لیا ہے مگر میں یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ خدا نے یہ خاصہ کیوں رکھ دیا کہ ادنیٰ اعلیٰ کا خادم ہو یا اس کی خوراک بنے اور اس کے سامنے ذلیل رہے؟

سوال: تو پھر اس کا یہ لازمی نتیجہ ہو گا کہ وہ حیوانات جن کو ہم مارتے ہیں ان کو مُردہ نہیں بلکہ زندہ یقین کریں۔

سوال: بائبل میں لکھا ہے کہ آدم یا یوں کہیے کہ پہلا انسان جیحون سیحون میں پیدا ہوا تھا اور اس کا وہی ملک تھا تو پھر کیا یہ لوگ جو دنیا کے مختلف حصوں امریکہ، آسٹریلیا وغیرہ میں پائے جاتے ہیں۔ یہ اس آدم کی اولاد سے ہیں؟

سوال: سپر یچولزم[spirtualism] والوں کی رائے ہے کہ زندگی چاند سے اتری اور عقل مشتری سے اور چاند زمین سے بنا۔ ابتدا میں زمین بہت نرم تھی۔ زمین کا ایک ٹکڑا اڑ کر آسمان پر چلا گیا اور وہ چاند بن گیا۔ اصل میں زندگی زمین ہی سے نکلی۔ زمین سے چاند میں گئی اور چاند سے پھر انسان میں اترتی ہے۔ اس میں آپ کا اعتقاد کیا ہے؟

جواب: فرمایا: چاند، سورج اور اور سیاروں کی تاثیرات کے ہم قائل ہیں۔ ان سے انسان فائدہ اٹھاتا ہے اور بچہ جب ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس وقت بھی ان کی تاثیرات کا اثر بچے پر ہوتا ہے۔ یہ اَمر شریعت کے خلاف نہیں۔ اسی واسطے ہمیں ان کے ماننے میں عذر نہیں۔ نباتات میں چاند کی روشنی کا اثر بیّن طور سے ظاہر ہے۔ چاند کی روشنی سے پھل موٹے ہوتے ہیں۔ ان میں شیرینی پیدا ہوتی ہے اور بعض اوقات لوگوں نے اناروں کے چٹخنے کی آواز تک بھی سنی ہے جو چاند کی روشنی کے اثر سے پھوٹتے ہیں اس سے زیادہ جو حصہ پیچیدہ اور ثابت شدہ نہیں اس کے ماننے کے واسطے ہم تیار نہیں ہیں۔ قرآن شریف میں صاف بیان کیا گیا ہے کہ چاند، سورج اور تمام سیارے انسان کے خادم اور مفید مطلب ہیں اور ان میں انسانی فوائد مرکوز ہیں۔ پس ہم اس بات کے ماننے میں کوئی حرج نہیں پاتے کہ جس طرح سے نباتات سے ہمیں فائدہ پہنچتا ہے اسی طرح ان تمام سیاروں سے بھی ہم فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اب اگر یہ ثابت ہو جاوے کہ عقل کو مشتری سے تعلق ہے تو اس کے ماننے کے واسطے بھی ہم تیار ہیں۔

اتنا سن کر پروفیسر موصوف نے عرض کیا کہ میں تو خیال کرتا تھا کہ **سائنس اور مذہب میں بڑا تضاد ہے جیسا کہ عام طور سے علماء میں مانا گیا ہے مگر آپ نے تو اس تضاد کو بالکل اٹھا دیا ہے۔**

فرمایا: یہی تو ہمارا کام ہے اور یہی تو ہم ثابت کر رہے ہیں کہ سائنس اور مذہب میں بالکل اختلاف نہیں بلکہ مذہب بالکل سائنس کے مطابق ہے اور سائنس خواہ کتنی ہی عروج پکڑ جاوے مگر قرآن کی تعلیم اور اصول اسلام کو ہرگز ہرگز نہیں جھٹلا سکے گی۔

سوال: مکھیوں یا ادنیٰ قسم کے جانوروں میں جو چیز پائی جاتی ہے۔ اس کو کس نام سے تعبیر کیا جاوے گا؟

جواب: روح تین قسم کی ہوتی ہے۔ روح نباتی۔ روح حیوانی۔ روح انسانی۔ ان تینوں کو ہم برابر نہیں مانتے۔ ان میں سے حقیقی زندگی کی وارث اور جامع کمالات صرف انسانی روح ہے۔ باقی حیوانی اور نباتی روح میں بھی ایک قسم کی زندگی ہے۔ مگر وہ انسانی روح کی برابری نہیں کر سکتی۔۔۔ اس کے علاوہ کفارہ وغیرہ کی بابت سوال کئے گئے۔ اس ملاقات کی تفصیل بھی ملفوظات جلد 10 ص 426-438 پر پڑھی جا سکتی ہے۔

پروفیسر صاحب نے بعد میں احمدیت یعنی حقیقی اسلام قبول کر لیا۔ ان کی کتنی خوش قسمتی رہی کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات سے کوئی ہفتہ قبل انہوں نے حضورؑ کی زیارت کی سعادت پائی اور پھر یہ سعادت بھی کوئی کم نہ رہی کہ 10، اپریل 2006ء میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ ان ممالک کے دورہ پر تشریف لائے تو نیوزی لینڈ کے شہر آک لینڈ میں واقع ان کی قبر پر بھی دعا کے لئے تشریف لے گئے۔ زہے قسمت زہے نصیب۔

یہ محبت تو نصیبوں سے ملا کرتی ہے　　　چل کے خود آئے مسیحا کسی بیمار کے پاس

[ان کا مزید تعارف ہفت روزہ الفضل انٹرنیشنل لندن جلد 18 شمارہ 19۔ 13 تا 19 مئی 2011ء ص 12 پر بھی ملاحظہ فرمایا جا سکتا ہے۔]



2006ء دورۂ نیوزی لینڈ کے موقع پر امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز پروفیسر صاحب کی قبر پر

- **19 مئی:** عبدالحکیم کی کتاب کا ذکر تھا کہ بہت سے اعتراض کئے ہیں۔ فرمایا۔ ہم نے جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے۔ بحثیں ہو چکیں۔ کتابیں مفصل لکھی جا چکی ہیں۔ اب بحث میں پڑنا فضولیوں میں داخل ہے۔
- **20 مئی:** عصر کے وقت فرمایا: صلح سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفّار سے صلح کی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جنگ موقوف ہوئی تو مسلمانوں کے ساتھ کفّار کا میل جول ہو گیا اور انہیں اسلام کی صداقتوں پر نظر کرنے کا موقع مل گیا۔ پھر ان میں سے کئی سعید روحیں اسلام کے لئے تیار ہو گئیں۔
- **23 مئی:** قبل نماز ظہر فرمایا ہمیں ایسے آدمیوں کی ضرورت ہے جو نہ صرف زبانی بلکہ عملی طور سے کچھ کر کے دکھانے والے ہوں۔ علمیت کا زبانی دعویٰ کسی کام کا نہیں۔ ایسے ہوں کہ نخوت اور تکبر سے بکلّی پاک ہوں اور ہماری صحبت میں رہ کر یا کم از کم ہماری کتابوں کا کثرت سے مطالعہ کرنے سے ان کی علمیت کامل درجہ تک پہنچی ہوئی ہو۔ البتہ شیخ غلام احمد اس کام کے واسطے اچھا آدمی معلوم ہوا ہے۔ اس کے کلام میں بھی تاثیر ہے اور اخلاص و محبت سے اس نے اپنے اوپر اس شدت گرمی میں اتنا وسیع دورہ کرنے کا بوجھ اٹھایا ہے۔ کچھ خدا کی حکمت ہے کہ لوگ اس کا کلام سننے کے واسطے جمع بھی ہو ہی جاتے ہیں ایک جگہ اس کو پتھر بھی پڑے مگر خدا کی قدرت سے وہ پتھر بجائے ان کے کسی دوسرے کو لگا اور وہ زخمی ہوا۔ تبلیغ سلسلہ کے واسطے ایسے آدمیوں کے دوروں کی ضرورت ہے مگر ایسے لائق آدمی مل جاویں کہ وہ اپنی زندگی اس راہ میں وقف کر دیں۔ آنحضرتؐ کے صحابہؓ بھی اشاعتِ اسلام کے واسطے دور دراز ممالک میں جایا کرتے تھے۔ یہ جو چین کے ملک میں کئی کروڑ مسلمان ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں بھی صحابہؓ میں سے کوئی شخص پہنچا ہو گا۔

اسی طرح یہ ہندوؤں کے متعلق حسن ظن رکھتے ہوئے یہ بھی فرمایا کہ:

”موجودہ صورت میں تو بہ نسبت مسلمانوں کے ہمیں ہندوؤں سے زیادہ امید نظر آتی ہے کیونکہ وہ تعلیم کی ترقی کی وجہ سے اور کچھ تجربہ کی وجہ سے بہت کچھ سمجھ گئے ہیں۔ ہمارا تو خود کبھی بھی یہ منشا نہیں کہ ان لوگوں کے مسلّمہ بزرگوں کو گالیاں دی جائیں یا ان کی عزّت نہ کی جاوے اور اسی طرح ہم ان سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ یہ لوگ بھی اتنا ہی کریں خواہ ایمان نہ لاویں مگر ان کو بُرا بھی نہ کہیں اور کہہ دیں کہ سچا مانتے ہیں۔ یہ (جو) موجودہ زمانہ میں پھوٹ اور نفاق کا سلسلہ جاری ہے اس کو بند کر دیں اور بالکل ممانعت کر دیں کہ باہم ایک دوسرے مذہب کی مخالفت میں ہتک آمیز کلمات اور کتابیں بالکل بند کر دی جاویں اور چھاپی ہی نہ جاویں اور ایک ایسی ہوا چل جاوے کہ آپس میں محبت ہو اور اتفاق بڑھے۔ جس طرح سے ایک ہوا پہلے چل گئی تھی کہ بچہ بچہ بھی اسلام سے متنفّر تھا۔ اس طرح کی ایک ایسی ہوا چل جاوے کہ باہمی اخوت اور اتحاد بڑھے اور نفاق اور بغض و تعصب دلوں سے نکل جاوے۔“

مستورات سے آخری پبلک خطاب

- **23 مئی:** کو بعد نماز عصر چند ہندو مستورات حضرت امام الزمان مسیح موعود مہدی مسعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے درِ دولت پر آئیں اور بیان کیا کہ ہم مہاراج کے درشن کے واسطے آئی ہیں۔ حضور علیہ السلام کی خدمت میں اطلاع کی گئی۔ چنانچہ آپ نے نہایت لُطف اور مہربانی سے اُن کو اجازت دی اور وہ گھر میں جا کر حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں۔ حضرت اقدس چونکہ ان دنوں مضمون رسالہ پیغام صلح کے لکھنے میں مصروف تھے تھوڑی دیر کے بعد آپ نے فرمایا کہ "اب درشن ہو گئے اب تم جاؤ" مگر انہوں نے عرض کی کہ ہم کو آپ کوئی وعظ سناویں ہم اسی واسطے حاضر خدمت ہوئی ہیں۔ چنانچہ آپؑ نے ان کے اصرار اور اخلاص کی وجہ سے ان کو وعظ و نصیحت کی کچھ باتیں فرمائیں۔ (ملفوظات جلد10 ص447-450)

- ## 23 مئی: اخبار عام میں شائع ہونے والی ایک خبر اور حضورؑ کی تردید

حضرت اقدسؑ نے 17 مئی کو جو تقریر فرمائی۔ اس تقریر کی بنا پر یہ غلط خبر اخبار عام لاہور 23، مئی 1908ء میں شائع ہوئی کہ آپؑ نے اس جلسہ دعوت میں دعویٰ نبوت کو واپس لے لیا ہے۔ جس پر حضورؑ نے اسی روز یعنی 23 مئی کو ایڈیٹر اخبار مذکور کی طرف ایک خط لکھا جس میں اس غلط خبر کی تردید کی۔ **یہ حضورؑ کا آخری خط تھا** (اب تک ملنے والا)۔ اور یہ خط اخبار عام لاہور میں 26 مئی 1908ء کے صفحہ 7 کالم 3-1 میں شائع ہوا۔ خط کا مکمل متن یہ تھا:

"جناب ایڈیٹر صاحب! اخبار عام

پرچہ اخبار عام 23/ مئی 1908ء کے پہلے کالم کی دوسری سطر میں میری نسبت یہ خبر درج ہے۔ کہ گویا میں نے جلسہ دعوت میں نبوت سے انکار کیا۔ اس کے جواب میں واضح ہو کہ اس جلسہ میں مَیں نے صرف یہ تقریر کی تھی کہ میں ہمیشہ اپنی تالیفات کے ذریعہ سے لوگوں کو اطلاع دیتا رہا ہوں۔ اور اب بھی ظاہر کرتا ہوں کہ یہ الزام جو میرے ذمہ لگایا جاتا ہے کہ گویا میں ایسی نبوت کا دعویٰ کرتا ہوں۔ جس سے مجھے اسلام سے کچھ تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور جس کے یہ معنی ہیں کہ میں مستقل طور پر اپنے تئیں ایسا نبی سمجھتا ہوں کہ قرآن شریف کی پیروی کی کچھ حاجت نہیں رکھتا۔ اور اپنا علیٰحدہ کلمہ اور علیٰحدہ قبلہ بناتا ہوں اور شریعت اسلام کو منسوخ کی طرح قرار دیتا ہوں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقتدار اور متابعت سے باہر جاتا ہوں یہ الزام صحیح نہیں ہے بلکہ ایسا دعویٰ نبوت کا میرے نزدیک کفر ہے اور نہ آج سے بلکہ اپنی ہر ایک کتاب میں ہمیشہ یہی لکھتا آیا ہوں کہ اس قسم کی نبوت کا مجھے کوئی دعویٰ نہیں۔ اور یہ سراسر میرے پر تہمت ہے اور جس بناء پر میں اپنے تئیں نبی کہلاتا ہوں۔ وہ صرف اس قدر ہے کہ میں خدا کی

ہمکلامی سے مشرف ہوں۔ وہ میرے ساتھ بکثرت بولتا اور کلام کرتا ہے اور میری باتوں کا جواب دیتا ہے اور بہت سی غیب کی باتیں میرے پر ظاہر کرتا اور آئندہ زمانوں کے وہ راز میرے پر کھولتا ہے کہ جب تک انسان کو اس کے ساتھ خصوصیت کا قرب نہ ہو۔ دوسرے پر وہ اسرار نہیں کھولتا۔ اور انہیں امور کی کثرت کی وجہ سے اس نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ سو میں خدا کے حکم کے موافق نبی ہوں۔ اور اگر میں اس سے انکار کروں تو میرا گناہ ہو گا۔ اور جس حالت میں خدا میرا نام نبی رکھتا ہے۔ تو میں کیوں کر انکار کر سکتا ہوں۔ میں اس پر قائم ہوں۔ اس وقت تک جو اس دنیا سے گزر جاؤں۔ مگر میں ان معنوں سے نبی نہیں ہوں کہ گویا میں اسلام سے اپنے تئیں الگ کرتا ہوں۔ یا اسلام کا کوئی حکم منسوخ کرتا ہوں۔ میری گردن اس جوئے کے نیچے ہے جو قرآن کریم نے پیش کیا۔ اور کسی کو مجال نہیں کہ ایک نقطہ یا ایک شعشہ قرآن شریف کا منسوخ کر سکے۔ سو میں صرف اس وجہ سے نبی کہلاتا ہوں کہ عربی اور عبرانی زبان میں نبی کے یہ معنی ہیں کہ خدا سے الہام پا کر بکثرت پیشگوئی کرنے والا اور بغیر کثرت کے یہ معنی تحقیق نہیں ہو سکتے۔ جیسا کہ صرف ایک پیسہ سے کوئی مالدار نہیں کہلا سکتا۔ سو خدا نے مجھے اپنے کلام کے ذریعہ بکثرت علمِ غیب عطا کیا ہے۔ اور ہزارہا نشان میرے ہاتھ پر ظاہر کئے ہیں اور کر رہا ہے۔ میں خود ستائی سے نہیں بلکہ خدا کے فضل اور اس کے وعدہ کی بنا پر کہتا ہوں کہ اگر تمام دنیا ایک طرف ہو اور ایک طرف صرف میں کھڑا کیا جاؤں۔ اور کوئی ایسا امر پیش کیا جائے۔ جس سے خدا کے بندے آزمائے جاتے ہیں۔ تو مجھے اس مقابلہ میں خدا غلبہ دے گا۔ اور ہر ایک پہلو کے مقابلہ میں خدا میرے ساتھ ہو گا۔ اور ہر ایک میدان میں وہ فتح دے گا۔

پس اسی بنا پر خدا نے میرا نام نبی رکھا ہے۔ اس زمانہ میں کثرت مکالمہ مخاطبہ الٰہیہ اور کثرت اطلاع پر علوم غیب صرف مجھے ہی عطا کی گئی ہے۔ اور جس حالت میں عام طور پر لوگوں کو خوابیں بھی آتی ہیں۔ بعض کو الہام بھی ہوتا ہے۔ اور کسی قدر ملونی کے ساتھ علم غیب سے بھی اطلاع دی جاتی ہے۔ مگر وہ الہام مقدار میں نہایت قلیل ہوتا ہے۔ اور اخبار غیبیہ بھی اس میں نہایت کم ہوتی ہیں۔ اور باوجود کمی کے مشتبہ اور مکدر اور خیالات نفسانی سے آلودہ ہوتی ہیں۔ تو اس صورت میں عقل سلیم خود چاہتی ہے کہ جس کی وحی اور علم غیب اس کدورت اور نقصان سے پاک ہو اس کو دوسرے معمولی انسانوں کے ساتھ نہ ملایا جائے بلکہ اس کو کسی خاص نام کے ساتھ پکارا جائے تا کہ اس میں اور اس کی غیر میں امتیاز ہو۔ اس لئے محض مجھے امتیازی مرتبہ بخشنے کے لئے خدا نے میرا نام نبی رکھ دیا۔ اور مجھے ایک عزت کا خطاب دیا گیا ہے تا کہ اُن میں اور مجھ میں فرق ظاہر ہو جائے۔ ان معنوں سے میں نبی ہوں اور امتی بھی ہوں۔ تا کہ ہمارے سید و آقا کی وہ پیشگوئی پوری ہو کہ آنے والا مسیح امتی بھی ہو گا اور نبی بھی ہو گا۔ ورنہ حضرت عیسیٰ جن کے دوبارہ آنے کی باری ہے۔ ایک جھوٹی امید اور جھوٹی طمع لوگوں کو دامنگیر ہے۔ وہ امتی کیوں کر بن سکتے ہیں۔ کیا آسمان

سے اتر کر نئے سرے سے مسلمان ہوں گے۔ یا کیا اس وقت ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء نہیں رہیں گے۔

والسّلام علیٰ من اتبع الھدیٰ۔ 23/ مئی 1908ء الراقم

خاکسار المفتقر الی اللہ الاحد غلام احمد عفی عنہ از شہر لاہور" (مکتوبات احمدؑ جلد5 ص544-542)

- ## 25 مئی: وفات سے 20 گھنٹے قبل [ظہر سے قبل]

ایک سرحدی شخص حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور قدرے شوخی سے آپ سے مخاطب ہوا۔ جس پر حضورؑ نے بہت نرمی اور محبت سے اپنی بعثت کا مقصد اس کے سامنے بیان فرمایا۔ آپ کا یہ بیان اور خطاب آپ کی وفات سے کوئی 20 گھنٹے پہلے کا ہے۔ اس کی تفصیل ملفوظات جلد10 صفحہ 391، 392 (ایڈیشن 2022ء) پر بھی موجود ہے۔

- ## 25 مئی: عصر کے وقت حضرت اقدس علیہ السلام کی آخری تقریر

حضورؑ کی خدمت میں مولوی ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا ایک خط پیش کیا گیا اور اسی دوران میں کسی دوست نے ان کا یہ عقیدہ پیش کر دیا کہ وہ حضرت عیسیٰؑ کے سُولی پر لٹکائے جانے کے ہی قائل نہیں اور کہ وہ اپنے اس دعوے کی دلیل میں آیت کریمہ اِذْ كَفَفْتُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ (المآئدۃ:111) پیش کرتے ہیں۔ اس پر حضور علیہ السلام نے اس کی تردید کرتے ہوئے وفات مسیح کے حوالہ سے ایک جامع تقریر فرمائی۔ جس میں آپؑ نے یہ بھی فرمایا:

"نصاریٰ نے ایک عقیدہ پکڑا تھا کہ حضرت عیسیٰؑ چونکہ بن باپ کے ہیں لہٰذا یہ خصوصیت ان کی خدائی کی پختہ دلیل ہے اور یہ ان کا مسلمانوں پر ایک بھاری اعتراض تھا اور اس سے وہ حضرت عیسیٰ میں ایک خصوصیت ثابت کر کے ان کی خدائی کی دلیل پکڑتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں ان کا یُوں مُنہ توڑا۔ اور ان کا رڈیوں بیان کیا کہ اِنَّ مَثَلَ عِیْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ الخ [یقیناً عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی مثال کی سی ہے۔] (آل عمران:60) یعنی اگر حضرت عیسٰی کی پیدائش اعجازی رنگ میں پیش کر کے تم اس کی خدائی کی دلیل ٹھہراتے ہو تو پھر آدم بطریق اولیٰ خدا ہونا چاہئیے کیونکہ اس کا نہ باپ نہ ماں۔ اس طرح سے اوّل آدم کو بڑا خدا مان لو پھر اس بات کو عیسیٰؑ کی خدائی کی دلیل ٹھہرانا۔ پس اس طرح سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اس استدلال کو غلط ثابت کر دیا۔ غرض نصاریٰ کے مسیح کو بن باپ کی پیدائش سے ان کی خدائی کی دلیل اور استدلال پکڑنے کو اللہ تعالیٰ نے آدم کی نظیر پیش کر کے باطل ٹھہرادیا۔

ایک دوسری دلیل نصاریٰ نے مسیح کی خدائی کی یہ پیش کی تھی کہ وہ زندہ ہیں اور مع جسم عنصری آسمان پر خدا کے داہنے ہاتھ بیٹھے ہیں اور اس امر سے انہوں نے مسیح کی ایک خصوصیت ثابت کر کے اس کو ان کی خدائی کی

ایک زبردست دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔ اب ہمیں کوئی بتا دے کہ اگر توفّی کے معنے مع جسم عنصری آسمان پر ہی اُٹھائے جانے کے ہیں اور اس کے معنے حضرت عیسیٰ کے لئے موت کے نہیں ہیں تو پھر نصاریٰ کے اس اعتراض کا قرآن نے کہاں جواب دیا ہے؟ یا جس طرح ان کی دلیل اوّل کو ایک نظیر پیش کر کے توڑا تھا۔ اسی طرح کہیں سے ہمیں یہ بھی نکال کر بتاؤ کہ حضرت مسیحؑ سے پہلے یا پیچھے اور بھی کوئی ایسی نظیر پائی جاتی ہے؟ اور اگر کوئی نظیر نہیں تو یاد رکھو کہ اسلام آج بھی گیا اور کل بھی گیا۔ نصاریٰ تم کو خود تمہارے اپنے عقیدہ سے ملزم کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تم خود حضرت عیسیٰؑ کو زندہ اور جسم عنصری سے آسمان پر مانتے ہو۔ حالانکہ تمہارے رسُول خاکِ مدینہ میں مدفون ہیں۔ اب بتاؤ! کون افضل ہے عیسیٰ یا محمدؐ؟

افسوس ہے ان نام کے مسلمانوں پر کہ اپنی ناک کاٹنے کے واسطے آپ ہی دشمن کے ہاتھ میں چُھری دیتے ہیں۔ یاد رکھو کہ اگر خدا تعالیٰ کا یہی منشا ہوتا اور قرآن و حدیث میں حقیقتاً یہی امر اُس نے بیان کیا ہوتا کہ واقعہ میں حضرت مسیح زندہ ہیں اور وہ مع جسم عنصری آسمان پر بیٹھے ہیں اور یہ عقیدہ بھی حضرت مسیحؑ کے بن باپ پیدا ہونے کی طرح خدا تعالیٰ کے نزدیک سچا عقیدہ ہوتا تو ضرور تھا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بھی کوئی نہ کوئی نظیر پیش کر کے قوم نصاریٰ کو اس امر کے حضرت مسیحؑ کی خدائی کی دلیل پکڑنے سے بند اور لاجواب کر دیتا۔ مگر خدا تعالیٰ کے اس امر کی دلیل پیش نہ کرنے سے صاف عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر گز ہر گز یہ منشاء نہیں جو تم محض افتراء سے خدا تعالیٰ کے کلام پر تھوپ رہے ہو۔ بلکہ توفّی کا لفظ خدا تعالیٰ نے محض موت ہی کے معنوں کے واسطے وضع کیا ہے اور یہی حقیقت اور اصل حال ہے۔

دیکھو ہر ایک خصوصیّت جو کہیں کسی خاص شخص کے متعلق پیدا کی گئی ہے اللہ تعالیٰ نے اس کا ضرور جواب دیا ہے مگر کیا وجہ کہ اتنی بڑی خصوصیّت کا کوئی جواب نہ دیا۔ خصوصیّت ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جس سے شرک پیدا ہوتا ہے۔"

یہ حضرت اقدس علیہ السلام کی زندگی میں آپ کی آخری تقریر ہے جو آپ نے بڑے زور اور خاص جوش سے فرمائی۔ دوران تقریر میں آپ کا چہرہ اس قدر روشن اور درخشاں ہو گیا تھا کہ نظر اُٹھا کر دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تقریر میں ایک خاص اثر اور جذب تھا۔ رُعب، ہیبت اور جلال اپنے کمال عروج پر تھا۔ بعض خاص خاص تحریکات اور موقعوں پر حضرت اقدس کی شان دیکھنے میں آئی ہوگی جو آج کے دن تھی۔ اس تقریر کے بعد آپ نے کوئی تقریر نہیں فرمائی۔ (فقط مرتبہ عبد الرحمٰن قادیانی)

(ملفوظات جلد10 ص393 تا398)

- ## 25 مئی: حضور علیہ السلام کی آخری تصنیف پیغام صلح

خدا کے مامورین کی ہر حرکت اور سکون اُسی کے اشارے پر ہوتا ہے۔ خدائے علاّم الغیوب کے تو علم میں تھا کہ اب اُس کے اِس پیارے بندے کی دنیاوی زندگی کے آخری دن شروع ہو چکے ہیں۔ اس لئے لاہور کا سفر محض اتفاق نہ تھا۔ اس خدائے قدیر کی خاص مصلحت تھی کہ لاہور جیسے اہم مرکز میں وہ اپنے رسول کو دوبارہ لیکر آیا تا ایک مخلوق اس زمانے کے مامور و مرسل کی زیارت کر سکے اور اس کی باتوں کو پھر سن سکے۔ لاہور اپنی اس خوش بختی پر جتنا بھی فخر و ناز کر سکے وہ کم ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنے اس قیام کے دوران صرف تقاریر کے ذریعہ سے ہی اتمام حجت نہیں فرمائی بلکہ ان دنوں ایک عظیم الشان رسالہ "پیغام صلح" بھی لکھا جو حضور کی آخری تصنیف تھی۔ دنیا بھر میں امن و سلامتی اور صلح و آشتی کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ حضرت اقدسؑ کا منشائے مبارک تھا کہ 31 مئی اتوار کے دن احمدیہ بلڈنگس کے میدان میں یہ عام تقریر کی جائے۔ حضور کے لکھے ہوئے مسودہ کو ساتھ ہی ساتھ کاتب بھی لکھتا جاتا تھا۔ اور آخر کار 25 مئی کی شام کو حضور نے اس مضمون کو مکمل کر کے کاتب کے سپرد کر دیا۔
(تاریخ احمدیت جلد 2 ص 540)

حضرت اقدسؑ کی یہ تصنیف "پیغام صلح" روحانی خزائن جلد 23 میں شامل ہے۔ اور قریباً 30 صفحات پر مشتمل ہے۔

حضور کے وصال کے بعد یہ لیکچر 21، جون 1908ء کو اتوار کے روز سات بجے صبح یونیورسٹی ہال میں ایک بڑے مجمع کے سامنے جناب خواجہ کمال الدین صاحب نے سنایا۔ اس جلسہ کے صدر لاہور چیف کورٹ کے جسٹس سر پرتول چندر چیٹر جی تھے۔

- ## 25 مئی: قیام لاہور کے دوران سیر اور آخری سیر کا بیان

قیام لاہور کے دوران چونکہ سیر کے لئے حضرت اقدسؑ کے ہمراہ حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانی بھی بطور خادم اور پہریدار کے ساتھ ہوتے تھے۔ اس لئے انہیں کی زبانی عرض کیا جاتا ہے۔ حضرت بھائی صاحب بیان کرتے ہیں:

"قیام لاہور کے زمانہ میں سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام قریباً روزانہ سیر کے واسطے خاندان کی بیگمات اور بچوں سمیت تشریف لے جایا کرتے تھے۔ بلکہ بعض روز تو صبح و شام دو وقتہ سیر فرمایا کرتے تھے۔ ابتداء میں حضور بھی رتھ میں بیٹھ کر بیگمات کے ساتھ سیر کو تشریف لے جاتے تھے۔ کھلی سڑکوں پر بھی اور شہر کے بازاروں مثلاً مال روڈ اور انارکلی میں بھی حضور سیر کے واسطے چلے جاتے تھے۔ بازار میں سے گزرتے ہوئے کبھی سواری

ٹھہرا کر ہندو حلوائیوں کے ہاں سے کھانے کی چیزیں بھی خرید فرمالیا کرتے تھے اور بیگمات اور بچوں کے علاوہ ہمرکاب خدام کو بھی شریک فرماتے تھے۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ حضور انار کلی میں سے گزرتے ہوئے کیسری کی دکان پر اکثر ٹھہرا کرتے اور سب کو سوڈا پلوایا کرتے تھے۔ عام اجازت ہوا کرتی تھی جو جس کا جی چاہتا پیتا یعنی لیمن، روز اور آئس کریم یا مائینیل وغیرہ وغیرہ۔ مگر سیدنا حضرت اقدس خود کھاری بوتل بتاشہ ڈال کر پیا کرتے تھے اور یہ عمل کھلے بازار میں کیسری کی دکان کے سامنے سواریاں کھڑی کر کے ہوا کرتا تھا۔ بیگمات بھی رتھ یا فٹن میں تشریف فرما ہوا کرتی تھیں........

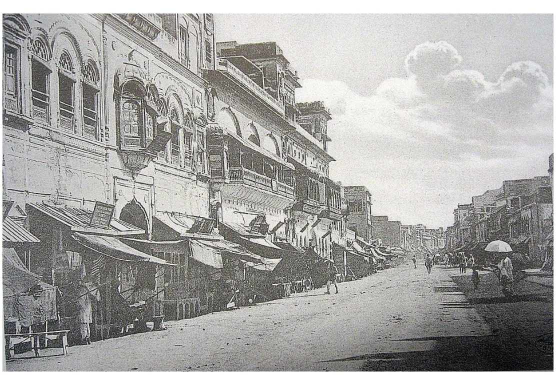
سیر کے واسطے حضور عموماً مکان سے سٹیشن کی طرف سے ہوتے ہوئے ایمپرس روڈ، شملہ پہاڑی اور وہاں سے جانب شرق لاٹ صاحب کی کوٹھی کے مشرقی جانب سے ہوتے ہوئے لارنس گارڈن مال روڈ کو تشریف لے جاتے۔ گاہے انار کلی میں سے ہوتے ہوئے سرکلر روڈ پر لوہاری، شاہ عالمی، موچی دروازہ کے باہر باہر مکان پر تشریف لاتے۔ کبھی مال روڈ ہی سے واپسی کا حکم ہو جاتا۔ تنگ بازاروں میں حضور جانا پسند نہ فرماتے تھے۔ زیادہ تر کھلی اور آبادی سے باہر کی سڑکوں کی طرف حضور کو رغبت تھی۔ انار کلی وغیرہ کی طرف کبھی ضرورتاً تشریف لے جاتے۔ بعض اوقات ایسا بھی ہوتا کہ حضور کوئی حکم نہ دیتے اور میں اپنی مرضی ہی سے حضور کے حسب پسند راہوں سے ہو کر واپس لے آتا۔ سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی کبھی بعض اوقات براہ راست ہمیں حکم دیتیں کہ فلاں جگہ کو لے چلو۔ حضور پُرنور خاموش رہتے، انکار فرماتے نہ ناپسند فرماتے۔ سیر



فٹن(Phaeton)
Source: Wikipedia.org



لاہور ریلوے سٹیشن 1880ء



انار کلی۔لاہور

کے اوقات میں گفتگو عموماً مسائل دینیہ کے بارہ میں یا نظام سلسلہ سے متعلق رہتی۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ حضور پرنور بالکل خاموش ہی نظر آتے مگر حضور کے لبوں کی حرکت سے ذکر الٰہی اور تسبیحات میں مصروفیت کا یقین ہوتا تھا۔

قیام لاہور کے زمانہ میں حضور پُرنور لاہور کے مضافات کی مشہور سیر گاہوں میں بھی تشریف لے جاتے رہے۔ مثلاً شالامار باغ متصل باغبانپورہ۔ شالامار باغ نیا جو کسی ہندو ساہوکار نے لاہور شہر کے جنوب کی طرف چند میل کے فاصلہ پر بنوایا۔ مقبرہ جہانگیر وغیرہ مگر ان مقامات میں سے شالامار باغ متصل باغبانپورہ حضرت کو زیادہ پسند تھا۔ اور حضور وہاں ایک سے زیادہ مرتبہ تشریف لے گئے۔ زیادہ دیر تک وہاں قیام فرمایا اور زیادہ ہی دیر تک علیحدگی میں ٹہلتے اور دعائیں کرتے رہے۔ مقبرہ جہانگیر کے غربی جانب علیحدہ ایک مزار ہے اس طرف حضور تشریف نہ لے گئے۔ مگر بھول بھلیاں یا جو کچھ بھی اس جگہ کا نام ہے ریلوے لائن کے غربی جانب ایک عمارت ہے جس میں بہت سے دروازے ہی دروازے ڈاٹ دار ہیں وہاں حضور بیگمات اور بچوں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ آخری دن حضور نے سیر کے لئے تشریف لے جاتے ہوئے مجھ سے فرمایا۔ ”گاڑی بان سے کہہ دو کہ اتنی دور لے جائے کہ جانے آنے میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت نہ لگے۔ کیونکہ آج ہمارے پاس اتنے ہی پیسے ہیں۔“... ایک واقعہ حضور کی سیر شام سے متعلق یہ بھی قابل ذکر ہے کہ آخری دن یعنی 08-05-25 کو جب حضور سیر کے واسطے تشریف لائے تو خلاف معمول حضور خاموش اور اداس تھے۔ نیز کوفت اور تکان کے علامات حضور کے چہرہ پر نمایاں نظر آتے تھے اور ساری ہی سیر میں حضور ایسی حالت میں تشریف فرما رہے۔ گویا کسی دوسرے عالم میں ہیں اور ربودگی و انقطاع کا یہ حال تھا کہ سارے ہی راستہ جاتے ہوئے اور واپسی پر بھی حضور اسی حالت میں رہے۔ حضور کی اس حالت کے مد نظر سارے ہی قافلہ پر عالم سکوت اور بیم ورجا طاری تھا۔ ایسا معلوم دیتا تھا کہ حضور دنیا و مافیہا سے کٹ کر رفیق اعلیٰ کے وصال کا جام شیریں نوش فرما رہے ہیں اور اسی کی یاد میں یہ عالم محویت حضور پر طاری ہے۔

جن دوستوں نے خطبہ الہامیہ کے نزول کا منظر دیکھا ہوا ہے وہ آج کی ربودگی و تبتّل کو بھی سمجھ سکتے ہیں جو حالت حضور کی اس وقت میں ہوتی تھی اس سے بھی بڑھ کر آج حضور اپنے خدا میں جذب وگم ہو رہے تھے کیونکہ خطبہ الہامیہ کے نزول کے دوران میں تو مشکل لفظ جب سمجھ میں نہ آتا۔ ہم لوگ لکھنے میں پیچھے رہ جاتے یا بعض جگہ الف یا ع۔ ق یا ک۔ ز یا ذ یا ض۔ ظ اور ث۔ س اور ص وغیرہ کا امتیاز نہ کر سکتے تو حضور سے دریافت کرنا پڑتا تھا جس کے بتانے کے لئے حضور گویا نیند سے بیدار ہو کر یا کسی روحانی عالم سے واپس آ کر بتاتے تھے اور دوران نزول میں کئی مرتبہ ایسا ہوا تھا۔ مگر آج کی محویت اور ربودگی متواتر کم و بیش ایک گھنٹہ جاری رہی اور واپس مکان پر آ کر ہی حضور نے آنکھ کھولی تھی۔ یہ واقعہ نہ صرف میرا ہی چشم دید ہے بلکہ خاندان کی بیگمات اور ہمرکاب مردوں کے علاوہ مجھے اچھی طرح سے

ایک اور ایک دو کی طرح یاد ہے کہ جب حضور کی گاڑی لارنس گارڈنز اور لاٹ صاحب کی کوٹھی سے کچھ آگے جانب غرب بڑھی تھی تو اس موقعہ پر دو یا تین احمدی دوست لاہور کے سیر کرتے ہوئے وہاں ملے۔ جنہوں نے السلام علیکم کہی اور حضور کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھ کر تعجب کا اظہار کیا اور اشاروں سے دریافت حال کیا تھا۔ گویا ان دوستوں نے بھی حضور کی اس حالت تبتل و انقطاع کو خلاف معمول سمجھا تھا۔ اور پھر مجھے یہ بھی خوب یاد ہے کہ دوسرے دن وصال کے بعد انہوں نے یا ان میں سے بعض نے آج کے چشم دید واقعہ کا ذکر کر کے بیان کیا تھا کہ ”ہم نے تو کل ہی حضور کی حالت سے اندازہ کر لیا تھا کہ حضور اس عالم میں موجود نہیں ہیں۔“ مگر افسوس کہ میں ان دوستوں کے نام یاد نہیں رکھ سکا۔ یہ یقین ہے کہ تھے وہ مقامی دوست ہی۔“ (تتمہ سیرت المہدی جلد2 ص378 تا402)

حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:

”حضرت صاحبؑ کی وفات سے پہلے ایام کا ذکر ہے کہ ملک مبارک علی صاحب تاجر لاہور ہر روز شام کو اس مقام پر آجاتے جہاں حضرت صاحبؑ ٹھہرے ہوئے تھے اور جب حضرت صاحبؑ باہر سیر کو جاتے تو وہ اپنی بگھی میں بیٹھ کر ساتھ ہو جاتے تھے۔ مجھے سیر کے لیے حضرت صاحبؑ نے ایک گھوڑی منگوا دی ہوئی تھی میں بھی اس پر سوار ہو کر جایا کرتا تھا اور سواری کی سڑک پر گاڑی کے ساتھ ساتھ گھوڑی دوڑاتا چلا جاتا تھا اور باتیں بھی کرتا جاتا تھا۔ لیکن جس رات حضرت صاحبؑ کی بیماری میں ترقی ہو کر دوسرے دن آپؑ نے فوت ہونا تھا میری طبیعت پر کچھ بوجھ سا محسوس ہوتا تھا۔ اس لیے میں گھوڑی پر سوار نہ ہوا۔ ملک صاحب نے کہا میری گاڑی میں ہی آجائیں۔ چنانچہ میں ان کے ساتھ بیٹھ گیا لیکن بیٹھتے ہی میرا دل افسردگی کے ایک گہرے گڑھے میں گر گیا۔ اور یہ مصرع میری زبان پر جاری ہو گیا کہ۔

راضی ہیں ہم اسی میں جس میں تری رضا ہو

ملک صاحب نے مجھے اپنی باتیں سنائیں۔ میں کسی ایک آدھ بات کا جواب دے دیتا تو پھر اسی خیال میں مشغول ہو جاتا۔ رات کو ہی حضرت صاحبؑ کی بیماری یک دم ترقی کر گئی اور صبح آپؑ فوت ہو گئے۔ یہ بھی ایک تقدیر خاص تھی جس نے مجھے وقت سے پہلے اس ناقابل برداشت صدمہ کے برداشت کرنے کے لیے تیار کر دیا۔“
(تقدیر الٰہی۔ انوار العلوم جلد4 ص617۔618)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحبؓ ایم۔اے تحریر فرماتے ہیں:

”حضرت مسیح موعودؑ ”پیغام صلح“ کی تصنیف میں مصروف تھے کہ 20، مئی 1908ء کو آپ کو یہ الہام ہوا کہ:

اَلرَّحِیۡلُ ثُمَّ الرَّحِیۡلُ وَالۡمَوۡتُ قَرِیۡبٌ۔ (بدر جلد 7 نمبر 22 مؤرخہ 2 جون 1908ء صفحہ 2 کالم 3) یعنی کوچ کا وقت آگیا ہے ہاں کوچ کا وقت آگیا ہے اور موت قریب ہے۔

یہ الہام اپنے اندر کسی تاویل کی گنجائش نہیں رکھتا تھا مگر حضرت مسیح موعودؑ نے دانستہ اس کی کوئی تشریح نہیں فرمائی لیکن ہر سمجھدار شخص سمجھتا تھا کہ اب مقدر وقت سر پر آگیا ہے۔ اس پر ایک دن حضرت والدہ صاحبہ نے گھبرا کر حضرت مسیح موعودؑ سے کہا کہ اب قادیان واپس چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ اب تو ہم اسی وقت جائیں گے جب خدا لے جائے گا اور آپ بدستور پیغام صلح کی تقریر کے لکھنے میں مصروف رہے بلکہ آگے سے بھی زیادہ سرعت اور توجہ کے ساتھ لکھنا شروع کر دیا۔ بالآخر 25 مئی کی شام کو آپ نے اس مضمون کو قریباً مکمل کر کے کاتب کے سپرد کر دیا اور عصر کی نماز سے فارغ ہو کر حسب طریق سیر کے خیال سے باہر تشریف لائے۔ ایک کرایہ کی گھوڑا گاڑی حاضر تھی جو فی گھنٹہ مقررہ شرح کرایہ پر منگائی گئی تھی۔ آپ نے اپنے ایک مخلص رفیق شیخ عبد الرحمٰن صاحب قادیانی سے فرمایا کہ اس گاڑی والے سے کہہ دیں اور اچھی طرح سے سمجھا دیں کہ اس وقت ہمارے پاس صرف ایک گھنٹہ کے کرایہ کے پیسے ہیں۔ وہ ہمیں صرف اتنی دور لے جائے کہ ہم اس وقت کے اندر اندر ہوا خوری کر کے گھر واپس پہنچ جائیں۔ چنانچہ اس کی تعمیل کی گئی اور آپ تفریح کے طور پر چند میل پھر کر واپس تشریف لے آئے۔ اس وقت آپ کو کوئی خاص بیماری نہیں تھی صرف مسلسل مضمون لکھنے کی وجہ سے کسی قدر ضعف تھا اور غالباً آنے والے حادثہ کے مخفی اثر کے ماتحت ایک گونہ ربودگی اور انقطاع کی کیفیت طاری تھی۔ آپ نے مغرب اور عشاء کی نمازیں ادا فرمائیں اور پھر تھوڑا سا کھانا تناول فرما کر آرام کے لئے لیٹ گئے۔‘‘ (سلسلہ احمدیہ جلد اول ص 175۔176)

حضور علیہ السلام کے آخری لمحات وواقعات

25 مئی کی شام سے لے کر 26 مئی کی صبح تک

حضورؑ کو اسہال کی بیماری بہت دیر سے تھی اور جب آپ کوئی دماغی کام زور سے کرتے تھے تو یہ عارضہ ہو جاتا تھا جس سے نبض ساقط ہو جاتی تھی اور عموماً مشک کے استعمال سے واپس آجاتی تھی۔ لاہور آکر بھی دو تین دفعہ اس بیماری کا حملہ ہوا مگر پھر طبیعت بحال ہو گئی لیکن اس روز (25 مئی کی شام کو) حضورؑ نے کھانے کے چند نوالے ہی کھائے تھے کہ اسہال کی حاجت ہوئی۔ اس کے بعد تھوڑی دیر تک حضور کو دبایا جاتا رہا اور آپ آرام سے لیٹ کر سو گئے اور حضرت ام المومنینؓ بھی سو گئیں۔ لیکن تھوڑی دیر بعد آپ کو پھر حاجت محسوس ہوئی۔ کوئی گیارہ بجے کے قریب طبیعت بے حد کمزور ہو گئی۔ حضورؑ نے حضرت ام المومنینؓ کو جگایا آپ اٹھیں اور حضورؑ کے پاؤں مبارک کو دبانا شروع

کیا۔ کچھ وقت کے بعد حضور کی حالت ضعف سے بہت نازک ہوگئی جس پر حضرت ام المؤمنینؓ نے پوچھا کیا مولوی صاحب (حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ) کو بلالیں؟ حضورؑ نے فرمایا بلالو۔ نیز فرمایا۔ محمود کو جگالو۔

(تاریخ احمدیت جلد2 ص540)

اس بیماری اور ہاضمہ پر اثر پڑتا دیکھ کر ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کو اطلاع بھیجی گئی انہوں نے مناسب دوا بنوا کر بھیجی مگر اس سے کوئی فائدہ نہ ہوا اور رات کے گیارہ بجے کے قریب ایک دست آنے کی وجہ سے طبیعت اور کمزور ہوگئی۔ (بحوالہ مجد داعظم حصہ دوم ص1209)

ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بلوالیا گیا۔ حضورؑ نے فرمایا کہ مجھے سخت دورہ اسہال کا ہو گیا ہے آپ کوئی دوا تجویز کریں۔ پھر (مرزا یعقوب بیگ صاحب کو مخاطب کرتے ہوئے) فرمایا کہ "حقیقت میں تو دوا آسمان پر ہے آپ دوا بھی کریں اور دعا بھی۔" (تاریخ احمدیت جلد2 ص541)

حضرت بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی جو اس وقت وہاں موجود تھے وہ بیان کرتے ہیں:

"مکان پر رات کو باقاعدہ پہرہ ہوا کرتا اور ہم لوگ باری سے اس خدمت کو بجالاتے تھے۔ ڈیوٹی والے پہرہ پر اور باقی اپنی جگہ آرام اور سیر و تفریح میں تھے۔ کوئی غیر معمولی امر درپیش نہ تھا۔ اچانک گیارہ بجے مکرم حافظ حامد علی مرحوم نے مجھے جگایا۔ میں سمجھا میرے پہرے کا وقت آگیا۔ پوچھا۔ کیا ایک بج گیا ہے؟ حافظ صاحب مرحوم نے دھیمی سی آواز میں جواب دیا۔ ایک تو نہیں بجا۔ حضرت صاحب بیمار ہیں، تمہیں یاد فرمایا ہے۔ حضور کی بیماری کی خبر سے میں چونکا، ہوشیار ہوا۔ نیند کے غلبہ کی غفلت اڑ گئی۔ سیڑھی، وارنڈہ اور دالان کے چار ہی قدم کر کے فوراً حضرت کے حضور حاضر ہوا۔ سلام عرض کیا، جواب پایا اور حضور کے پاؤں کی طرف فرش پر بیٹھ کر دبانے لگا۔ کیونکہ سیدۃ النساء حضرت اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضرت کے سرہانے چارپائی کے کونے پر بیٹھی تھیں۔ حضور نے چارپائی پر بیٹھ کر زور سے دبانے کا ارشاد فرمایا جس کی تعمیل میں پائنتی کی طرف چارپائی کے اوپر بیٹھ کر اپنی پوری طاقت اور سارے زور کے ساتھ پاؤں، پنڈلیاں، ران، کمر اور پسلیوں کو دباتا رہا۔ حضور پُر نور اس وقت ایک چارپائی پر مکان کے بالائی حصہ کے صحن میں شرقاً غرباً لیٹے ہوئے تھے۔ سیدۃ النساء حضرت اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا [برقع پہنے چارپائی کی باہنی پر سر رکھے زمین پر بیٹھی تھیں۔ اصحاب احمدؑ جلد2 ص606] حضور کے سرہانے اسی چارپائی کے شمال غربی کونہ پر تشریف فرما تھیں اور حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ چارپائی کے شمالی جانب ایک کرسی پر حسب عادت خاموش سر ڈالے بیٹھے تھے ... محترم بزرگ حافظ حامد علی صاحب مرحوم اور میاں عبدالغفار خانصاحب کابلی بھی کچھ دیر بعد میرے ساتھ شریک عمل ہوئے اور اپنی طاقت سے بڑھ کر ہر کسی نے مالش وچاپی کے ذریعہ حضور کے

جسم مبارک کو گرمانے کی کوشش کی مگر لاحاصل۔ جسدِ اطہر میں گرمی پیدا ہوئی نہ نبض ہی سنبھلی بلکہ جسم زیادہ ٹھنڈا اور نبض زیادہ کمزور ہوتی چلی گئی اور حضور کو پھر ایک دست ہوا جس کی وجہ سے ہم لوگ اوٹ میں ہو گئے واپس پہنچے تو معلوم ہوا کہ حضور کو ایک قے بھی ہوئی اور ضعف اتنا بڑھا کہ حضور چارپائی پر گر گئے۔ سیدنا حضرت اقدس علیہ الصلوۃ والسلام کی اس حالت کو دیکھ کر سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کسی قدر جھک کر حضرت کے حضور عرض کیا "یا اللہ یہ کیا ہونے لگا ہے؟" جس کے جواب میں حضور نے فرمایا: "وہی جو میں آپ سے کہا کرتا تھا"

میرے حضرت کے حضور پہنچنے کے قریباً ایک گھنٹہ بعد حضرت مولوی صاحب کو حضور نے گھر جا کر آرام کرنے کا حکم دیا اور حضرت مولوی صاحب تعمیل ارشاد میں تشریف لے گئے مگر جب حالت زیادہ نازک اور کمزور ہوتی گئی، جسم بجائے گرم ہونے کے اور زیادہ سرد ہوتا گیا تو حضرت مولوی صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کو دوبارہ بلوایا گیا۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب چونکہ شہر میں دور رہتے تھے ان کو بھی آدمی بھیج کر بلوایا گیا اور جب انہوں نے پہنچ کر سلام عرض کیا تو حضور نے جواب کے بعد فرمایا۔

"ڈاکٹر صاحب علاج تو اب خدا ہی کے ہاتھ میں ہے۔ مگر چونکہ رعایت اسباب ضروری ہے وہ بھی کریں۔ مگر ساتھ ہی دعائیں بھی کریں۔" [ڈاکٹر سدر لینڈ پرنسپل میڈیکل کالج لاہور کو بھی جو بہت مشہور ڈاکٹر تھا بلایا گیا۔ مجدد اعظم حصہ دوم ص1209] چنانچہ ڈاکٹروں نے بعض انگریز ماہرین اور سول سرجن کے مشورہ سے انجیکشن کرنے کا فیصلہ کیا جو حضور کے بائیں پہلو کی پسلیوں میں دل کے اوپر کیا گیا۔ باوجود اس کے حضور کو کوئی افاقہ نہ ہوا بلکہ تین بجے رات کے قریب ایک اور دست حضور کو آ گیا جس سے کمزوری اتنی بڑھی کہ ڈاکٹر اور طبیب خود بھی گھبرا گئے۔ دوبارہ ایک پچکاری [انجیکشن] حضور کے اسی پہلو میں اور کی گئی۔ ان پچکاریوں سے حضور کو درد محسوس ہوا جس کی وجہ سے حضرت نے ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو ایسا کرنے سے روکنے کی کوشش بھی فرمائی۔ باوجود اس کے اس مرتبہ بھی پچکاری کر ہی دی گئی۔ مجھے حضرت کی تکلیف سے سخت تکلیف ہوئی اور ڈاکٹر صاحب کی جرأت پر تعجب کہ کس دل سے انہوں نے حضرت کے جسم مبارک میں اتنا لمبا سوا لگایا، خطرہ بجائے کم ہونے کے بڑھتا گیا جس کی وجہ سے حضور کی چارپائی صحن میں سے اٹھوا کر دالان میں شرقاً غرباً چھت کے نیچے بچھائی گئی اور خاندان کے اراکین کو بلوایا گیا۔ صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سلمہ ربہ، ہمارے موجودہ خلیفۃ المسیح الثانی کے اہل بیت حرم اوّل رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس شب اپنے والد بزرگوار حضرت ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب مرحوم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آبائی مکان واقعہ پتھراں والی حویلی میں تشریف فرما، ان کو وہاں سے خود حضرت صاحبزادہ صاحب والا تبار جا کر لے آئے اور حضرت نواب صاحب قبلہ کو ان کی کوٹھی سے راتوں رات بلوا لیا گیا۔

نیند رات بھر حضرت کو بالکل نہ آئی البتہ انتہائی ضعف اور کمزوری کے باعث کبھی کبھی خاموش اور بالکل بے حس و حرکت پڑے رہتے تھے۔ نبض ڈھونڈے سے نہ ملتی تھی حتّٰی کہ ایک مرتبہ تو یہی سمجھا گیا کہ حضور کا وصال ہو گیا جس کی وجہ سے سب پر سکتہ چھا گیا مگر وقفہ سے پھر کسی قدر حرکت اور اضطراب و گھبراہٹ ہونے لگی۔ سیدۃ النساء حضرت اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نہ صرف یہ کہ رات بھر آنکھوں میں کاٹی بلکہ حضرت کی خدمت اور دوائی درمن کے علاوہ بار بار نہایت ہی اضطراب اور بیقراری میں خدا کے حضور گر گر کر عاجزی و تضرّع سجدات میں بھی اور بیٹھے، کھڑے یا چلتے پھرتے بھی دعاؤں اور التجاؤں ہی میں گزاری۔ جزع فزع یا شکوہ شکایت کی بجائے ہمت و استقلال اور تحمل و وقار ہمرکاب اور شامل حال نظر آتا تھا۔ اور نہ صرف خود سنبھلتے بلکہ اوروں کو بھی سنبھالتے تھے اور خاندان کی بیگمات، معصوم شہزادیوں اور بچوں کو پیار کرتے اور تسلیاں دیتے تھے۔ خاندان کے تمام اراکین حضور کی چارپائی کے سرہانے کی طرف کھڑے دعاؤں میں لگے ہوئے تھے۔ سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سلمہٗ ربہ موجودہ خلیفۃ المسیح الثانی، قبلہ حضرت نانا جان، قبلہ حضرت نواب صاحب اور شہزادے سبھی حضور کے گرد مختلف رنگ میں خدمات بجالاتے، خدا سے دعائیں کرتے اور گڑ گڑاتے ہی نظر آتے تھے۔ سیدۃ النساء حضرت اُمّ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد حضور پُر نُور کے دہن مبارک میں گلاب کیوڑہ یا شہد وغیرہ ڈالتے اور کہتے ”اے خدا میری عمر بھی ان کو دے دے، ان کو مدتوں تک زندہ سلامت رکھ تا تیرے دین کی زیادہ سے زیادہ خدمت کر سکیں۔“ یہ اور اسی قسم کی مختلف دعائیں سیدۃ طاہرہ یَاحَیُّ یَاقَیُّوم کے نام کے واسطہ سے ایسے دردناک اور پُرسوز لہجہ میں کرتی تھیں جن کے اثر سے کلیجہ پھٹا جاتا تھا۔ اور بات برداشت سے باہر ہوئی جارہی تھی۔ حضرات صاحبزادگان والاتبار بھی اپنی جگہ اپنے رنج و غم اور درد و الم پر قابو پائے، ضبط کئے، بحالت کظم یاد الٰہی اور دعاؤں میں مصروف تھے اور ایسا معلوم دیتا تھا کہ ان کی نظریں اس دنیا سے نکل کر کسی دوسرے عالم کی طرف اٹھ رہی ہیں اور ان کے عزائم کسی پروگرام کی تیاری میں مصروف اور وہ اپنے خدا سے کوئی نئے عہد و پیماں باندھ رہے ہیں۔

نماز فجر کی ادائیگی

دور کہیں صبح کی اذان ہوئی جس کی بالکل دھیمی سی آواز ہمارے کانوں نے محسوس کی اور ساتھ ہی سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے باوجود انتہائی کمزوری و ضعف اور باوجود شدت کرب خود دریافت فرمایا: ”کیا صبح ہو گئی یا اذان ہو گئی ؟“

میں نے عرض کیا۔ حضور اذان ہو گئی۔ جس پر حضور پُر نور نے تیمم کی غرض سے ہاتھ بڑھائے۔ کوئی صاحب مٹی کی تلاش میں نکلے مگر حضور نے بستر کے کپڑے ہی پر ہاتھ مار کر تیمم کیا اور پھر کافی دیر تک نماز ہی میں مصروف رہے۔

اگرچہ جس وقت سے حضور بیمار ہوئے اور میں حاضر خدمت ہوا۔ میرے کان آشنا ہیں۔ میرا دماغ محفوظ رکھتا ہے اور دل اس بات کے اظہار میں بے حد لذت محسوس کرتا ہے کہ بیماری کی تکلیف اور سختی کے اوقات میں بھی حضور کی زبان مبارک سے میں نے "ہائے۔ وائے۔ میں مر گیا۔ یہ ہو گیا وہ ہو گیا" کے نازیبا اور بے صبری کے الفاظ میں سے قطعاً قطعاًنہ صرف یہ کہ کوئی ایک لفظ بھی نہ سنا بلکہ کوئی ایسی خفیف سی حرکت بھی میں نے دیکھی، نہ محسوس کی۔ اور جو کچھ دیکھا، سنا، یا محسوس کیا وہ سر تا پا نور اور کلیۃً نورٌ علٰی نور، روح پرور، ایمان افزا اور سبق آموز ہی تھا۔ شدت کرب اور انتہائی تکلیف کے اوقات میں بھی حضور متواتر، مسلسل اور بلا وقفہ ذکر الٰہی اور یاد خدا میں رطب اللسان تھے اور نہایت ہی صبر کے ساتھ تسبیحی کلمات شکر بجالاتے ہوئے ان تکالیف کو برداشت کرتے رہے۔ جزع فزع یا بے حوصلگی و گھبراہٹ کی کوئی چھوٹی سے چھوٹی حرکت بھی میں نے نہ دیکھی بلکہ پورے وقار اور رضا کا مقام حضور کو میسر تھا۔ وہ نور نبوت اور روحانی چمک جو شدت امراض یا مشکلات کے گھٹاٹوپ اوقات میں بھی حضور کے چہرۂ انور پر موجود رہا کرتی تھی اور جس کو میں نے حضور کی جبینِ مبارک سے کبھی جدا ہوتے نہ دیکھا تھا۔ آج بھی برابر حضور کے رخسار اور جبین مبارک پر قائم و سلامت نظر آرہی تھی اور حضور کی روشن و درخشاں پیشانی پر کسی بل یا شِکن کا کوئی اثر بھی نہ تھا۔ حضور کو علم تھا کہ خدائی وعدوں اور الٰہی وحیوں کے پورا ہونے کے سامان ہو رہے ہیں مگر باوجود اس کے نہ صرف یہ کہ حضور کو بے چینی و بیقراری یا اضطراب نہ تھا بلکہ حضور کو ایک اطمینان و سکون حاصل تھا۔ حضور کا دل وصال کی لذت میں اور زبان ذکر کے ترانوں میں مشغول یہی کہہ رہی تھی۔

"اے میرے خدا! اے میرے پیارے اللہ اور اے میرے پیارے اور پیارے کے پیارے خدا! سُبْحَانَ اللہ، اَلْحَمْدُ للہ، یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ" یہی ذکر تھا اور یہی ورد جس کی لذت و سرور میں حضور پر بیماری کی تکالیف اور اضطراب و کرب ہیچ اور بے اثر تھے اور اگرچہ بتقاضائے بشریت حضور کے اعضاء طبعی اور اضطراری حرکات کر رہے تھے مگر حضور کا دل اپنے آقا کی یاد میں محو و مطمئن اور روح اس کے وصال کے لئے پرواز شوق میں مصروف تھی۔ حضور کے چہرۂ مبارک پر اطمینان اور سکون کے ساتھ اَنوارِ الٰہیہ کے آثار نمایاں تھے۔ خاندان نبوت کے علاوہ اور بھی بہت سے دوست حضور کی علالت کی خبر پاکر جمع ہو رہے تھے۔ چارپائی کے گرد ایک ہجوم حلقہ باندھے کھڑا دعاؤں میں مصروف قدرت الٰہی اور بے نیازی کا رنگ دیکھ رہا تھا۔ اس بڑھتے ہوئے ہجوم کو انتظام و ترتیب میں لاکر سبھی خدام کو خدمت و قربت کا موقعہ بہم پہنچانے کی غرض سے پہرہ کا انتظام کیا گیا۔ اور باری باری چند چند دوستوں کو موقعہ زیارت اور شرف خدمت دیا جاتا تھا۔ سورج نکل کر بلند ہو چکا تھا۔ دھوپ میں شدت اور تیزی پیدا ہو چکی تھی۔

آخری تحریر

قریباً 9 بجے کا وقت ہو گا [آٹھ یا ساڑھے آٹھ بجے اور ایک روایت کے مطابق ساڑھے سات بجے۔ تاریخ احمدیت جلد 2 ص 541] کہ حضور کی بڑھتی ہوئی کمزوری اور حالت کی نزاکت کے مد نظر پوچھا گیا۔ جس پر ہمارے آقاء نامدار فداہ روحی نے کچھ اشارہ کیا جسے سمجھ کر قلم دوات اور کاغذ حضرت کے حضور پیش ہوا اور حضور نے کچھ لکھنے کی کوشش کی مگر ضعف و نقاہت کا یہ عالم تھا کہ بہت تھوڑا لکھا جا سکا۔ اور قلم حضور کا پھسل گیا۔ حضور نے قلم اور کاغذ چھوڑ دیا۔ جس کے پڑھنے کی کوشش کی گئی مگر ناکام۔ آخر مکرمی میر مہدی حسین صاحب کو دیا گیا کیونکہ ان کو حضرت کے دست مبارک کی تحریر کے پڑھنے کی زیادہ اور تازہ مشق تھی۔ چنانچہ میر صاحب محترم نے جو کچھ پڑھا وہ یہ تھا۔ "تکلیف یہ ہے کہ آواز نہیں نکلتی۔ دوائی پلائی جائے۔"

اور وہ فرماتے ہیں کہ مجھے اس بات پر اس طرح یقین ہے جس طرح آیات قرآنی پر۔ کہ بالکل یہی الفاظ حضور نے تحریر فرمائے تھے مگر انجام کار چونکہ میری یاد میں اس کاغذ کا محترم حضرت پیر جی منظور محمد صاحب کے پاس پہنچنا تھا لہٰذا میں اس مرحلہ پر صاحب ممدوح کی خدمت میں حاضر ہوا تا اس مقدس دستاویز کے متعلق معلوم کروں۔ تو حضرت پیر صاحب نے جو کچھ فرمایا وہ یہ تھا کہ

تکلیف یہ ہے کہ آواز نہیں نکلتی...... حلق...... علاج کیا جائے...... پہلا حصہ جس پر دونوں بزرگوں کا اتفاق ہے "تکلیف یہ ہے کہ آواز نہیں نکلتی۔" بہر حال مسلّم ہے اور مجھے بھی پوری طرح سے یہی یاد ہے۔ اگلے حصہ کے متعلق میری یاد یہی تھی کہ وہ قیاسی تھا۔

ایک حنائی رنگ کے کاغذ پر حضور نے حسب عادت اسے تہ کر کے صرف دو چھوٹی چھوٹی سطریں لکھیں۔ یہ کاغذ حضرت کے ہاتھ سے ڈاکٹر نور محمد صاحب نے لیا اور وہی اس حالت میں سب سے پیش پیش تھے اور انہی کے بار بار کے تقاضا و اصرار پر حضرت نے کاغذ پر کچھ لکھا تھا۔ پہلے خود ڈاکٹر صاحب نے پڑھنے کی کوشش کی۔ ان سے اوروں نے لیا اور پڑھنے کی کوشش کی مگر جب دیکھا کہ کسی سے بھی پوری تحریر حضور کی پڑھی نہیں گئی تو مکرمی میر مہدی حسین صاحب کو دے کر پڑھوانے کی کوشش کی کیونکہ وہ حضرت کی طرزِ تحریر سے زیادہ واقف سمجھے گئے کچھ انہوں نے پڑھا۔

[حضرت نواب محمد علی خان صاحب جو کہ صبح پانچ بجے پہنچ گئے تھے وہ اپنی ڈائری میں تحریر کرتے ہیں: "کوئی ساڑھے سات بجے اٹھ کر بیٹھے اور قلم دوات منگوائی اور ایک پرچے پر لکھا جو باہر جا کر پڑھا تو یہ لکھا تھا کہ تکلیف یہ ہے کہ آواز نہیں نکلتی۔" اتنا حصہ صاف پڑھا گیا چونکہ اتفاق سے سیاہی خراب اس پر قلم بھی خراب نیچے رکھنے کے لئے

چیز بھی جلدی میں دی گئی تھی آخری نصف سطر نہ پڑھی گئی۔ اصحاب احمد جلد 2 ص 606] اور آخر کار وہ دستاویز جو حضور پُرنور کی آخری دستی تحریر تھی۔ قبلہ حضرت پیر جی منظور محمد صاحب مصنف وموجد قاعدہ یسرنا القرآن کے ہاتھ آئی اور چونکہ وہ بھی سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریر کے پڑھنے کا خاص ملکہ ومہارت رکھتے تھے، انہوں نے پڑھا اور جو کچھ انہوں نے پڑھا وہ بھی اوپر درج کیا گیا ہے۔ مجھے یاد تھا کہ وہ کاغذ مبارک حضرت پیر صاحب موصوف ہی کے پاس ہے چنانچہ میں اسی خیال سے ان کی خدمت میں حاضر ہوا کہ وہ کاغذ حاصل کر کے اس کا عکس اتروالوں مگر صاحب ممدوح نے بتایا کہ وہ کاغذ مبارک پانچ ماہ تک میرے پاس رہا اس کے بعد سیدۃ النساء حضرت ام المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے مجھ سے منگا لیا تھا۔ اب انہی کے پاس ہو گا۔

ڈاکٹر صاحبان نے اس مرحلہ پر ایک اور انجکشن کرنے کا فیصلہ کیا جو اسی طرح چھاتی کے بائیں جانب دل کی حرکت ظاہر کرنے والے مقام کے اوپر ہوا جس کے ساتھ گرم پانی میں ملا ہوا نمک بھی استعمال کیا گیا حضور نے بالکل اطمینان سے یہ انجکشن کرا لیا۔ کوئی گھبراہٹ، درد یا اضطراب ظاہر نہیں ہوا۔ اس وقت بھی حاضرین نے ڈاکٹروں کے اس عمل کو ناپسند کیا کہ کیوں حضور کو اس حال میں تکلیف دیتے ہیں مگر کوئی افاقہ نہ ہوا۔ اور بجائے فائدہ و آرام ہونے یا طاقت و قوت آنے کے حضور کی کمزوری بڑھتی گئی اور نقاہت غلبہ ہی پاتی گئی۔ سیدنا حضرت نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو حسب عادت سر ڈالے ایک طرف بیٹھے دعائیں کر رہے تھے اس موقعہ پر اٹھ کر خواجہ کمال الدین صاحب کے مکان کی ایک تنہا کوٹھڑی میں کھٹولے پر جا بیٹھے۔ حضرت پیر جی منظور محمد صاحب بھی حضرت کے پیچھے ہی پیچھے گئے اور حضرت کی طبیعت کے متعلق سوال کیا جس پر حضرت نورالدین نے جو فرمایا وہ یہ تھا کہ "ایسی بیماری کے مریض کو میں نے تو بچتے کبھی نہیں دیکھا۔"

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حالت لحظہ بلحظہ زیادہ کمزور، زیادہ نازک اور نڈھال ہوتی جا رہی تھی۔ خاندان نبوت کے مرد و زن چھوٹے بڑے سبھی جمع تھے اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنہ کے واسطے دے دے کر دعا، تضرّع اور ابتہال میں مشغول تھے۔ سیدۃ النساء حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا بے قرار ہو ہو کر پکار رہی تھیں۔ "اے میرے خدا! اے ہمارے پیارے اللہ! یہ تو ہمیں چھوڑے جاتے ہیں پر تُو ہمیں نہ چھوڑیو۔"

سیدنا صاحبزادہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد سلمہٗ ربہ، ہمارے موجودہ امیر المومنین حضرت خلیفۃ المسیح الثانی آنکھیں بند کئے ایک عزم مقبلانہ لئے یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ۔ یَاحَیُّ یَاقَیُّوْمُ کہہ کہہ کر ہمیشہ ہمیش باقی رہنے والی ذات والا صفات سے دعاء والتجاء اور راز و نیاز میں مصروف تھے۔ اور یہ تو وہ بعض الفاظ ہیں جو ہمارے کانوں میں پڑ گئے اور یاد بھی رہ گئے ورنہ خاندان کے سارے ہی اراکین بڑے بوڑھے، بیگمات اور شہزادے شہزادیاں اپنی اپنی جگہ بڑے ہی

الحاح اور عجز وانکسار سے ذکر الٰہی، یاد خدا اور دعا و التجاء میں مصروف تھے۔ تسبیح و تہلیل اور ذکر و اذکار کی ایک گونج تھی جس سے جَوّ بھرا معلوم دیتا اور فضا گونج رہی تھی۔ ان مقدسین کے دل و دماغ میں کیا عزائم، کیا ارادے یا کیا کیا پاک خیالات تھے اور ان میں سے ہر ایک اپنے خدا سے کس کس رنگ میں راز و نیاز اور قول و قرار باندھنے میں مصروف تھا۔

کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

وہ خود ہی بیان کریں تو علم ہو یا پھر ان کا خدا اظہار کرے تو پتہ چلے ورنہ ہم لوگ تو ان عزائم و خیالات کی گرد کو بھی پہنچنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ لَا رَیْبَ ان کے چہرے ان کے عزائم اور ارادوں کے آئینہ دار تھے مگر ان کا پڑھنا یا سمجھنا ہر کسی کا کام نہ تھا۔

خدام بھی پروانوں کی طرح اس نور الٰہی اور شمع ہدایت کے گرد جمع تھے اور ہر ایک اپنے اپنے رنگ میں مصروف دعا الٰہی جبروت اور شان بے نیازی کو دیکھ رہا تھا۔ حالت حضور کی اس مرحلہ پر پہنچ چکی تھی کہ خواتین مبارکہ اور صاحبزادگان والاتبار کے علاوہ خدام و غلاموں کی نظریں حضور کے چہرۂ مبارک پر ہی گڑ رہی تھیں۔ محترم حکیم محمد حسین صاحب قریشی اور حافظ فضل احمد صاحب حالت کی نزاکت محسوس کر کے خود بخود حضرت اقدس کی چارپائی کے پاس بیٹھے سورہ یٰسٓ پڑھتے رہے۔ حضور کے قلب مبارک کی حرکت جو کرب کی وجہ سے پہلے تیز تھی ہلکی پڑنے لگی مگر تنفس میں سُرعت اور بے قاعدگی شروع ہو گئی اور ساتھ ہی لب ہائے مبارک کی جنبش جس سے ہم اندازہ کرتے تھے کہ حضور پُرنور اس حال میں بھی ذکر الٰہی میں مصروف ہیں، میں بھی وقفے ہونے لگے۔ اور ہوتے ہوتے بالکل بے ساختہ اور نہایت ہی بے بسی کے عالم میں میرے مونہہ سے کسی قدر اونچے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ نکل گیا کیونکہ میں نے حضور کے آخری سانس کی حرکت کو بند ہوتے محسوس کر لیا تھا اور اس کے ساتھ ہی ہر طرف سے اس مصیبت عظیمہ پر رضاء و تسلیم کے اظہار کے طور پر اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ کی درد بھری ندا بلند ہو گئی۔ اس وقت کم و بیش پچاس ساٹھ خدام اور خاندان نبوت کے اراکین و خواتین مبارکہ حضور پُرنور کے پلنگ کے گرد جمع ہوں گے۔ حضور کی روح اطہر تو اس قفس عنصری سے پرواز کر کے واصل بحق ہو کر اپنے محبوب حقیقی سے جا ملی اور اس طرح

جلد آ پیارے ساقی اب کچھ نہیں ہے باقی
دے شربت تلاقی حرص و ہوا یہی ہے

اپنے مقصد اصلی کو پا کر ابدی حیات، سچی راحت اور مقام رضاء و محمود پر سب سے اونچے بچھائے گئے تخت پر جا متمکن ہوئی مگر حضور کے غلام بحالت یُتم بالکل اس شیر خوار بچے کی مانند بلبلاتے اور سسکیاں لیتے نہایت ہی قابل رحم حالت میں رہ گئے جو بالکل چھوٹی عمر میں مہر مادری سے محروم کر دیا گیا ہو اور نقشہ اس وقت کا اس کی سچی کیفیت کے ساتھ الٰہی کلام ”اس دن سب پر اداسی چھا جائے گی“ کے بالکل مطابق تھا۔

منگل کا دن 26 مئی 1908 مطابق 24 ربیع الثانی 1326 ہجری المقدس دس اور ساڑھے دس بجے دن کے درمیان کا وقت۔" (تتمہ سیرت المہدی جلد 2 ص 409-418)

آخری الفاظ: وہ الفاظ جن پر حضرت اقدس علیہ السلام اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملے یہ تھے:

"اے میرے پیارے۔اے میرے پیارے۔اے میرے پیارے اللہ، اے میرے پیارے اللہ"

(الحکم جلد 15 نمبر 19، مؤرخہ 21 مئی 1911ء، ص 24، ملفوظات جلد 10 ص 695)

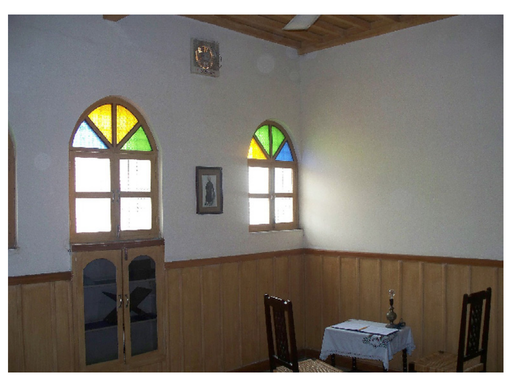
کمرۂ وفات

حضرت اقدس علیہ السلام وفات کے وقت محترم ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکان میں مقیم تھے۔ اوراسی مکان کے ایک کمرے میں آپؑ کی وفات ہوئی۔ البتہ وہ کمرہ اب اصلی حالت میں محفوظ نہیں۔ جیسا کہ اسی گھر میں بعد میں ایک لمبا عرصہ مقیم رہنے والے محترم ناصر احمد صاحب اپنی ایک کتاب میں لکھتے ہیں:

"ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب کے مکانات پر احمدیہ مارکیٹ نمبر 1 اور فلیٹ تعمیر ہوگئے ہیں۔ اس عمارت میں سڑک کی جانب جہاں حضرت مسیح موعودؑ کا وصال ہوا تھا۔ 1965ء میں ایک یادگاری کمرہ تعمیر ہوا۔ نادر منزل اور اس سے ملحقہ عمارت پر احمدیہ مارکیٹ نمبر 2 اور فلیٹس تعمیر ہوئے ہیں۔ نماز جمعہ کے لئے یہ انتظام تھا کہ احمدیہ بلڈنگس لاہور میں جہاں اب احمدیہ مسجد واقع ہے وہاں اس وقت میدان ہوتا تھا۔ یہاں شامیانہ لگا کر اور دریاں بچھا کر نماز جمعہ ادا ہوا کرتی تھی۔"

(حضرت مرزا غلام احمد قادیانی بانی سلسلہ احمدیہ کے لاہور میں آخری قیام اور وفات کے مختصر حالات از ناصر احمد، ص 10-3 و ص 27)

خاکسار اس کتاب کے مصنف سے 2025ء اور اس سے چند سال قبل اپنے کچھ ساتھیوں کے ساتھ دو مرتبہ ملا ہے۔ اور تفصیل سے احمدیہ بلڈنگز کی بابت سوالات کئے چونکہ یہ انہوں نے اچھا خاصا عرصہ اسی گھر میں مقیم





کمرۂ وفات

رہے تھے اس لئے انہیں بہت کچھ یاد تھا۔ انہوں نے خاکسار کو یہ بھی بتایا تھا کہ جب ساری بلڈنگ گرادی گئی تو کسی نے یہ توجہ دلائی کہ وہ کمرہ جس میں حضور علیہ السلام کی وفات ہوئی تھی وہ قائم رہنا چاہیے تھا۔ چنانچہ اس وقت کے امیر جماعت لاہور محترم مولوی صدرالدین صاحب اس جگہ پر تشریف لائے اور نشان لگوایا کہ اس جگہ ایک کمرہ الگ سے بنادیا جائے۔ یعنی ایک اندازے سے دوبارہ ایک نیا کمرہ یادگار کے طور پر تعمیر کر دیا گیا۔

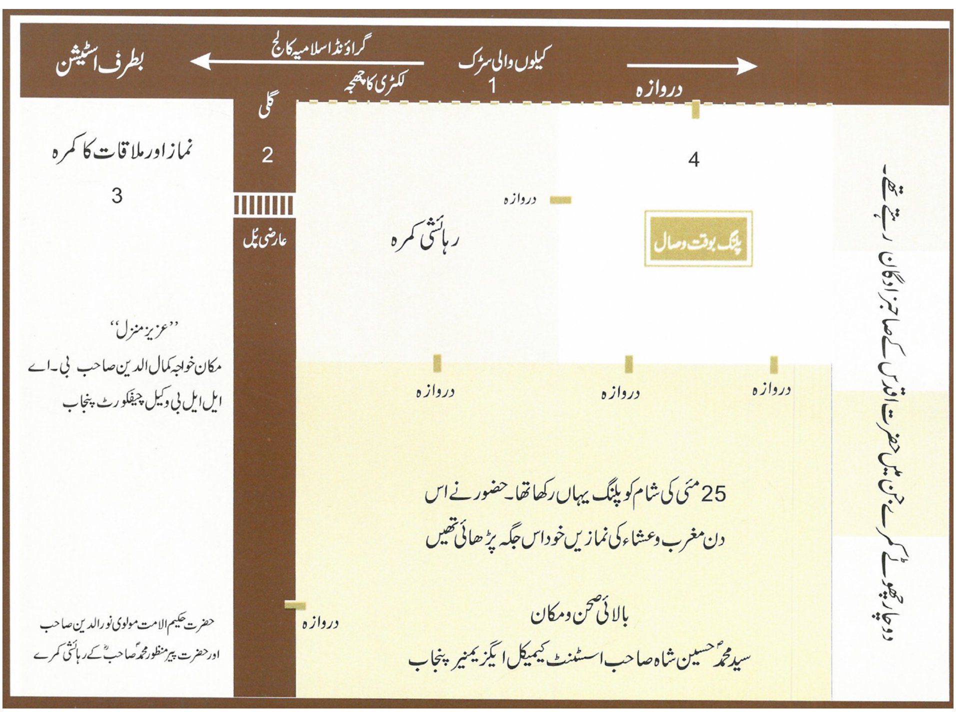
حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ نے مؤلف ''تاریخ احمدیت'' کے نام اپنے مکتوب میں تحریر فرمایا:

''اس مکان کا نقشہ اور ایک ایک جگہ مجھے خوب یاد ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آخری سفر لاہور میں قیام فرمایا اور جہاں آپ کا وصال ہوا۔ مگر نقشہ میں ٹھیک تحریر نہیں کر سکتی کسی وقت ربوہ آنے پر حضرت منجھلے بھائی صاحب کے سامنے آپ کو بتلا سکتی ہوں انشاء اللہ تعالیٰ۔

جہاں کیلوں والی سڑک پر ہماری گاڑی کھڑی ہوتی تھی جنوب کی جانب وہاں لکڑی کی سیڑھی چڑھ کر ہم اوپر جاتے تھے اور داخل ہوتے ہی سامنے جو دو کمرے تھے ان میں دائیں ہاتھ کے کمرے میں حضرت اقدس کا دن میں قیام رہتا تھا اور دوسرا کمرہ جس میں آخری وقت چارپائی تھی یہ خالی تھا مگر اس میں آپ ٹہلتے بھی تھے اور گزرگاہ یہی تھا اسی سے صحن میں جانا ہوتا تھا یا باہر سے آکر بھی اسی کمرے میں سے گزرنے کا راستہ تھا۔ نقشہ میں چارپائی کی جگہ بالکل ٹھیک ہے مگر ذرا نیچے ہٹ کر تھی یعنی صحن کی جانب دیوار کے قریب لیکن کمرہ کے وسط میں قریباً اسی کمرہ کے سرہانے کی جانب (مغرب میں) ایک چھوٹے چھوٹے کمروں کا سلسلہ تھا۔ دو تین یا شاید چار ہوں۔ ان میں حضرت بڑے بھائی صاحب اور منجھلے بھائی صاحب وغیرہ رہتے تھے۔ ان کے سامنے چھجے بھی تھے۔ ایک دو نقشہ میں جو کمرہ ہے جس میں چارپائی آپ کی وقت وصال دکھائی ہے اسی کے ساتھ صحن میں آپ رات کو سوتے تھے اور کمرے کے قریب کے رخ پلنگ تھا جس وقت آپ علیل ہوئے۔ صحن سے ہی راستہ جاتا تھا جہاں سے آپ نیچے نماز کو تشریف لے جاتے تھے۔ اسی راستہ کے دائیں ہاتھ پر کمرے تھے جن میں حضرت خلیفہ اول اور پیر منظور محمد صاحب رہتے تھے۔ اگر کوئی مجھے اس گھر میں اسی رخ لے جائے اور وہ صحن وہ کمرے اسی حالت میں ہوں تو ایک ایک جگہ ٹھیک بتا سکتی ہوں۔ آپ وسط صحن میں بستر پر بیٹھ کر آخری شام دیر تک مضمون لکھتے رہے تھے۔ آپ کے چہرہ مبارک پر ایک خاص جوش اور ایک خاص سرخی تھی اور قلم معمول سے زیادہ تر تیز تھا۔ مجھے اس وقت آپ کے بیٹھ کر اس انہماک اور تیزی کے لکھنے پر اپنا خواب یاد آیا تھا جو میں آپ کو سنا چکی تھی اور وہم آیا جس کو بار بار دل سے دور کرنے کی کوشش کی تھی۔ یہی خیال تھا

کہ اس خواب میں آپ اسی طرح بستر پر بیٹھے اسی رنگ میں لکھ رہے تھے۔ میں نے لاہور آنے سے کچھ عرصہ ہی پہلے خواب دیکھا تھا کہ میں نیچے اپنے صحن میں ہوں **اور گول کمرہ کی طرف جاتی ہوں تو وہاں بہت سے لوگ ہیں جیسے کوئی خاص مجلس ہو اور مولوی عبدالکریم صاحب دروازے کے پاس آئے اور مجھے کہا۔ بی بی جاؤ ابّا سے کہو کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ تشریف لے آئے ہیں آپ کو بلاتے ہیں۔ میں اوپر گئی اور دیکھا کہ پلنگ پر بیٹھے ہوئے حضرت مسیح موعود بہت تیزی سے لکھ رہے ہیں اور ایک خاص کیفیت آپ کے چہرہ پر ہے۔ پُر نور اور پُر جوش۔ میں نے کہا کہ ابّا مولوی عبدالکریم کہتے ہیں رسول کریمؐ صحابہ کے ساتھ تشریف لائے ہیں اور آپ کو بلا رہے ہیں۔ آپ نے لکھتے لکھتے نظر اٹھائی اور مجھے کہا کہ جاؤ کہو " یہ مضمون ختم ہوا اور میں آیا۔ " ٹھیک یہی الفاظ تھے اور وہی نظارہ میرے آنکھوں میں اس آخری شام کو پھر آگیا۔ "**

(تحریرات مبارکہ ص 72 تا 74)



نقشہ مقام وصال سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد دوم صفحہ 545)

نعش مبارک کا لاہور سے قادیان لایا جانا، آخری زیارت

اس سانحہ ارتحال اور محبوب الٰہی کے وصال کی اطلاع آن واحد میں جہاں شہر بھر میں پھیل گئی وہاں خبر رساں ایجنسیوں، پرائیویٹ خطوط، اخباروں اور تاروں بلکہ ریل گاڑی کے مسافروں کے ذریعہ ہندوستان کے کونہ کونہ بلکہ اکناف عالم میں بجلی کی کوند کی طرح پھیل گئی اور اس اچانک حادثہ کی وجہ سے بعض ایسے مقامات کے احمدیوں نے تو اس اطلاع کو معاندانہ پراپیگنڈا یا جھوٹ و افتراء کے خیال سے تسلیم کرنے سے انکار کر دیا جو دور دراز اور علیحدہ تھے...

حضرت امّ المؤمنینؓ نے جس صبر اور رضا بالقضاء کا نمونہ دکھایا اور جس طرح خاندان بھر کی دردمند اور رنجور و غمزدہ بیگمات کو سنبھال کر انہیں ڈھارس دی۔ سیدہ طاہرہ کا وہ نمونہ مردوں کے لئے بھی مشعل راہ بنا۔

(تتمہ سیرت المہدی جلد2 ص418-419)

اندر بعض مستورات نے رونا شروع کیا تو آپؓ (اُمّ المومنینؓ) نے ان عورتوں کو بڑے زور سے جھڑک دیا اور کہا میرے تو خاوند تھے میں نہیں روتی تم رونے والی کون ہو۔ یہ صبر و استقلال کا نمونہ ایک ایسی پاک عورت سے جو ناز و نعمت میں پلی ہو اور جس کا ایسا روحانی بادشاہ اور ناز اٹھانے والے مقدس خاوند انتقال کر جائے، ایک زبردست اعجاز تھا۔ یہی نہیں۔ حضرت امّ المومنینؓ نے حضور علیہ السلام کی وفات کے وقت یا اس کے تھوڑی دیر بعد اپنے بچوں کو جمع کیا اور صبر کی تلقین کرتے ہوئے انہیں نصیحت بھی فرمائی کہ:

”بچو گھر خالی دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ابا تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑ گئے انہوں نے آسمان پر تمہارے لئے دعاؤں کا بڑا بھاری خزانہ چھوڑا ہے جو تمہیں وقت پر ملتا رہے گا۔“ (تاریخ احمدیت جلد2 ص547۔548)

سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے جس عزم و استقلال سے اس مصیبت کے پہاڑ کو برداشت کیا اور مقام شکر پر نہ صرف خود قائم رہے بلکہ جماعت کے قیام کا بھی موجب بنے وہ آپ کی اولوالعزمی اور کوہ وقاری کی ایک زندہ اور بے نظیر مثال تھی۔

عظیم الشان عہد

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس وقت کے ایک اور واقعہ اور **ایک عظیم الشان عہد** کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

”حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جب فوت ہوئے تو میں نے اس قسم کی آوازیں سنیں کہ آپ کی وفات بے وقت ہوئی ہے ایسا کہنے والے یہ تو نہیں کہتے تھے کہ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ آپ جھوٹے ہیں مگر یہ کہتے تھے کہ آپ

کی وفات ایسے وقت میں ہوئی ہے جبکہ آپ نے خدا تعالیٰ کا پیغام اچھی طرح نہیں پہنچایا اور پھر آپ کی بعض پیشگوئیاں بھی پوری نہیں ہوئیں۔ میری عمر اُس وقت اُنیس سال کی تھی۔ میں نے جب اِس قسم کے فقرات سنے تو میں آپ کی لاش کے سرہانے جا کر کھڑا ہو گیا اور مَیں نے خدا تعالیٰ کو مخاطب کرتے ہوئے دعا کی کہ اے خدا! یہ تیرا محبوب تھا جب تک یہ زندہ رہا اس نے تیرے دین کے قیام کے لئے بے انتہاء قربانیاں کیں اب جبکہ اس کو تُو نے اپنے پاس بلا لیا ہے لوگ کہہ رہے ہیں کہ اس کی وفات بے وقت ہوئی ہے ممکن ہے ایسا کہنے والوں یا ان کے باقی ساتھیوں کے لئے اس قسم کی باتیں ٹھوکر کا موجب ہوں اور جماعت کا شیرازہ بکھر جائے اس لئے اے خدا! میں تجھ سے یہ عہد کرتا ہوں کہ اگر ساری جماعت بھی تیرے دین سے پھر جائے تو میں اس کے لئے اپنی جان لڑا دوں گا۔ اُس وقت میں نے سمجھ لیا تھا کہ یہ کام میں نے ہی کرنا ہے اور یہی ایک چیز تھی جس نے 19 سال کی عمر میں ہی میرے دل کے اندر ایک ایسی آگ بھر دی کہ میں نے اپنی ساری زندگی دین کی خدمت پر لگا دی اور باقی تمام مقاصد کو چھوڑ کر صرف یہی ایک مقصد اپنے سامنے رکھ لیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام جس کام کے لئے تشریف لائے تھے وہ اب میں نے ہی کرنا ہے۔ وہ عزم جو اُس وقت میرے دل کے اندر پیدا ہوا تھا آج تک میں اُس کو نت نئی چاشنی کے ساتھ اپنے اندر پاتا ہوں اور وہ عہد جو اُس وقت میں نے آپ کی لاش کے سرہانے کھڑے ہو کر کیا تھا وہ خضرِ راہ بن کر مجھے ساتھ لئے جاتا ہے ۔میرا وہی عہد تھا جس نے آج تک مجھے اس مضبوطی کے ساتھ اپنے ارادہ پر قائم رکھا کہ مخالفت کے سینکڑوں طوفان میرے خلاف اُٹھے مگر وہ اس چٹان کے ساتھ ٹکرا کر اپنا ہی سر پھوڑ گئے جس پر خدا تعالیٰ نے مجھے کھڑا کیا تھا اور مخالفین کی ہر کوشش، ہر منصوبہ اور ہر شرارت جو انہوں نے میرے خلاف کی وہ خود انہیں کے آگے آتی گئی اور خدا تعالیٰ نے اپنے خاص فضل کے ساتھ مجھے ہر موقع پر کامیابیوں کا منہ دکھایا یہاں تک کہ وہی لوگ جو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے وقت یہ کہتے تھے کہ آپ کی وفات بے وقت ہوئی ہے آپ کے مشن کی کامیابیوں کو دیکھ کر انگشت بدنداں نظر آتے ہیں۔ پس جو شخص یہ عہد کر لیتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ یہ کام میں نے ہی سرانجام دینا ہے اُس کے رستہ میں ہزاروں مشکلات پیدا ہوں، ہزاروں روکیں واقع ہوں اور ہزاروں بند اُس کے رستہ میں حائل ہوں وہ ان سب کو عبور کرتا ہوا اس میدان میں جا پہنچتا ہے جہاں کامیابی اس کے استقبال کے لئے کھڑی ہوتی ہے۔ پس ہماری جماعت کے ہر شخص کو یہ عہد کر لینا چاہئے کہ دین کا کام میں نے ہی کرنا ہے اس عہد کے بعد ان کے اندر بیداری پیدا ہو جائے گی اور ہر مشکل ان پر آسان ہوتی جائے گی اور ہر عسر ان کے لئے یسر بن جائے گی ان کو بے شک بعض تکالیف اور مصائب اور آلام سے بھی دوچار ہونا پڑے گا مگر وہ اس میں عین راحت محسوس کریں گے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتا ہے کہ دین کی تکمیل کے لئے صرف تم ہی میرے مخاطب ہو تمہارے صحابہ اس کام میں

حصہ لیں یا نہ لیں لیکن تم سے بہر حال میں نے کام لینا ہے۔یہی وجہ تھی کہ آپ رات دن اسی کام میں لگے رہتے تھے اور آپ کی ہر حرکت اور آپ کا ہر سکون اور آپ کا ہر قول اور ہر فعل اِس بات کے لئے وقف تھا کہ خدا تعالیٰ کے دین کو دنیا میں قائم کیا جائے اور آپ اس بات کو سمجھتے تھے کہ یہ اصل میں میرا ہی کام ہے کسی اور کا نہیں۔“
(قومی ترقی کے دو اہم اصول، انوارالعلوم جلد 19 ص 74-75)

حضرت نواب مبارکہ بیگم صاحبہؓ تحریر فرماتی ہیں:

”آپؑ کی وفات سے دو چار ہی دن پہلے کسی صاحب نے موٹر لا کر کھڑی کی کہ اس پر نئی سواری ہے آپ سیر فرمائیں۔ آپؑ نہیں گئے ہم لوگوں یعنی بچوں کو اور بھابھی جان وغیرہ کو بھجوا دیا تھا۔(ایک روایت کے مطابق آپ بھی اس میں بیٹھے تھے) اس جدائی کی شب آپ نے عشاء یا غالباً عشاء مغرب جمع تھی گھر میں ہی باجماعت ادا کی تھی۔ وہ آخری نماز تھی جو مَیں نے آپؑ کے پیچھے آپ کے قریب پڑھی۔...... میرا پلنگ آپ کے قریب ہوتا تھا کمرے میں۔ اتنا قریب کہ صرف گزرنے کو جگہ ہوتی۔ لاہور میں صحن میں بھی اسی طرح بالکل قریب تھا۔ میری آنکھ کھلی تو حضرت اماں جان کی سخت کرب میں دعائیں اور ”یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ “کی آواز سے کھلی۔ ابھی آپ باہر ہی تھے پھر تو ایک قیامت کا سماں لگتا تھا۔ مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ میں کیا کروں۔ آپ کو اندر لے آئے۔ بستر پر آپ لیٹے تھے۔ ارد گرد ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب وغیرہ سب احمدی حضرت خلیفۃ المسیح الاول بھی سر جھکائے کھڑے تھے۔ اپنی جانب سے تدبیریں ہو رہی تھیں مگر ضعف بڑھتا جا رہا تھا۔ حضرت اماں جان نے اسی گھبراہٹ میں نور محمد ملازم کو دوڑا کر میرے میاں نواب صاحب مرحوم (میرا نکاح تو ہو چکا تھا رخصتانہ آپ کے بعد ہوا) کو بھی بلوا لیا تھا۔ اس وقت کوئی ہوش نہ تھا۔ میں سر پر چادر لے کر کبھی اندر جاتی دیکھتی۔ کبھی باہر آتی۔ حضرت بڑے بھائی صاحب بھی کسی کو بلانے یا کسی کام کو گئے ہوئے تھے۔ جلدی ہی پہنچ گئے مگر ضعف بڑھ رہا تھا۔ اب آپ بول بھی نہ سکتے تھے۔ کچھ لکھنا چاہا تھا غالباً مگر لکھا نہ گیا تھا۔

حضرت بڑے بھائی صاحب خلیفۃ المسیح الثانی رو رو کر دعائیں کر رہے تھے اور حضرت اماں جان بھی۔ میں نے حضرت بھائی صاحب کو یہ کہتے سنا اس کرب میں کہ میں دنیا سے چلا جاؤں مگر یہ مفید وجود رہ جائے۔ آخر لوگوں کی گردنیں جھک گئیں۔ سب رونے لگے حضرت خلیفہ اول کی تو گویا کمر ٹوٹ گئی تھی۔ باہر آکر چارپائی پر جھک کر بیٹھ گئے۔ چہرہ سے ظاہر تھا کہ جیسے اس غمگین شخص کا سب کچھ لٹ گیا ہو۔ میں بھاگ کر اندر چلی گئی۔ حضرت بڑے بھائی میرے بہت پیارے بھائی نے میری گردن میں ہاتھ ڈال کر میرا سر جھکایا کہ آپؑ کو خدا نے بلا لیا۔ اب پیشانی پر بوسہ دو۔ میں نے بوسہ دیا ورنہ جھجکتی رہ جاتی۔ پیارے بھائی کا یہ بھی مجھ پر بڑا احسان ہوا۔ پھر جس جوش سے انہوں نے آپ

کے بستر کے پاس پائنتی کھڑے ہو کر دعائیں اور عہد کیے ہیں وہ ہمیشہ نقش رہیں گے جن کو میں نے نظم کیا ہے چند الفاظ میں صرف۔

میں کروں گا عمر بھر تکمیل تیرے کام کی
میں تیری تبلیغ پھیلاؤں گا بر روئے زمیں

وہ درد میں ڈوبی آواز وہ عزم و شاندار لہجہ یہ معلوم ہوتا تھا کہ یکدم اللہ کی تقدیر وارد ہو جانے کے بعد غم کو ضبط کر رہے تھے اور خدمت دین اور احمدیت کی تبلیغ وغیرہ سب ذمہ داریاں اپنے ذمہ لینے کا عہد کر لیا۔ ایسے بھی الفاظ بولے تھے کہ کوئی ساتھ نہ دے میں اکیلا ہوں جب بھی تیرے ہی کام میں زندگی گزاردوں گا۔ وغیرہ۔

حضرت اماں جان اسی پلنگ پر بیٹھی رہی تھیں جب تک غسل وغیرہ کی تیاری کی وجہ سے اٹھنا نہ پڑا۔ ایک بات اماں جان کی تو حضرت منجھلے بھائی صاحب [حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ۔ ناقل] لکھ چکے ہیں۔ آپ نے فرمایا تھا اس دعاؤں کے وقت کہ اے خدا! اس نے ہمیں چھوڑ دیا مگر تو کبھی ہم کو نہ چھوڑ۔ اور ایک بات اور جو میں نے سنی اور یاد رہی وہ یہ ہے کہ آپ کے جسد مبارک کے پاس بیٹھے ہوئے میں سامنے پٹی کے پاس زمین پر بیٹھی تھی بڑے درد سے بڑے جوش سے آپ نے فرمایا تھا کہ:

”میرے بچو یہ نہ سمجھنا کبھی کہ ہمارے باپ نے ہمارے لیے کچھ نہیں چھوڑا۔ وہ تمہارے لیے بہت بڑا خزانہ دعاؤں کا آسمان پر چھوڑ گیا ہے جو ہمیشہ وقتاً فوقتاً تم کو ملتا رہے گا۔“

یہ ٹھیک الفاظ حضرت اماں جان کے ہیں جو مجھے یاد رہے بالکل ٹھیک۔ پھر تیاری، سامان کا باندھنا، چلنا، قافلہ سالار راہ میں چھوڑ کر اپنے سب سے پیارے کے پاس جا چکا تھا۔ اس کے یتیم اس کی مقدس و مبارک بیوی۔ اس کی عاشق جماعت سب بے سہارے بے سروسامانوں کی طرح ششدر و حیران تھے مگر دل کو اس کی باتیں، اس کی دعائیں، اس کی تسلیاں یاد آکر اس کی اللہ تعالیٰ سے خاص محبت جو دلوں میں بٹھا گیا تھا جو ایمان وہ سکھا گیا تھا تسکین بخشتی تھیں کہ اس کا سچے وعدوں والا خدا ہمارے ساتھ ہے۔ غمِ جدائی کے سوا اور ہمیں کسی قسم کا غم و فکر پاس نہیں آنے دینا چاہیے۔ واقعی یہی کیفیت تھی اور خصوصاً حضرت اماں جان کی رات بھر تڑپ نے اب صابرانہ دعاؤں کی طرف رخ بدل لیا تھا۔ اسباب رکھتے وقت حضرت اماں جان نے فرمایا۔ (میں پاس کھڑی تھی آپ ٹرنک بند کر رہی تھیں) کہ کہتے تھے کہ تین امتحان ہوں گے تمہارے۔ دو تو ہو چکے (مبارک احمد کی وفات اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا وصال) اب تیسرا باقی ہے۔ یہ لفظ سن کر مجھے ہمیشہ وہم رہتا کہ اس وقت چھوٹے بھائی صاحب کے کپڑے رکھ رہی تھیں خدا کرے ان کا غم نہ پہنچے۔ مگر آخر وہ وقت آیا۔ ہجرت قادیان سے ہونا اور حضرت اماں جان کو یہ صدمہ بہت سخت پہنچنا

اور مجھے سب یاد آ گیا اور یقین ہوا کہ وہ تیسرا امتحان حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا فرمودہ یہی تھا۔ جس غمِ جدائی میں کمزور ہوتے ہوتے آپ نے 52ء میں وفات پائی۔" (تحریرات مبارکہ ص276 تا280)

حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحب قادیانیؓ بیان کرتے ہیں:

"میں حضرت مولوی صاحب مولانا نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اطلاع دینے کی غرض سے خواجہ صاحب کے مکان کی اس کوٹھڑی میں پہنچا جہاں ابھی ابھی حضرت ممدوح سیدنا حضرت اقدس کی حالت نزع کو دیکھنے کی تاب نہ لاکر چلے گئے تھے اور تنہائی میں سر نیچے ڈالے دعاؤں میں مصروف تھے۔ میں نے روتے ہوئے سانحہ ارتحال کی اطلاع دی تو فرمایا: "تمہیں اب معلوم ہوا؟ مگر میں تو رات ہی اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا کیونکہ اس مرتبہ جتنا سخت حملہ حضور کو اس مرض کا ہوا اس سے قبل میں نے اتنا سخت حملہ کبھی نہ دیکھا تھا۔" اور فوراً اٹھ کر تشریف لے آئے۔ جبین مبارک پر بوسہ دیا۔ لوگوں کو روتے دھوتے اور غم میں نڈھال دیکھ کر نصیحت فرمائی۔ صبر کی تلقین کی۔ مولوی سید محمد احسن صاحب امروہی بھی اور دوستوں کی طرح مضطرب و بیقرار زار و نزار تھے۔ حضرت مولوی صاحب کی نصیحت سے سنبھلے اور بے ساختہ جوش میں بول اٹھے۔ اَنْتَ الصِّدِّیْق۔ اَنْتَ الصِّدِّیْق۔ اَنْتَ الصِّدِّیْق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد آپ ہی اہل اور احق ہیں کہ جس طرح آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے اسلام کی خدمت کا مقام اور مسلمانوں کی سیادت عطا فرمائی تھی اب حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے رفع الی اللہ کے بعد آپ صدیق اکبر ہو کر جماعت کو سنبھالیں اور حضرت اقدس کے کام کی باگ ڈور تھامیں۔ وغیرہ۔ گو حضرت مولوی نورالدین رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان کو اس قسم کی باتوں سے روک دیا۔ مگر باوجود اس کے اس وقت سے ہر کام میں آپ کی اجازت اور مرضی لی جانے لگی اور آپ ہی کے زیر ہدایت ضروری امور انجام پذیر ہونے لگے۔

سیدنا حضرت اقدس کی بیماری کی خبر جہاں احمدی احباب کو ایک دوسرے کے ذریعہ سے ملتی گئی اور جہاں حضور کے غلام اور فرشتہ سیرت لوگ تکلیف کی اطلاع پا پا کر عیادت اور خدمت کو جمع ہو رہے تھے اور دوائی درمن کے علاوہ دعاؤں میں لگے ہوئے تھے وہاں شیاطین اور ان کے چیلے چانٹوں کے کان میں بھی حضور پُرنور کی علالت کی اطلاعات پہنچ گئی تھیں اور حضرت کے خدام اور غلاموں کی دوڑ دھوپ کے باعث وہ لوگ حالت کی نزاکت کو بھانپ کر کثیر تعداد میں جمع ہو کر ہا۔ ہو کے شور و شر۔ گالی گلوچ اور گندی بکواس میں مصروف تھے۔ وصال کی خبر پاتے ہی ان بدبخت۔ ننگ انسانیت غنڈوں نے جس غنڈہ پن کا مظاہرہ کیا اور جس طرح مکان پر حملہ آور ہوئے وہ خونخوار درندوں اور جنگلی بھیڑیوں کے حملہ سے کم نہ تھا۔ کمینگی۔ بزدلی۔ اور پست فطرتی کا جو مظاہرہ لاہور کی اس سیاہ دل ٹولی نے کیا

اس کی نظیر شاید ہی دنیا نے کبھی دیکھی سنی ہو گی۔ ایسے ایسے سوانگ بھرے کہ ان کے ذکر سے کلیجہ مونہہ کو آتا ہے۔ ایسے ایسے آوازے کسے کہ ان کے خیال سے بھی دل خون ہوتا ہے۔ جنازہ نکالا۔ سیاپا کیا اور اپنے جنازے کا اپنے ہاتھوں مونہہ کالا کر کے ایسی حرکات کیں اور وہ اودھم مچایا کہ الامان والحفیظ! قصہ کوتاہ وہ دن ہم پر یوم احزاب سے کم نہ تھا خطرہ بڑھتے بڑھتے یہاں تک بڑھ گیا تھا کہ حملہ آوروں سے مکان کے اندر داخل ہو کر بے حرمتی کرنے کا خوف پیدا ہو گیا۔ چنانچہ دوستوں نے مشورہ کے بعد حضرت مولوی صاحب کی اجازت سے پولیس کی امداد طلب کی جس نے موقعہ پر پہنچ کر ڈنڈے سے ان غنڈوں کو منتشر کیا۔ جب جا کر یہ غول بیابانی کچھ گھٹا اور کم ہوا اور نہ وہ ہر لحظہ بڑھتا ہی جا رہا تھا مگر باوجود پولیس کے انتظام کے ایک حصہ دشمنوں کا لب سڑک کھڑا گالیاں دیتا، بکواس کرتا ہی رہا۔

اصحاب حل عقد نے حضرت مولوی صاحب کے مشورہ سے تقسیم عمل کر کے دوستوں کی ڈیوٹیاں لگا دیں تا کہ ضروری کام خوش اسلوبی اور تیزی سے انجام پذیر ہو سکیں اور یہ فیصلہ ہو گیا کہ شام کی گاڑی سے جنازہ قادیان کے لئے روانہ ہو گا۔ چنانچہ جماعتوں کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وصال کی اطلاعات کے خطوط اور تاروں کی ترسیل کا کام محترم حضرت مفتی محمد صادق صاحب انچارج ڈاک سیدنا حضرت اقدس کے سپرد ہوا۔ نعش مبارک کو ریل گاڑی کے ذریعہ بٹالہ لانے کے لئے حسب قاعدہ ریلوے طبی سرٹیفیکیٹ کی ضرورت تھی کیونکہ بعض امراض سے فوت ہونے والوں کے متعلق ریلوے کا قانون ان کی لاش کو ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کی اجازت نہیں دیتا اور چونکہ ڈاکٹر صاحبان رات ہی سے حضور کے علاج کے متعلق سول سرجن اور بعض دوسرے بڑے بڑے انگریز ڈاکٹروں سے مشورے کرتے چلے آ رہے تھے لہٰذا مطلوبہ سرٹیفیکیٹ کے حصول میں کوئی دقت نہ ہوئی۔ گو سننے میں آیا تھا کہ دشمنوں نے اس مرحلہ پر بھی بڑی شرارت کی تھی تا کہ جنازہ قادیان نہ جا سکے اور لاش کی بے حرمتی ہوتی دیکھ کر وہ خوش ہوں۔ یہ خدمت ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ و ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحبان کے ذمے لگائی گئی۔ غسل اور تجہیز و تکفین کی ڈیوٹی ڈاکٹر نور محمد صاحب اور محترم حکیم محمد حسین صاحب قریشی کو ملی۔ خاندان نبوت کے اراکین اور قافلہ کے سفر کی تیاری اور رخت سفر کا انتظام مجھ غلام اور حضرت میاں شادی خان صاحب مرحوم کے حصے آیا۔ علیٰ ہٰذا مال گاڑی کا ڈبہ اور سٹیشن پر کے انتظامات ریلوے کے بعض ان دوستوں کے سپرد ہوئے جن کا تعلق ریلوے سے تھا۔ اس طرح تقسیم عمل سے کام جہاں بطریق احسن انجام پذیر ہوئے وہاں جلدی بھی ہو گئے۔

سیدنا حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نعش مبارک کے غسل میں حسب ذیل دوست شریک تھے۔ ڈاکٹر نور محمد صاحب۔ حکیم محمد حسین صاحب قریشی۔ میاں شادی خان صاحب مرحوم۔ میر مہدی حسین صاحب اور خاکسار راقم الحروف عبدالرحمٰن قادیانی۔ غسل وغیرہ سے فارغ ہو کر جنازہ اندرونی سیڑھیوں کے راستہ اس مکان کے

نچلے حصہ میں لے جایا گیا جہاں حاجی الحرمین حضرت مولوی نورالدین صاحب نے موجود الوقت دوستوں سمیت نماز جنازہ ادا کی۔ اس وقت بھی اس قدر ہجوم تھا کہ ڈاکٹر صاحب کے مکان کا نچلا حصہ اندر باہر بالکل بھر گیا تھا بلکہ ایک حصہ دوستوں کا کوچہ میں کھڑا تھا۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ بعض شریف غیر احمدی لوگ بھی نماز جنازہ میں شریک تھے۔ چنانچہ خلیفہ رجب دین صاحب کا یہ اعلان کہ ”آؤ لوگو! حضرت کا چہرہ مبارک دیکھ کر تسلی کر لو۔ کیسا نورانی۔ کتنا روشن اور کس قدر پاک صورت ہے۔ جن کو شبہ ہو وہ اپنا شک ابھی نکال لیں۔ پیچھے باتیں بنانا فضول ہو گا۔“ وغیرہ۔

اور در حقیقت اس اعلان کی ضرورت اشرار کی بدزبانی۔ الزام تراشی اور بعض بیہودہ بکواس کی وجہ سے پیش آئی۔ چنانچہ اس طرح دیر تک اپنے بھی اور پرائے بھی حضور کے چہرہ انور کی زیارت کرتے رہے۔ اپنے تو خیر پرائے بھی چہرہ اقدس کی زیارت کر کے بے ساختہ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ پکار اٹھتے تھے۔ نماز جنازہ حضرت پر کئی بار لاہور میں پڑھی گئی۔ جوں جوں لوگ آتے رہے چند چند مل کر نماز جنازہ پڑھتے اور زیارت سے مشرف ہوتے رہے۔ بعض ہندو شرفاء بھی حضرت کے آخری درشن کو آئے اور مہاپرش۔ دیوتا۔ مہاتما اور اوتار وغیرہ کے الفاظ باآواز بلند کہتے ہوئے نذر اخلاص وعقیدت کے پھول چڑھا گئے۔ مکرم میاں مدد خان صاحب اور ایک دو اور دوستوں کی ڈیوٹی وہاں لگائی گئی تھی۔ جب سب انتظام درست ہو گئے تو حضور کی نعش مبارک کو سٹیشن پر لے جانے کی تیاری ہوئی۔ نماز ظہر و عصر دونوں جمع کی جا چکی تھیں۔ اس موقعہ پر پھر مخالف لوگ کثرت سے جمع ہو گئے اور سبّ وشتم کرنے لگے جس کی وجہ سے جنازہ لے کر نکلنا سخت مشکل تھا۔ کیونکہ مشتعل و مفسد ہجوم سے یہ خطرہ پیدا ہو چکا تھا کہ مبادا جنازہ پر حملہ کر کے بے حرمتی کا ارتکاب کریں اور یہ خطرہ اتنا بڑھا ہوا تھا کہ مجبوراً پولیس کی مدد حاصل کرنا پڑی جس کے نتیجہ میں آخر ایک انگریز پولیس افسر معہ خاصی تعداد کنسٹیبلان نے آکر پھر ان لوگوں کو منتشر کیا اور ساتھ ہو کر جنازہ سٹیشن پر پہنچایا جہاں ایک متعصب ہندو بابو گیٹ کیپر کی شرارت کی وجہ سے جنازہ تھوڑی دیر رکا رہا مگر ایک کالے عیسائی نے آکر اس بابو کو ڈانٹ ڈپٹ کی اور جنازہ کو احترام کے ساتھ اندر لے جانے میں مدد کی۔

[معاندوں نے جنازے کی روانگی کے بعد ایک مذموم حرکت یہ کی کہ اپنوں میں سے کسی کا مونہہ کالا کر کے اس کو چارپائی پر لٹا کر فرضی جنازہ تیار کیا اور اسے اٹھا کر ”ہائے ہائے مرزا“، ”ہائے ہائے مرزا“ کا شور کرتے ہوئے موچی دروازہ سے اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے۔ احمدیوں نے ان کی ان تمام لغویات پر صبر سے کام لیا۔ لاہور تاریخ احمدیت ص74]

اس طرح سٹیشن پر تھوڑی دیر جنازہ اقدس کے رکے رہنے کی وجہ سے بھی بہتوں کا بھلا ہو گیا اور کئی لوگ زیارت سے مشرف ہوئے جن میں احمدیوں کے علاوہ ہندو شرفاء بھی تھے اور غیر احمدی بھی۔ جنازہ تابوت میں

رکھ کر مخصوص گاڑی میں رکھا گیا جس کے ساتھ چند دوست سوار تھے مگر افسوس کہ ان کے نام نامی مجھے یاد نہیں۔ باقی خاندان نبوت کے اراکین اور خدام و مہمان مختلف گاڑیوں میں سوار تھے۔[نعش مبارک سیکنڈ کلاس کے ایک ریزروڈبہ میں رکھوائی گئی۔لاہور تاریخ احمدیت ص74] گاڑی لاہور سے چھ بجے شام کے قریب چلی امرتسر کے بعض احمدی دوست بھی امرتسر سے ہمرکاب ہوگئے اور امرتسر سے چل کر دس بجے کے قریب گاڑی بٹالہ سٹیشن پر پہنچی جہاں گاڑی کے پہنچنے سے قبل بہت سے دوست بٹالہ، قادیان اور مضافات کے موجود تھے۔‘‘

(تتمہ سیرت المہدی جلد2 ص423 تا420)

حضرت بھائی جی کا مندرجہ بالا مضمون یہاں درج کرتے ہوئے جب میں یہ پڑھ رہا تھا کہ حضور علیہ السلام کی وفات پر مخالفین نے کس طرح خوشیاں منائیں، رقص کئے، سوانگ بھرے۔ مرنے پر تو مخالف اپنی جھوٹی فتح کے شادیانے بجایا ہی کرتے ہیں۔کون سا نبی ہے جس کے مرنے پر دشمن نے افسوس کا اظہار کیا ہو اور اسکی صداقت کا اعلان کیا ہو۔ہمیشہ خوشی اور تمسخر سے ہی کام لیا اور اپنی جیت کا ہی اظہار کیا گیا۔یہود نے مسیح کو اپنی دانست میں صلیب پر چڑھا کر خوشی کا اظہار کیا اور تو اور دونوں جہانوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلام، کا آخری وقت جب آیا کہ جن کی خاطر ساری کائنات بنائی گئی تھی۔جو رحمۃ اللعالمین تھے۔وہ جب فوت ہوئے تو مدینہ میں بھی بھی منافقین نے تمسخر کرتے ہوئے یہ کہا کہ وہ خزانوں کی چابیاں تو لے لو جس کی خوشخبری دی گئی تھی اور بعض بدبختوں نے اپنی بستی میں ناچ گانے کی محفلیں منعقد کیں ان کی عورتوں نے اس خوشی میں ہاتھوں کو مہندی لگائی اور رقص کئے۔

(کتاب المحبر، محمد بن حبیب بغدادی، دار نشر الکتب الاسلامیہ شیش محل لاہور ص184)

ہائے افسوس کس طرح ان ظالموں کے دل ایک دوسرے کے مشابہ ہوگئے۔کیا وہی تمسخر، وہی ظلم وہی ہنسی اور ٹھٹھا ان کو نسلاً بعد نسلٍ ورثہ میں ملتا چلا جا رہا تھا؟ كَذٰلِكَ مَآ اَتَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا قَالُوْا سَاحِرٌ اَوْ مَجْنُوْنٌ۔ اَتَوَاصَوْا بِهٖ ۚ بَلْ هُمْ قَوْمٌ طَاغُوْنَ۔ فَتَوَلَّ عَنْهُمْ فَمَآ اَنْتَ بِمَلُوْمٍ۔(الذاریات:53تا55)

ترجمہ: اسی طرح ان سے پہلے لوگوں کی طرف بھی کبھی کوئی رسول نہیں آیا مگر انہوں نے کہا کہ یہ ایک جادوگر یا دیوانہ ہے۔ کیا اِسی کی وہ ایک دوسرے کو نصیحت کرتے ہیں؟ بلکہ یہ ایک سرکش قوم ہیں۔ پس اِن سے منہ پھیر لے۔ تُو ہرگز کسی ملامت کا سزاوار نہیں۔

لیکن کب تک! تھوڑی ہی دیر بعد ایک دقت آتا ہے کہ وہ غیور اور قادر خدا دشمنوں کی یہ جھوٹی خوشیاں پامال کر دیتا ہے اور غمزدہ دلوں کی وہ خود ڈھارس بنتا ہے اور فتوحات کے دروازے اس قوم پر کھول دیتا ہے اور پھر وہ وقت بھی آتا ہے کہ نہ تمسخر کرنے والے رہتے ہیں اور نہ ہی ان کا تمسخر۔ سب کی صف لپیٹ دی جاتی ہے اور وہ سب مخالف

بڑی حسرت کے ساتھ مرتے ہیں۔ اور اس جبار وقہار، ذوالانتقام خدا کی بھی عجیب قدرت ہے کہ کئی معاندین کو وہ ایسی ہی موت دے کر مارتا ہے جس کو وہ ذلت کی موت قرار دیا کرتے تھے۔ حضرت مرزا صاحبؑ کی زندگی بھی ایک نشان تھی کہ کیا خدا پر افتراء کرنے والے اتنی لمبی عمر اور اس طرح کی ترقیات اور تائیدات حاصل کر پاتے ہیں اور آپ کی شہادت کی موت بھی آپ کی سچائی کا ایک نشان ٹھہری کہ کاذب ایسے ہوا کرتے ہیں؟

آپ کی وفات کو 118 سال ہو چکے کیا خدا پر افتراء کرنے والے ایسے ہوا کرتے ہیں؟ کہ ہر روز یہ سلسلہ ترقیات کی منازل طے کرتا چلا جارہا ہے۔ یہ سب نشانات آپؑ کی صداقت کے نشان ہیں......

بہر حال ہم ان تفصیلات کے بیان میں آگے بڑھتے ہیں۔

اور اس ضمن میں تاریخ احمدیت کا ایک نوٹ یہاں دیا جارہا ہے تاکہ حضور علیہ السلام کی وفات کے متعلق مذکورہ بالا بیان میں سے بعض امور کی مزید وضاحت ہو جائے۔

”حضور علیہ السلام کا وصال ساڑھے دس بجے کے قریب ہوا تھا۔ انتقال کے معمولی وقفہ کے بعد لاہور میں تمام موجود احمدی یکے بعد دیگرے آئے اور حضرت اقدس علیہ السلام کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیتے گئے۔ کچھ دیر کے بعد حضور کے خدام ذرا باہر بیٹھے اور شیخ رحمت اللہ صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب لاہور کے سول سرجن صاحب کے پاس سرٹیفکیٹ کے لئے گئے۔ سرٹیفکیٹ میں سول سرجن صاحب نے صاف لکھا تھا کہ حضرت اقدس علیہ السلام نے امعاء کی خراش سے انتقال کیا ہے۔ بٹالہ کے لئے ریزرو گاڑی کا انتظام کیا گیا۔ اڑھائی بجے تک غسل اور کفن سے فراغت ہو گئی۔ غسل دینے والے بھائی عبد الرحیم صاحب اور شیخ رحمت اللہ صاحب اور ایک اور احمدی دوست تھے۔ ایک کثیر جماعت نے جنازہ پڑھا۔ [حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ نے نماز جنازہ پڑھائی۔ تاریخ احمدیت لاہور ص73] اور اس کے بعد جوق در جوق احمدی اور غیر احمدی زیارت کے واسطے آتے رہے حضرت اقدس علیہ السلام کی شکل مبارک نہایت منور تھی اور کسی قدر سرخی بھی رخسار پر تھی۔ چار بجے کے قریب پہلے مستورات اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئیں بعد ازاں احمدیہ بلڈنگس سے چارپائی پر جنازہ اٹھایا گیا۔ اسٹیشن پر پہنچ کر تابوت گاڑی میں رکھا گیا۔ یہاں آکر اس خطرناک سازش کا پتہ چلا کہ کسی مخالف نے ٹریفک سپرنٹنڈنٹ سے کہہ دیا کہ مرزا صاحب ہیضہ سے فوت ہوئے ہیں اس لئے جنازہ گاڑی سے نہیں جانا چاہیے۔ چنانچہ اسٹیشن ماسٹر نے نعش بھجوانے سے انکار کر دیا جس پر شیخ رحمت اللہ صاحب نے سول سرجن کا سرٹیفکیٹ دکھلایا۔ اسے مجبوراً اجازت دینا پڑی اور مخالفوں کا یہ منصوبہ دھرے کا دھرا رہ گیا۔

[لاہور کے مشہور معالج انگریز ڈاکٹر سدر لینڈ بھی اسی رات دیکھنے کے لئے آئے اور ان کی تشخیص اور رائے پر

سول سرجن ڈاکٹر کننگھم نے میڈیکل سرٹیفکیٹ دیا۔ تاریخ احمدیت جلد2 ص554 ح35]

جنازہ لاہور سے بٹالہ پہنچا

پونے چھے بجے کے قریب گاڑی لاہور سے بٹالہ کو روانہ ہوئی۔ گاڑی میں جنازہ کے ساتھ اہل بیت حضرت اقدسؑ، حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ، حضرت میر ناصر نواب صاحبؓ اور حضرت نواب محمد علی خاں صاحبؓ کے علاوہ حضرت اقدسؑ کے بہت سے خدام بھی تھے۔ جناب عبدالمجید صاحب سالک کے بیان کے مطابق مولانا ابوالکلام آزاد امرتسر سے لاہور آئے اور یہاں سے مرزا صاحب کے جنازے کے ساتھ بٹالہ تک گئے۔ گاڑی لاہور سے امرتسر پہنچی تو یہاں سے بھی بہت سے احمدی دوست مثلاً میاں نبی بخش صاحبؓ سوداگر اور ڈاکٹر عباداللہ صاحبؓ اور احباب کپورتھلہ شہر مثلاً حضرت منشی ظفر احمد صاحبؓ جنازہ کے ساتھ ہوئے۔ گاڑی رات دس بجے کے قریب بٹالہ پہنچی نعش مبارک ریزروڈبہ میں ہی رہی جس کے پاس خدام موجود رہے۔ دوبجے کے قریب حضورؑ کا جسد مبارک صندوق سے نکال کر ایک آم کے درخت کے نیچے چارپائی پر اور صندوق وبرف گڈے پر رکھے گئے۔[آم کا یہ درخت 1961ء تک موجود تھا۔ اصحاب احمد جلد9 ص196۔197] مستورات تو دو گھنٹہ بعد نو بجے قادیان پہنچیں مگر احباب جنازہ کو شانہ بشانہ اٹھا کر قادیان کی طرف روانہ ہوگئے۔ دیوانی والی کے تکیہ میں دوستوں نے صبح کی نماز ادا کی۔ نہر کے پل کے قریب جماعت قادیان کے دوست بھی آشامل ہوئے۔ کوئی آٹھ بجے جنازہ قادیان پہنچا اور حضور علیہ السلام کی نعش مبارک بہشتی مقبرہ سے ملحق باغ میں واقعہ پکے مکان میں رکھ دی گئی۔

کاندھوں پر آفتاب اٹھائے ہوئے چلا

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جسدِ اَطہر ایک لکڑی کے تابوت میں تھا جس کے اندر کافی تعداد برف کی بھری تھی اور وہ پگھل پگھل کر پانی کے قطروں کی شکل میں تابوت میں سے گرتی تھی سید احمد نور صاحبؓ کابلی جو قادیان سے بٹالہ پہنچے تھے، وفور محبت میں بے تاب گاڑی کے اندر ہی تابوت سے جا لپٹے اور یہاں تک بڑھے کہ تابوت سے گرنے والے قطرات ہاتھ میں لے لے کر پیتے رہے۔ تابوت کچھ دیر بعد گاڑی سے اتار کر پلیٹ فارم پر رکھ لیا گیا جس کے گرد حلقہ بگوش خدام نے محبت و عقیدت کا حلقہ بنایا اور پہرہ دیتے رہے۔...... قریباً تین بجے ستائیس مئی کی صبح کو یہ غمزدہ قافلہ کچھ آگے پیچھے ہو کر خدا کے برگزیدہ نبی سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابوت کے ہمرکاب پورے ایک ماہ کی جدائی اور ”داغ ہجرت“ کے صدمات لئے قادیان کو روانہ ہوا۔ ستائیس اپریل 1908ء کو قادیان سے رخصت ہو کر پھر ستائیس مئی 1908ء کی صبح ہی کو قادیان پہنچا اور اس طرح خدا

کے مونہہ کی وہ بات کہ ”ستائیس کو (ہمارے متعلق) ایک واقعہ۔اَللّٰہُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی“ پوری ہو کر رہی۔

جسد مبارک کو تابوت سے نکال کر چارپائی پر رکھا گیا اور اس کے ساتھ لمبے لمبے بانس باندھ کر اٹھانے والوں کے لئے زیادہ گنجائش نکال لی گئی اور اس طرح حضور کا جنازہ اپنے غلاموں کے کندھوں ہی کندھوں پر بآسانی و جلد تر دارالامان پہنچ گیا۔ بٹالہ سے روانگی کے وقت بھی تقسیم عمل کر کے احباب کی ڈیوٹیاں مختلف شعبہ جات میں تقسیم کر دی گئی تھیں۔ قادیان اور مضافات سے آنے والے خدام اور بعض لاہور، امرتسر و بٹالہ کے دوست اور مہمان حضرت اقدس کے جنازہ کے ہمرکاب تھے۔ پیدل بھی اور سوار بھی۔ قادیان کے بعض دوست بٹالہ اور دیوانی وال کے تکیہ کے درمیان آن ملے اور پھر یہ سلسلہ برابر قادیان تک جاری رہا۔ پیشوائی کو آنے والے آآکر شامل ہوتے گئے اور اس طرح جہاں ہجوم بڑھتا گیا، رفتار ہلکی پڑتی گئی۔ مولوی محمد علی صاحب ایم اے بھی معہ چند اور دوستوں کے سنا تھا کہ نہر اور سوئے کے درمیان بے اختیار دھاڑیں مار مار کر روتے ہوئے ملے تھے۔ بعض دوستوں کی ڈیوٹی سامان کے گڈوں کے ساتھ لگائی گئی جو سامان کو لے کر قادیان کو روانہ ہوئے۔ میری ڈیوٹی سیدۃ النساء حضرت ام المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ہمرکاب تھی جو اپنی رتھ میں معہ بیگمات سوار تھیں اور چونکہ ابھی اندھیرا تھا۔ لہٰذا چند اور مخلصین بھی ہمرکاب تھے۔ سیدنا حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد سلمہ ربہ ہمارے موجودہ خلیفۃ المسیح بھی معہ دوسرے عزیزوں کے اجالا ہو جانے تک سیدۃ النساء حضرت اُم المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سواری کے ہمرکاب رہے۔ اس قافلہ نے نماز صبح پو پھٹتے ہی اول وقت میں اس جگہ لب سڑک ادا کی جہاں اے ایل او ای (A.L.O.E) ہائی سکول کی ایک گراؤنڈ واقع ہے اور بیرنگ



ریلوے سٹیشن بٹالہ۔انڈیا

ہائی سکول اس جگہ سے قریباً ایک فرلانگ جانب شرق آتا ہے۔ امام الصلوٰۃ اس مختصر سے قافلہ کے سیدنا حضرت صاحبزادہ والاتبار مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب سلمہ ربہ تھے۔ سورۃ قٓ حضرت ممدوح نے اس نماز میں پڑھی۔ یہ نماز اپنی بعض کیفیات کے لحاظ سے ان چند خاص نمازوں کے شمار میں آتی ہے جو اس سے قبل مجھے اس بارہ تیرہ سالہ قیام دارالامان میں کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کے خاص ہی فضل کے ماتحت خدا کے نبی و رسول سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقتداء میں نصیب ہوئیں یا پھر کسی خاص ہی موقعہ پر اللہ کریم نے حضور و سرور عطا فرما کر نوازا۔ سچ مچ ہماری یہ نماز صحیح معنوں میں ایک معراج تھا۔ جس میں شرف حضوری بخشا گیا۔ رقت و سوز کا یہ عالم تھا کہ روح پگھل

کر آستانہ الوہیت پہ بہنے لگی اور دل نرم ہو کر پارہ بنا جا رہا تھا۔ آتشِ محبت میں ایسی تیزی اور حدت پیدا ہوئی کہ ماسوا اللہ کے خیالات جل کر راکھ ہو گئے اور وحدت ذاتی نے یوں اپنی چادر توحید میں لپیٹ لیا کہ ہمارا کچھ بھی باقی نہ رہا اور ہم اپنے خدا میں فنا ہو گئے۔ یہ سب کچھ اس مقدس ہستی کی تقدیس اور پاک خیالات سے لبریز روحانی لہروں کا اثر تھا جو اس پاک نفس ہستی کے قلب صافی سے نکل کر اثر انداز ہو رہی تھیں اور جن سے سارے ہی مقتدین علیٰ قدر مراتب متاثر ہو رہے تھے۔ جس کو خدائے علیم و خبیر نے ایک عرصہ پہلے ”نور آتا ہے نور“ کا مصداق قرار دے کر غفلت و گناہ کے اسیروں کی رستگاری کا موجب بنا کر نوازا۔ قراءت میں آپ کا درد بھرا لہجہ لحن داؤدی بن کر پتھر کو موم اور نار کو گلزار بنا رہا تھا۔ جس کی نہ مٹنے والی لذت و سرور آج اکتیس بتیس برس بعد بھی میں ویسے ہی محسوس کر رہا ہوں جیسے اس روز........

الغرض یہ سارا قافلہ آگے پیچھے حالات کے ماتحت مختلف حصوں میں تقسیم، سات۔ آٹھ اور نو بجے قبل دوپہر تک دارالامان پہنچ کر سیدنا حضرت اقدس مسیح پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باغ میں خیمہ زن ہوتا گیا جہاں قادیان کی مقدس بستی اور مضافات کے رہنے والے۔ مرد۔ عورت۔ بچے۔ بوڑھے سبھی اس غم سے فگار اور درد سے بیقرار ہو ہو کر گھروں سے نکل کر شریک حال ہو رہے تھے۔

24 برس پہلے کی ایک یاد

میں سیدۃ النساء حضرت اُمّ المومنین رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے رتھ کے دائیں۔ بائیں اور آگے پیچھے اس مصیبت کی تکلیف اور درد و رنج کو ہلکا کرنے اور بٹانے کی نیت و کوشش اور اظہار ہمدردی۔ نیازمندی و عقیدت کے جذبات سے لبریز دل کے ساتھ پیدل چلا آ رہا تھا اور سیدہ طاہرہ بھی میری دلی کیفیات سے متاثر ہو کر گاہ گاہ دنیا کی ناپائیداری و بے ثباتی اور خدائے بزرگ و برتر کی بے نیازی کے تذکرے فرماتیں۔ دعا میں مشغول۔ خدا کی یاد اور اس کے ذکر میں مصروف چلی آ رہی تھیں۔ آپ کے صبر و شکر اور ضبط و کظم کا یہ عالم تھا کہ غمزدہ خادموں اور دردمند غلاموں کو بار بار محبت بھرے لہجہ میں نصیحت فرماتیں اور تسلی دیتی تھیں۔ سیدہ مقدسہ کا ایک فقرہ اور درد بھرا لہجہ اپنی بعض تاثیرات کے باعث کچھ ایسا میرے دل و دماغ میں سمایا کہ وہ کبھی بھولتا ہی نہیں اور ہمیشہ دل میں چٹکیاں لیتا رہتا ہے۔ جو آپ نے اسی سفر میں نہر کے پل سے آگے نکل کر جب آپ کی نظر قادیان کی عمارتوں پر پڑی اس سوز اور رقت سے فرمایا کہ میں پھوٹ پھوٹ کر رونے اور سسکیاں لینے لگا۔ آہ وہ فقرہ میرے اپنے لفظوں میں یہ تھا کہ ”بھائی جی چوبیس برس ہوئے جب میری سواری ایک خوش نصیب دلہن اور سہاگن کی حیثیت میں اس سڑک سے گزر کر قادیان گئی تھی اور

آج یہ دن ہے کہ میں افسردہ و غمزدہ بحالت بیوگی انہی راہوں سے قادیان جارہی ہوں۔" قادیان قریب اور قریب تر ہوتا جارہا تھا۔ بعض مخلص مرد اور عورتیں اخلاص وعقیدت کے پھول بطور نذرانہ لے لے کر سیدہ محترمہ کے استقبال وپیشوائی کو آتے۔ اظہار ہمدردی اور تعزیت کرکے رتھ کے ساتھ ہولیتے۔ چنانچہ اس طرح آپ کی رتھ کے ساتھ مرد اور عورتوں کا ایک خاصہ ہجوم وارد قادیان ہوا۔ آپ کی سواری شہر میں مغربی جانب سے داخل ہوکر ننگلی دروازہ کی راہ سے سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے باغ والے مکان پر پہنچی جہاں حضرت اقدس کا جسد مبارک رکھا تھا اور کثرت سے مستورات اس کے گرد سیدۃ النساء کی انتظار میں بیٹھی تھیں۔"

(تتمہ سیرت المہدی جلد2 صفحہ 423 تا 429)

حضرت اقدسؑ کا جسد مبارک 27 مئی 1908ء صبح آٹھ بجے قادیان پہنچا تھا۔ چنانچہ اس کے لئے حضرت نواب محمد علی خان صاحبؓ کی ان دنوں میں لکھی گئی ڈائری سے اقتباس پیش خدمت کیا جارہا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

26 مئی 1908ء منگل

"آج حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود مرزا غلام احمد صاحبؑ۔ رئیس قادیان کا انتقال ہوگیا۔ حضور علیہ السلام جس روز سے لاہور آئے تھے کم وبیش مرضِ اسہال میں مبتلا ہوگئے مگر کل کھانے کے بعد باوجود اسہالوں (کے) پیغام صلح کا مضمون لکھتے رہے اور معمولی اسہال سمجھے گئے۔ شام کو سیر کو گئے۔ رات کو کھانا کھایا مگر چند نوالے ہی کھائے تھے کہ اسہال کی حاجت ہوئی۔ آپؑ نے کھانا چھوڑ دیا اور جائے ضرور گئے۔ وہاں اسہال آیا۔ اس کے بعد پھر ایک دو اسہال ہوئے۔ پھر بارہ بجے کے قریب اسہال ہوا اور ایک قے بھی ہوئی جس سے طبیعت بہت گھٹ گئی اور برد اطراف ہوگیا۔ نبض ساقط ہوگئی۔ بالکل مایوسی ہوگئی۔ مگر ادویات کے استعمال اور مالش سے پھر طبیعت گرم ہوگئی۔ نبض عود کر آئی۔ تین بجے میرے بُلانے کو نور محمد بھیجا گیا اتفاق سے راستہ میں گھوڑا گر گیا اس لئے ٹم دیر میں پہنچی۔ اس وقت نماز کا وقت ہوگیا تھا پہرہ والے کے آواز دینے پر میں اُٹھا نماز پڑھ کر روانہ ہوا۔ کوئی پانچ بجے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں پہنچا۔ اس وقت حضرت ام المومنین برقع پہنے چارپائی کی باہنی پر سر رکھے زمین پر بیٹھی تھیں اور ڈاکٹر محمد حسین شاہ۔ ڈاکٹر یعقوب بیگ موجود تھے۔ خواجہ کمال الدین۔ حضرت مولانا مولوی نور الدینؓ۔ میاں محمود۔ میاں بشیر اور شیخ عبدالرحمٰن قادیانی وغیرہ وغیرہ موجود تھے۔ ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب نے مجھے کہا کہ شکر ہے نہایت نازک حالت سے طبیعت ٹھیک ہوئی ہے۔ حضرت اقدسؑ کی حالت یہ تھی کہ بدن گرم تھا اور کرب تھا مگر حواس ٹھیک تھے۔ آہستہ آہستہ بولتے تھے۔ ایک دو دفعہ کروٹ بدلنے پر آنکھ کھولی میری طرف دیکھا میں نے سلام علیک کہا آپؑ نے کہا وعلیکم السلام۔ چھ بجے کے قریب ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب کو کہا کہ میری آواز نہیں نکلتی یہ ہم

نے بخوبی سمجھا۔ پھر کوئی ساڑھے سات بجے اُٹھ کر بیٹھے اور قلم دوات منگوائی اور ایک پرچے (پر) لکھا جو باہر جا کر پڑھا تو یہ لکھا تھا کہ تکلیف یہ ہے کہ آواز نہیں نکلتی۔" اتنا حصّہ صاف پڑھا گیا چونکہ کچھ اتفاق سے سیاہی خراب اس پر قلم بھی خراب نیچے رکھنے کے لئے چیز بھی جلدی میں دی گئی تھی آخری نصف سطر نہ پڑھی گئی۔ آٹھ بجے کے بعد پھر جو ریلیپسRELAPSE ہوا ہے پھر طبیعت نہیں سنبھلی۔ آخر ساڑھے دس بجے انتقال فرمایا اِنَّالِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ حضرت امّ المومنین نے وہ صبر دکھلایا کہ باید وشاید۔ جب حضرتؑ کا دم واپسیں تھا اس وقت آپؓ نے فرمایا کہ "**اے اللہ یہ تو ہمیں چھوڑتا ہے تُو ہمیں نہ چھوڑیو**"۔ اور جب (حضرت) اقدسؑ نے انتقال فرمایا تو فرمایا "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْن" اور بس خاموش ہو گئے اور کسی کو رونے نہیں دیا۔ بعد انتقالِ حضرتؑ تمام جماعت نے نہایت صبر دکھلایا اور تھوڑے وقفہ بعد تمام موجود جماعت کے آدمی یکے بعد دیگرے آئے اور حضرت اقدسؑ کی پیشانی پر بوسہ دیتے گئے۔

ڈاکٹروں (نے) مرض تشخیص کی کہ اسہالوں کی وجہ سے امعاء میں سوزش ہوئی اور حضرت اقدسؑ کو دل گھٹنے اور برد اطراف کا جو دورہ ہمیشہ ہوتا تھا وہ سخت پڑا اس لئے انتقال ہوا۔ حضور علیہ السلام کا مسودہ مضمون دیکھا گیا تو اصل بات حضرتؑ ختم کر چکے تھے۔ بعد انتقال حضرت اقدسؑ ہم لوگ ذرا باہر بیٹھے اور شیخ رحمت اللہ صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب اور ڈاکٹر یعقوب بیگ صاحب اور ڈاکٹر محمد حسین شاہ صاحب سول سرجن صاحب مسٹر کننگھم کے پاس سرٹیفکیٹ کے لئے گئے۔ سرٹیفکیٹ ملنے پر جس میں سول سرجن صاحب نے صاف لکھا تھا کہ حضرت اقدسؑ نے امعاء کی خراش (سے) انتقال کیا ہے پھر جنازہ کے لے جانے اور ریل گاڑیوں کا انتظام کیا گیا۔ میں نے بھی چونکہ جنازہ کے ساتھ جانا تھا میں اپنی کوٹھی پر آیا اور سامانِ سفر کرنے آیا۔ اس وقت کوئی دو بجے تھے اس کے بعد تین بجے پھر خواجہ صاحب کے مکان پر پہنچا۔ وہاں جنازہ پڑھایا گیا تھا۔ حضرت اقدسؑ کی شکل نہایت منوّر تھی اور کسی قدر سُرخی بھی رخساروں پر معلوم ہوتی تھی۔ مستورات 4 بجے روانہ ہو گئیں پھر جنازہ اس کے بعد اُٹھایا گیا۔ اسٹیشن پر پہنچ کر صندوق گاڑی میں رکھ کر اس میں پانچ من برف ڈالی گئی اور پھر حضرت اقدسؑ کو صندوق میں رکھا گیا کیونکہ اسٹیشن تک چارپائی پر حسب معمول جنازہ لایا گیا تھا۔ صندوق میں بند نہ کیا گیا تھا یہ کام ہو چکا اسٹیشن ماسٹر آیا کہ جنازہ نہیں جا سکتا۔ شیخ رحمت اللہ صاحب مع اسٹیشن ماسٹر ٹریفک سپرنٹنڈنٹ کے پاس گئے اور سرٹیفکیٹ دکھلایا جس کو دیکھ کر وہ حیران رہ گیا کیونکہ یہ سول سرجن کا سرٹیفکیٹ تھا کیونکہ کسی مخالف نے ٹریفک سپرنٹنڈنٹ سے کہہ دیا تھا کہ ان کے گھر کے ڈاکٹر ہیں انہوں نے اسے آپ سرٹیفکیٹ لکھ دیا ہے ورنہ حضرت اقدسؑ نے ہیضہ سے انتقال کیا ہے اِس لئے جنازہ نہ جانا چاہیئے۔ اب جب سول سرجن کا سرٹیفکیٹ دیکھا تو ٹریفک سپرنٹنڈنٹ نے اجازت دے دی۔ اِس طرح شیطانوں کے تمام منصوبے باطل ہو گئے۔ خلاصہ یہ کہ ریل ساڑھے پانچ بجے روانہ ہوئی اور ہم سب بخیر وخوبی امرتسر پہنچے۔

امر تسر میں نماز پڑھی اور کھانا کھایا۔ اور پھر وہاں سے چل کر دس بجے بٹالہ پہنچے۔ رات بٹالہ بسر کی۔ حضرت اقدسؑ کا جسم مبارک صبح دو بجے صندوق سے نکال کر چارپائی پر رکھا اور کثیر جماعت احمدیوں کی ہاتھوں جنازہ قادیان کو لے کر چلی۔ صندوق اور برف گڈّے (پر) پیچھے آتا رہا۔

27 مئی 1908ء بُدھ

اس کے بعد کوئی چار بجے مستورات روانہ ہوئیں اور ہم بھی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے۔ کوئی آٹھ بجے جنازہ اور ہم سب قادیان میں پہنچے۔ جنازہ باغ میں لے جا کر پکے بڑے مکان میں رکھا گیا۔ پُل سے جماعت قادیان بھی آ شامل ہوئی کوئی نو بجے مستورات بھی آ گئیں اور ہم ان کو پہنچا کر واپس آئے۔" (بحوالہ اصحاب احمدؑ جلد2 ص605 تا607)

انتخاب خلافت اور تدفین

نعش مبارک کے قادیان پہنچنے کے بعد سب سے پہلا کام جو سلسلہ کے مقتدر بزرگوں نے اس وقت کیا وہ خلافت کے لئے حضرت مولوی نور الدین صاحبؓ کا انتخاب تھا۔ چنانچہ جماعت کے دوست اکٹھے ہوئے اور مشورہ ہوا تو سب کی نظریں حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی طرف اٹھیں۔ چنانچہ جب متفقہ فیصلہ ہو چکا تو اکابر سلسلہ حضرت مولوی نور الدین صاحب کے مکان پر حاضر ہوئے اور مناسب رنگ میں بیعت خلافت کے لئے درخواست پیش کی۔ آپ نے کچھ تردّد کے بعد فرمایا "میں دعا کے بعد جواب دوں گا" چنانچہ وہیں پانی منگایا گیا آپ نے وضو کیا اور غربی کوچہ کے متصل دالان میں نماز نفل ادا کی۔ اس عرصہ میں یہ وفد باہر صحن میں انتظار کرتا رہا۔ نماز سے فارغ ہونے کے بعد آپ نے فرمایا چلو ہم سب وہیں چلیں جہاں ہمارے آقا کا جسد اطہر ہے اور جہاں ہمارے بھائی انتظار میں ہیں۔ چنانچہ حضرت مولوی صاحبؓ کی معیت میں تمام حاضرین باغ میں پہنچے۔

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ سب دوستوں کے سامنے جو باغ میں اپنے محبوب آقا کی نعش کے پاس جمع تھے کھڑے ہوئے اور حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کی خدمت میں بطور نمائندہ مندرجہ ذیل تحریر پڑھ کر سنائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ   نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعَالَمِیۡنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی خَاتَمِ النَّبِیّٖنَ مُحَمَّدِنِ الۡمُصۡطَفٰی وَعَلَی الۡمَسِیۡحِ الۡمَوۡعُوۡدِ خَاتَمِ الۡاَوۡلِیَاءِ

امابعد مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں اس امر پر صدق دل سے مطمئن ہیں کہ اول المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نور الدین صاحب جو ہم سب میں سے اعلم اور اتقیٰ ہیں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں اور جن کے وجود کو

حضرت امام علیہ السلام اسوۂ حسنہ قرار فرما چکے ہیں۔ جیسا کہ آپؑ کے شعر۔

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امّتِ نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دِل پُر از نور یقیں بودے

[ترجمہ: کیا ہی اچھا ہو اگر قوم کا ہر فرد نور دین بن جائے مگر یہ تب ہی ہو سکتا ہے کہ جب ہر دل یقین کے نور سے بھر جائے۔] سے ظاہر ہے۔ کے ہاتھ پر احمدؑ کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آئندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آیندہ ایسا ہی ہو۔ جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔



اس درخواست پر بہت سے احباب کے دستخط تھے جن کے نام بدر 2 جون 1908ء صفحہ 6 کالم نمبر 2 پر لکھے ہیں: مثلاً شیخ رحمت اللہ صاحب (مالک انگلش ویر ہاؤس لاہور) (صاحبزادہ) مرزا محمود احمد صاحب۔ مفتی محمد صادق صاحب عفی اللہ عنہ۔ سید محمد احسن صاحب امروہی۔ سید محمد حسین اسسٹنٹ سرجن لاہور۔ (مولوی) محمد علی صاحب ایڈیٹر ریویو آف ریلیجنز۔ خواجہ کمال الدین صاحب۔ (ڈاکٹر) مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ احمد دین صاحب اپیل نویس گوجرانوالہ۔ (مولوی) ماسٹر شیر علی صاحب ہیڈ ماسٹر تعلیم الاسلام۔ (ڈاکٹر) عباد اللہ صاحب امرتسری۔ اکبر شاہ خان صاحب نجیب آبادی۔ (نواب) محمد علی خاں صاحب (رئیس مالیر کوٹلہ)۔ سید احمد نور صاحب کابلی۔ سید حیدر شاہ صاحب قصور۔ (صاحبزادہ) مرزا بشیر احمد صاحب۔ (حضرت میر) ناصر نواب صاحب۔

حضرت مولوی حکیم نورالدین صاحبؓ کی دردانگیز تقریر

حضرت مفتی محمد صادق صاحبؓ جب مذکورہ بالا تحریر سنا چکے تو حضرت مولوی نورالدین صاحبؓ کھڑے ہوئے اور تشہد و تعوذ اور آیت وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ وَيَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَيَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ [اور چاہئے کہ تم میں سے ایک جماعت ہو۔ وہ بھلائی کی طرف بلاتے رہیں اور اچھی باتوں کی تعلیم دیں اور بری باتوں سے روکیں۔ اور یہی ہیں وہ جو کامیاب ہونے والے ہیں۔] (اٰل عمران:105) کی تلاوت کے بعد ایک دردانگیز تقریر کی جس میں فرمایا:

”میری پچھلی زندگی پر غور کرلو۔ میں کبھی امام بننے کا خواہشمند نہیں ہوا۔ مولوی عبدالکریم صاحب مرحوم امام الصلوٰۃ بنے تو میں نے بھاری ذمہ داری سے اپنے تئیں سبکدوش خیال کیا تھا۔ میں اپنی حالت سے خوب واقف ہوں اور میرا رب مجھ سے زیادہ واقف ہے۔ میں دنیا میں ظاہر داری کا خواہشمند نہیں۔ میں ہرگز ایسی باتوں کا خواہشمند نہیں۔ اگر خواہش ہے تو یہ کہ میرا مولیٰ مجھ سے راضی ہو جائے۔ اس خواہش کے لئے میں دعائیں کرتا ہوں اور قادیان بھی اس لئے رہا اور رہتا ہوں اور رہوں گا۔ میں نے اسی فکر میں کئی دن گزارے کہ ہماری حالت حضرت صاحب کے بعد کیا ہوگی اس لئے میں کوشش کرتا رہا کہ میاں محمود کی تعلیم اس درجہ تک پہنچ جائے۔ حضرت صاحب کے اقارب میں اس وقت تین آدمی موجود ہیں۔ اول میاں محمود احمد وہ میرا بھائی بھی ہے میرا بیٹا بھی۔ اس کے ساتھ میرے خاص تعلقات ہیں۔ قرابت کے لحاظ سے میر ناصر نواب صاحب ہمارے اور حضرت کے ادب کا مقام ہیں۔ تیسرے قریبی نواب محمد علی خاں صاحب ہیں۔ اسی طرح خدمت گذاران دین میں سے ... اور بھی کئی اصحاب ہیں۔“

”پس میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں جن عمائد کا نام لیا ہے ان میں سے کوئی منتخب کرلو میں تمہارے ساتھ بیعت کرنے کو تیار ہوں۔ **اگر تم میری بیعت ہی کرنا چاہتے ہو تو سن لو کہ بیعت بِک جانے کا نام ہے۔** ایک دفعہ حضرتؑ نے مجھے اشارۃً فرمایا کہ وطن کا خیال بھی نہ کرنا۔ سو اس کے بعد میری ساری عزت اور سارا خیال انہی سے وابستہ ہو گیا اور میں نے کبھی وطن کا خیال تک نہیں کیا۔ پس بیعت کرنا ایک مشکل امر ہے۔“

آخر میں فرمایا: ”اب تمہاری طبیعتوں کے رخ خواہ کسی طرف ہوں تمہیں میرے احکام کی تعمیل کرنی ہوگی اگر یہ بات تمہیں منظور ہو تو میں طوعاً و کرہاً اس بوجھ کو اٹھاتا ہوں۔ وہ بیعت کے دس شرائط بدستور قائم ہیں۔ ان میں خصوصیت سے قرآن کو سیکھنے اور زکوٰۃ کا انتظام کرنے، واعظین کے بہم پہنچانے اور ان امور کو جو وقتاً فوقتاً اللہ میرے دل میں ڈالے شامل کرتا ہوں۔ پھر تعلیم دینیات، دینی مدرسہ کی تعلیم میری مرضی اور منشاء کے مطابق کرنا ہوگی۔ اور میں اس بوجھ کو صرف اللہ کے لئے اٹھاتا ہوں جس نے فرمایا وَلۡتَكُنۡ مِّنۡكُمۡ اُمَّةٌ يَّدۡعُوۡنَ اِلَى الۡخَيۡرِ۔ یاد رکھو کہ ساری خوبیاں وحدت میں ہیں جس کا کوئی رئیس نہیں وہ مرچکی۔ فقط“

ضمیمہ الحکم

مورخہ ۲۸ مئی ۱۹۰۸ء

المسیح ابن مریم الا رسول۔ قد خلت من قبلہ الرسل

غیر معمولی پرچہ الحکم مورخہ ۲۸ ماہ مئی ۱۹۰۸ء

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال

حضرت حکیم الامۃ کا بطور خلیفۃ المسیح انتخاب

ہر کہ آمد بجہاں اہل فنا خواہد بود
وآنکہ پائندہ و باقی ست خدا خواہد بود

بوالقاسم محمد زندہ بود
بدنیا گرکسے پائندہ بود

الحکم کا یہ غیر معمولی پرچہ ایک ایسی خبر لیکر آتا ہے۔ جس کے سُننے کے لئے اس وقت ناظرین شاید طیار نہ ہوں مگر خدا تعالیٰ کے کام اٹل ہیں اور اُس کی باتیں سچی۔ خدا تعالیٰ کا برگزیدہ بندہ جری اللہ فی حلل الانبیا حضرت مسیح موعود اللہ تعالیٰ کے وعدہ کے موافق اپنے وقت پر آیا اور اپنے وقت پر خدا تعالیٰ کی طرف بلایا گیا ٹھیک اسی طرح پر جس طرح پہلے تمام مامور و مرسل یہاں تک کہ ان سب کے سرتاج اور ہم سب کے سید و مقتدا حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اس فانی دنیا سے چلے گئے۔ اس وقت طبیعت میں سکت اور تاب نہیں جو اس واقعہ وفات کے متعلق زیادہ لکھ سکوں انشاء اللہ العزیز ۲ جون ۱۹۰۸ء کے الحکم میں حضرت خلیفۃ اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت پر ایک آرٹیکل لکھوں گا۔ اس ضمیمہ کی غرض صرف اس واقعہ کی اطلاع اور اس امر کی خبر ہے کہ حضرت حکیم الامۃ کو خلیفۃ المسیح تسلیم کر کے اُن کے ہاتھ پر بیعت کی گئی ہے۔ چنانچہ سکرٹری صاحب صدر انجمن احمدیہ کی چٹھی درج ذیل ہے (ایڈیٹر الحکم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

برادران۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ حضرت سیدی ومولائے عالی جناب مسیح الموعود و مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام بتاریخ ۲۴ ماہ ربیع الاخر ۱۳۲۶ ہجری علے صاحبہا التحیۃ والسلام مطابق ۲۶ ماہ مئی ۱۹۰۸ء بروز منگل بوقت ½ ۱۰ بجے صبح کے بمقام لاہور احمدیہ بلڈنگس میں اس دار فانی سے بعارضہ پرانی بیماری اسہال رحلت کر کے اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔ آپ کا جنازہ لاہور سے بذریعہ ریلوے گاڑی ۵ بجے شام کے لاہور سے بٹالہ لایا گیا۔ اور اسٹیشن بٹالہ رات کے آخری حصہ میں احباب جنازہ کو اپنے کندھوں پر اُٹھا کر قادیان لائے۔ اور دار الامان قادیان میں بعد نماز جنازہ پانچ اور چھ بجے شام کے درمیان تاریخ ۲۷ مئی ۱۹۰۸ء مقبرہ بہشتی میں دفن کئے گئے انا للہ و انا الیہ راجعون۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان و اقرباء حضرت مسیح موعود و باجازت حضرت اُم المومنین کُل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی اور جس کی تعداد اس وقت بارہ سو تھی۔ والا مناقب حضرت حاجی الحرمین شریفین جناب حکیم نور الدین صاحب سلمہٗ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ معتمدین میں سے ذیل کے اصحاب موجود تھے۔ مولانا حضرت سید محمد احسن صاحب۔ صاحبزادہ بشیر الدین محمود احمد صاحب۔ جناب نواب محمد علی خان صاحب۔ شیخ رحمت اللہ صاحب۔ مولوی محمد علی صاحب۔ ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب۔ ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب۔ خلیفہ رشید الدین صاحب۔ وخاکسار (خواجہ کمال الدین) موت اگرچہ بالکل اچانک تھی۔ اور اطلاع دینے کا بہت ہی کم وقت ملا۔ تاہم انبالہ۔ جالندھر۔ کپورتھلہ۔ امرتسر۔ لاہور۔ گوجرانوالہ۔ وزیر آباد۔ جموں۔ گجرات۔ بٹالہ۔ گورداسپور وغیرہ مقامات سے مُعزز احباب آگئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ ایک کثیر جماعت نے قادیان اور لاہور میں پڑھا۔ حضرت قبلہ حکیم الامۃ سلمہ کو مندرجہ بالا جماعتوں کے احباب اور دیگر کُل حاضرین قادیان نے جن کی تعداد اوپر دی گئی ہے۔ بالاتفاق خلیفۃ المسیح قبول کیا۔ یہ خط بطور اطلاع کُل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اس خط کے پڑھنے کے بعد فی الفور حضرت حکیم الامۃ خلیفۃ المسیح والمہدی کی خدمت بابرکت میں بنات خود یا بذریعہ تحریر حاضر ہو کر بیعت کریں۔ چندوں کے متعلق سر دست یہ لکھا جاتا ہے کہ ہر قسم کے چندے جس میں چندہ لنگر خانہ بھی شامل ہے۔ محاسب صدر انجمن احمدیہ قادیان کے نام حسب معمول بھیجے جاویں۔ بیعت کے الفاظ حسب ذیل ہیں:۔

اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وحدہٗ لا شریک لہٗ و اشہد ان محمداً عبدہٗ و رسولہٗ **تین بار**

آج میں نور الدین کے ہاتھ پر تمام اُن شرائط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں جن شرائط سے مسیح موعود اور مہدی معہود بیعت لیا کرتے تھے۔ اور نیز اقرار کرتا ہوں کہ خصوصیت سے قرآن و احادیث صحیحہ کے پڑھنے سُننے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اشاعت الاسلام میں جان و مال سے بقدر وسعت و طاقت کمربستہ رہونگا اور انتظام زکوٰۃ بہت احتیاط سے کرونگا۔ اور باہمی اخوان میں رشتہ محبت کے قائم رکھنے اور قائم کرنے میں سعی کرونگا

خواجہ کمال الدین پلیڈر
سکرٹری صدر انجمن احمدیہ

(۱) استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ (تین بار) (۲) رب انی ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفر لی ذنوبی فانہ لا یغفر الذنوب الا انت۔ ترجمہ اے میرے رب میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں اپنے گناہ کا اقرار کرتا ہوں میرے گناہ بخش کہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔ آمین

وفات مسیح

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

برادران - السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ - جیساکہ آپ سب صاحبان کو معلوم ہے - حضرت اماماومولانا حضرت مسیح موعود ومہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام
کو اسہال کی بیماری بہت دیر سے تھی اور جب آپ کوئی دماغی کام زور سے کرتے تھے حضور کو یہ بیماری بہ سبب کھانا نہ ہضم ہونے کے ہوجایا کرتی تھی - اور چونکہ دل سخت کمزور تھا -
نبض ساقط ہوجایا کرتی تھی اور عموماً مشک وغیرہ کے استعمال سے واپس آجاتی تھی - اس دفعہ لاہور کے قیام میں بھی حضور کو دو تین دفعہ پہلے یہ حالت ہوئی - لیکن ۲۵ تاریخ مئی کی شام
کو جبکہ آپ سارا دن **پیغام صلح** کا مضمون لکھنے کے بعد سیر کو تشریف لے گئے تو واپسی پر حضور کو پھر اس بیماری کا دورہ شروع ہوگیا - اور وہی دوائی جو کہ پہلے مقوی
معدہ استعمال فرماتے تھے مجھے حکم بھیجا - تو بنواکر بھیجدی گئی - مگر اُس سے کوئی فایدہ نہ ہوا - اور قریباً گیارہ بجے اور ایک دست آنے پر طبیعت ازحد کمزور ہوگئی - اور
مجھے اور خلیفہ حضرت مولوی نورالدین صاحب کو طلب فرمایا ...... مقوی ادویہ دی گئیں - اور اس خیال سے کہ دماغی کام کی وجہ سے یہ مرض شروع ہوئی - نیند آنے
سے آرام آجاویگا ہم واپس اپنی جگہ پر چلے گئے مگر تقریباً دو اور تین بجے کے درمیان ایک اور بڑا دست آگیا - جس سے کہ نبض بالکل بند ہوگئی - اور مجھے اور حضرت مولانا خلیفۃ المسیح
مولوی نورالدین صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب کو بلوایا اور برادرم ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کو بھی گھر سے طلب کیا - اور جب وہ تشریف لائے تو مرزا صاحب کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ
مجھے سخت دورہ اسہال کا ہوگیا ہے - آپ کوئی دوائی تجویز کریں - پھر ساتھ ہی فرمایا کہ "حقیقت میں تو دوا آسمان پر ہے - آپ دوا بھی کریں اور دعا بھی" علاج شروع کیا گیا - چونکہ حالت نازک
ہوگئی تھی اس لئے ہم پاس ہی ٹھیرے رہے اور علاج باقاعدہ ہوتا رہا مگر پھر نبض واپس نہ آئی یہانتک کہ ۱۰ ½ صبح (اجد اسکے کہ حافظ فضل احمد صاحب نے سورہ یٰس سُنائی) ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء کو بروز منگل کو حضرت
اقدس کی روح اپنے محبوب حقیقی سے جاملی اناللہ وانا الیہ راجعون - اس عرصہ میں حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف یہی کہتے رہے - اے میرے پیارے - اے میرے پیارے - اے میرے پیارے
اللہ - اے میرے پیارے اللہ - یہی الفاظ بڑے محبت بھرے لہجہ میں آپ کہتے رہے اور جب صبح کو نماز کی اذان کان میں پڑی تو پوچھا کہ "کیا صبح کا وقت ہوگیا" پھر باوجود سخت ناطاقتی اور کمزوری کے آپ نے
نماز کی نیت باندھی اور نماز ادا کی یہانتک کہ اُس پیارے کو جاملنے کیلئے آپ رات دن کوشاں تھے - نیز حضرت اُم المومنین نے اُس وقت وہ نمونہ دکھایا کہ اُس سے انسان حضرت اقدس کی قوت قدسی کا اندازہ اچھی
طرح سے کر سکتا ہے ہم سب چھ سات گھنٹے حضرت اقدس کی خدمت میں رہے - اُم المومنین برقعہ پہنے خدمت والا میں حاضر رہیں - اور کبھی سجدہ میں گر جاتیں - اور بار بار یہی کہتی تھیں کہ اے حی وقیوم خدا ! اے
میرے پیارے خدا - اے قادر مطلق خدا - اے مردوں کے زندہ کرنیوالے خدا تو ہماری مدد کر - اے واحدہٗ لاشریک خدا - اے خدا میرے گناہوں کو بخش - میں گنہگار ہوں - اے میرے مولا میری زندگی بھی ان کو
دیدے - میری زندگی کس کام کی ہے - یہ تو دین کی خدمت کرتے ہیں - میری زندگی بھی ان کو دے دے بار بار یہی الفاظ آپ کی پاک زبان پر تھے - کسی قسم کی جزع وفزع آپ نے نہیں فرمائی - اور اخیر
میں جبکہ انجام بہت قریب تھا آپ نے فرمایا - اے میرے پیارے خدا یہ تو ہمیں چھوڑتے ہیں - مگر تو ہمیں نہ چھوڑیو - اور کئی بار یہ کہا - اور جب آخر میں یٰس پڑھی گئی اور دم نکل گیا تو اندر مستورات نے
رونا شروع کیا - مگر آپ بالکل خاموش ہوگئیں اور اُن عورتوں کو بڑے زور سے جھڑک دیا اور کہا کہ میرے تو خاوند تھے - جب میں نہیں روئی تم کون رونے والی ہو - ایسا صبر واستقلال کا نمونہ ایک
ایسی پاک عورت سے جو کہ ایسی ناز ونعمت میں پلی ہوئی ہو - اور جسکا ایسا بادشاہ اور ناز اُٹھانیوالا خاوند انتقال کرجاوے ایک اعجاز ہے - اسی طرح صاحبزادہ بشیرالدین محمود احمد صاحب نے اپنا پورا
صبر اور استقلال کا نمونہ دکھایا اور ہر طرف سے سوا حی وقیوم کے الفاظ کے اور کوئی آواز نہ آتی تھی - یہ سارا نقشہ حضرت اقدس کی قوت قدسی کا اندازہ کرنے کے لئے ایک انصاف پسند آدمی
کے لئے کافی ہے - اس سے میرے اور دیگر حاضرین کے ایمان کو ازحد تقویت پہنچی - آخر میں یہ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مبرور کی ... روح کے درجات کو زیادہ کرے - اور خاص رحمتوں کے
نزول کی جگہ فرماوے - فقط

خاکسار

سید محمد حسین اسسٹنٹ سرجن احمدیہ بلڈنگس لاہور - ۲۹ مئی ۱۹۰۸ء

مطبوعہ انوار احمدیہ مشین پریس قادیان

حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی بیعت

حضرت مولوی نورالدین صاحب خلیفۃ المسیح الاولؓ کی اس تقریر پر سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم آپ کے احکام مانیں گے۔ آپ ہمارے امیر ہیں اور ہمارے مسیح علیہ السلام کے جانشین ہیں۔ چنانچہ باغ میں ہی قریباً بارہ سو احباب نے بیعت کی۔ (تاریخ احمدیت جلد 2 ص 555-557)





مقام ظہور قدرت ثانیہ۔ قادیان

بیعت کے الفاظ

یہ تھے: ”اَشۡھَدُ اَنۡ لَّاۤ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَا شَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ“ (تین بار)

”آج میں نورالدین کے ہاتھ پر تمام ان شرائط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں جن شرائط سے مسیح موعود مہدی معہود بیعت لیا کرتے تھے اور نیز اقرار کرتا ہوں کہ خصوصیت سے قرآن و سنت اور احادیث صحیحہ کے پڑھنے سننے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اشاعت اسلام میں جان و مال سے بقدر وسعت و طاقت کمربستہ رہوں گا اور انتظام زکوٰۃ بہت احتیاط سے کروں گا اور باہمی اخوان میں رشتہ محبت کے قائم رکھنے اور قائم کرنے میں سعی کروں گا۔ اَسۡتَغۡفِرُ اللّٰہَ رَبِّیۡ مِنۡ کُلِّ ذَنۡبٍ وَّ اَتُوۡبُ اِلَیۡہِ (تین بار) رَبِّ اِنِّیۡ ظَلَمۡتُ نَفۡسِیۡ وَاعۡتَرَفۡتُ بِذَنۡبِیۡ فَاغۡفِرۡ لِیۡ ذُنُوۡبِیۡ فَاِنَّہٗ لَا یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ اِلَّاۤ اَنۡتَ۔ ترجمہ: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔ میرے گناہ بخش کہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔ آمین“ (حیاتِ نور صفحہ 335 تا 337)

جنازہ، آخری زیارت اور تدفین

بیعت خلافت ہو چکی تو حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے کچھ وقفہ بعد حضرت مرزا سلطان احمد صاحبؓ کے مملوکہ باغ میں کنوئیں کے قریب نماز جنازہ پڑھائی۔ اس وقت رقت کا یہ عالم تھا کہ ہر طرف سے گریہ وزاری کی آواز اٹھ رہی تھی۔ نماز عصر کے بعد سب خدام نے یکے بعد دیگرے حضورؑ کے نورانی چہرہ کے آخری دیدار کیا۔ آخری زیارت کرانے کی یہ خدمت حضرت بھائی عبد الرحمٰن صاحبؓ قادیانی کے حصہ میں آئی۔ حضورؑ کا جسد اطہر اس وقت اس مکان کے درمیانی کمرہ میں جنوبی دیوار کے دونوں مغربی دروازوں کے درمیان رکھا ہوا تھا جو بہشتی مقبرہ کے شمال مغرب کی طرف ہے۔ نعش مبارک اس چارپائی پر رکھی ہوئی تھی جو لاہور سے ساتھ لائی گئی تھی۔ حضرت بھائی صاحبؓ چارپائی کے شمال میں حضورؑ کے سر مبارک کی طرف زمین پر بیٹھ گئے۔ پہلے مردوں نے پھر مستورات نے زیارت کی۔ احباب صحن کی طرف مغربی دیوار کے جنوبی حصہ میں لگے ہوئے دروازہ سے صحن میں اور صحن سے کمرہ میں آتے اور زیارت کر کے کمرہ کے شمالی دروازہ سے باہر نکلتے جاتے۔ حضورؑ کے چہرہ مبارک پر نور برس رہا تھا اور جسم مقدس پر گرمی کے اثرات کا کچھ بھی اثر نہ تھا۔



جنازہ گاہ۔ بہشتی مقبرہ قادیان

حضرت ام المومنینؓ اس وقت صحن کے جنوب مغربی حصہ میں خواتین کے مجمع میں تشریف فرما تھیں۔ آخری زیارت کے بعد نعش مبارک صحن کے مشرقی دروازہ سے نکال کر مدفن تک لے جائی گئی اور کوئی [ساڑھے پانچ یا] چھ بجے کے قریب حضور علیہ السلام کا جسد مبارک سینکڑوں اشکبار آنکھوں اور غمزدہ دلوں کے ساتھ بہشتی مقبرہ کی خاک مقدس کے سپرد کر دیا گیا۔

حیف در چشم زدن صحبت یار آخر شد
روئے گل سیر ندیدم کہ بہار آخر شد

مزار مبارک، کتبہ اور چار دیواری



حضرت اقدس علیہ السلام کا مزار مبارک بالکل کچا رکھا گیا اور محض شناخت کے لئے قبر کے سرہانے چونے کی دیوار پر سیاہی سے عارضی طور پر یہ الفاظ لکھ دیئے گئے ”جناب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی رئیس قادیان مسیح موعود و مجدد صدی چہار دہم تاریخ وفات 26/مئی 1908ء“ مستقل کتبہ کے لئے مولوی محمد احسن صاحب امروہی نے جو افسر بہشتی مقبرہ تھے 21/فروری 1909ء کے الحکم میں ایک بہت لمبا کتبہ لکھا جس میں مسیح وقت و مہدی و مجدد جری اللہ فی حلل الانبیاء اور نبی وغیرہ القاب سے یاد کیا گیا تھا مگر خلافت اولیٰ میں اس کے لکھنے کی نوبت نہ آئی۔ خلافت ثانیہ میں جب کہ بارشوں کی وجہ سے دیوار کی سیاہی کے الفاظ دھل گئے تو سنگ مرمر کا مستقل کتبہ نصب کیا گیا جس پر یہ الفاظ درج کئے گئے:

مزار مبارک حضرت اقدس مرزا غلام احمد صاحب قادیانی
مسیح موعود و مہدی مسعود علیہ و علیٰ مطاعہ محمد الصلوٰۃ والسلام
تاریخ وفات 24/ربیع الثانی 1326ھ بمطابق 26/مئی 1908ء

انّا للہ وانّا الیہ راجعون۔

یہی کتبہ آج تک موجود ہے۔ نومبر 1925ء میں حفاظت کی غرض سے مزار کے ارد گرد چار دیواری بھی تعمیر کر دی گئی۔ (تاریخ احمدیت جلد 2 ص 558-559)

جیسا کہ ابھی ذکر ہوا ہے کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار مبارک کے لئے ایک کتبہ مولوی محمد احسن امروہی صاحب نے بھی لکھا تھا۔ جو کہ ہفت روزہ الحکم میں ”لوح مزار مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام“ کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔ اس کی مکمل عبارت یہ تھی۔ (کچھ الفاظ پڑھے نہیں گئے وہ نقل بمطابق اصل سمجھے جائیں۔)

”لوح مزار مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مزار پر انوار کے لئے حضرت فاضل امروہی نے ایک لطیف کتبہ لکھا ہے۔ یہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہی کتبہ لکھا جاوے گا یا کچھ اور مگر یہ کتبہ بہت ہی قابل قدر اور علمی معلومات سے لبریز ہے۔ اس لئے میں الحکم میں درج کر دیتا ہوں۔ ایڈیٹر

کتبہ

مزار حضرت فردوس آشیانی جناب حضرت مرزا غلام احمدؑ قادیانی

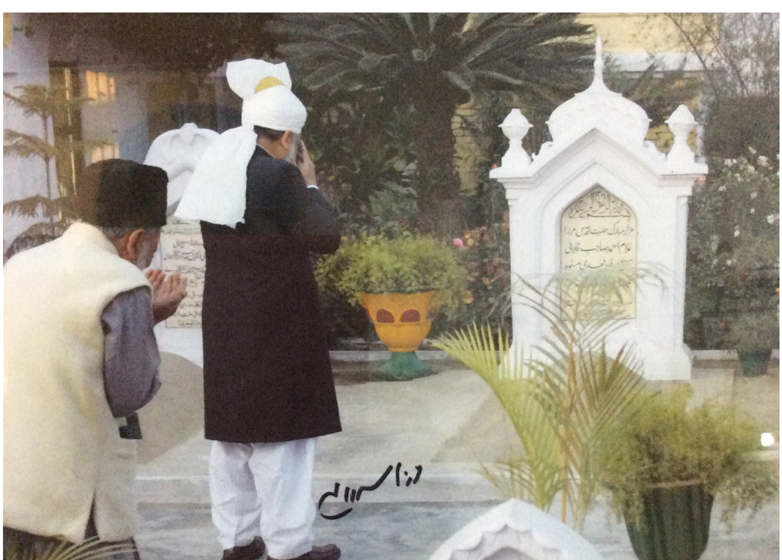
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً او مصلیًا

اَلَيۡسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبۡدَهٗ مرزا غلام احمدؑ مسیح وقت و مہدی ہم مجدد بر سر این صد حضرت اقدس جَرِیُّ اللّٰہِ فِیۡ حُلَلِ الۡاَنۡبِیَاءِ کی بعثت بلحاظ ظہور دعوت کے آخر 1300ھ اور شروع 1400ھ میں واقع ہوئی جیسا کہ حدیث صحیح ابو داؤد و مستدرک حاکم کا منطوق ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ یَبۡعَثُ لِھٰذِہٖ الۡاُمَّۃِ۔ الحدیث یعنی بہ تحقیق خود اللہ تعالیٰ اس امت محمدیہؐ کے دینی نفع رسانی کے لئے ہر صدی کے سر پر مبعوث اور مرسل فرماتا ہے۔ جو دین اسلام کی تجدید تمام امت کے لئے کرتا ہے۔ اور دین اسلام کو تازہ کر دیتا ہے۔ آپ کا نام مبارک غلام احمدؑ قادیانی بھی اسی کی طرف مشیر ہے۔ سچ ہے کہ الاسماء تنزل من السماء یعنی ایسے مقربین کے نام بھی آسمان سے ہی نازل ہوتے ہیں مع ہٰذا اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات بابرکات سے اس سے پیشتر بھی اوائل عمر سے ہی تائید دین اسلام کے لئے ایسے کام صادر کرائے جن سے دین اسلام کی تجدید ہوتی رہی ولنعم ما قیل

سالیکہ نکوست از بہارش پیدا است

خصوصاً 1275 ہجری سے حسب الحکم پیشین گوئی مندرجہ قرآن مجید و حدیث صحیح متفق علیہ یعنی آیت وَّاٰخَرِیۡنَ مِنۡهُمۡ لَمَّا يَلۡحَقُوۡا بِهِمۡ اور حدیث لَوۡ کَانَ الۡاِیۡمَانُ ... مُعَلَّقًا بِالثُّرَیَّا لَنَالَہٗ رَجُلٌ مِّنۡ فَارِسَ کے 1275



ہجری سے بہار دین اسلام کا آغاز ہو چلا تھا۔ جس کا حضور تام آغاز 1400 ہجری ہے ہوا کیسی صادق ہوئی۔ مثل مشہور ہندی کے ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات۔ دین اسلام کی تائید اور تمکین میں آنجناب فردوس آشیان جملہ مجد دین و اولیا سابقین امت محمدیہؐ سے بدرجہا افضل اور عظیم الشان تھے کیونکہ لقب نبی اللہ کا حضرت سید المرسلین صلعم کی طرف سے اور نیز سلام کا پہنچانا ایک خصوصیت کے ساتھ آپ ہی کے لئے وارد ہوا ہے اور کسی کے لئے وارد نہیں ہوا دیکھو صحیح مسلم و اور دیگر کتب حدیث کو مَنْ اَدْرَكَ مِنْكُمْ عِيْسَى بْنَ مَرْيَمَ ... آپ کا تفرد فضائل تبلیغ دین اسلام میں اور کشف معارف قرآنی میں اظہر من الشمس ہے۔ قوم سکھوں پر جو اتمام حجہ فرمایا ہے۔ بابا نانک صاحب کی وفات کے بعد کسی مجدد نے یا سلاطین اسلام میں سے کسی سلطان اسلام نے نہیں کیا۔ قوم سکھوں میں جو پہلے تعصب و عناد مسلمانوں کے ساتھ تھا وہ اب رفع ہوتا چلا جاتا ہے اور امید کی جاتی ہے کہ آئندہ ان کی نسلیں اسلام میں بھی داخل ہو جاویں۔ صَدَقَ اللهُ تَعَالٰى لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ۔ جو کسر صلیب حسب مراد و مضمون صحیح حدیث کے آپ نے فرمایا ہے وہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ اَیْ يُبْطِلُ دِيْنَ النَّصْرَانِيَةِ بِالْحِجَجِ وَالْبَرَاهِيْنِ۔ جن علمانے حضرت عیسیٰ کو زندہ بجسدہ عنصری آسمان دوم پر چڑھار کھا ہے۔ وہ کیا کسر صلیب کر سکیں گے۔ کیونکہ ایسا اعتقاد رکھنا تو ایک ستون شرک کا اور دین عیسوی کی سرتا پا تائید کرتا ہے اور دین اسلام کی توہین کرنا۔ کتب و رسائل عربی، فارسی اور اردو متحدیانہ کثرت کے ساتھ ایسی زبردست تحدی کے ساتھ تصنیف فرمائیں۔ جن کا مقابلہ آج تک کوئی مخالفت اندرونی اور بیرونی ہرگز نہیں کر سکا۔ کشف حقائق امارات ساعت اور توضیح نشانات قیامت میں بھی آنجناب متفرد ہیں جن کے کشف حقائق میں پچھلے مجددین اور اکابر علمائے محدثین و مفسرین امت محمدیہؐ حیران تھے۔ پس آپ کی ذات بابرکات سے وہ پیشگوئی مندرجہ قرآن مجید بھی بخوبی پوری ہوگئی جو دوبارہ آمد مسیح کے لئے ارشاد فرمائی گئی تھی کہ اِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِلسَّاعَةِ یعنی بے شک وہ مثیل ابن مریم قیامت کے لئے موجب علم کا ہوگا۔ اس لئے مسیح موعودؑ کا وجود باجود باتفاق محدثین کے ایک علامت تھا۔ علامات قیامت سے آپ کے دعاوی کی خصوصیت اور صداقت کا کس قدر نشان عظیم الشان ہے جو حدیث صحیح متفق علیہ میں آیا ہے کہ لَنْ يُقْبَضَ نَبِيٌّ حَتّٰى يَرَى مَقْعَدَهٗ مِنَ الْجَنَّةِ ... یعنی آنے والے زمانہ آخری میں ایک نبی ہرگز قبض روح نہ کیا جاویگا۔ یہاں تک کہ دکھلایا جاوے گا اس کو مقام اس کا جنت میں سے پھر وہ اختیار دیا جاوے گا یعنی خواہ دنیا میں رہے یا فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُقْتَدِرٍ رفیق اعلیٰ کا قرب اختیار کرے۔ اس حدیث کے مصداق کامل آپ تھے۔ کیونکہ اس کلام نبوت میں صرف لن موجود ہے۔ جو خاص واسطے استقبال کے آتا ہے اور اس حدیث صحیح متفق علیہ کے آپ کو پیشتر دو نیم سال وفات کے مقبرہ بہشتی دکھلایا گیا۔ اور اسی کشف اور دیگر الہامات کے مطابق رسالہ الوصیت تمام دنیا میں شائع کیا گیا۔ اور ایک محکمہ دفتر وصایا مقبرہ بہشتی کا قائم کیا گیا۔ جس کا

انچارج یہی خاکسار ہے۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ هَدَانَا لِهٰذَا وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِیَ لَوْلَا اَنْ هَدَانَا اللّٰهُ اور جیسا کہ حضرت خاتم النبیین صلعم نے بوقت نزول سورۃ النصر والفتح وغیرہ کے ارشاد و اخبار فرمایا تھا۔ جس کو بعض صحابہ بھی سمجھ گئے تھے کہ مجھ کو اپنی وفات کی خبر اس سورت کے نزول سے دی گئی ہے متفق علیہ۔ اسی طرح حضرت اقدس علیہ السلام کو بڑی کثرت سے الہامات وفات کے نازل ہوئے۔ دیکھو رسالہ الوصیت، ریویو و تشحیذ الاذہان و بدر اور الحکم کو جو مطبوعہ پیشتر آپ کی وفات سے دو نیم سال دنیا میں شائع ہوئے ہیں۔... جس طرح حضرت خاتم النبیین صلعم نے رفیق اعلیٰ میں رہنا پسند فرمایا۔ جس پر فَاخْتَارَ مَا عِنْدَهٗ حدیث صحیح میں آیا ہے اسی طرح پر بعد بعد دکھلائے جانے بہشتی مقبرہ کے حضرت اقدس نے بھی قرب الٰہی میں رہنا پسند کیا۔ جو آپ کی اکثر کلاموں سے بخوبی واضح ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ ارشاد فرماتے ہیں

جلد آ پیارے ساقی اب کچھ نہیں ہے باقی
دے شربتِ تلاقی حرص و ہوا یہی ہے

اور جیسا کہ حضرت خاتم النبیین صلعم نے امت محمدؐیہ کی نسبت ارشاد فرمایا تھا۔ اِنِّیْ لَسْتُ اَخْشٰی عَلَیْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِیْ وَلٰكِنِّیْ اَخْشٰی عَلَیْكُمُ الدُّنْیَا اَنْ تَنَافَسُوْا فِیْهَا یعنی بہ تحقیق میں نہیں ڈرتا ہوں تم پر مشرک اور کافر ہونے سے پیچھے مرے ولکن ڈرتا ہوں میں تم پر دنیا سے کہ تم رغبت کرنے لگو اس میں۔ اسی کے قریب قریب رسالہ الوصیت مطبوعہ قبل از وفات دو نیم سال میں موجود ہے اور بعض روایات میں آنحضرت صلعم کی وفات بروز منگل ہوئی ہے۔ بروز محمدؐی کی وفات بھی بروز شنبہ 26 مئی 1908ء کو واقع ہوئی۔ اور 27 مئی 08ء کو آپ دفن کئے گئے۔ جیسا کہ الہام مطبوعہ میں واقع ہوا ہے کہ 27 تاریخ کو ہمارے متعلق ایک واقعہ وَاللّٰهُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی اور جس طرح پر رسول کریم صلعم فرط اور میر منزل ہو کر پیشتر اکثر افراد صحابہ سے وفات پا گئے۔ كَمَا... قَالَ علیہ السلام اِنِّیْ بَیْنَ اَیْدِیْكُمْ فَرَطٌ اسی طرح پر حضرت اقدسؑ کا وفات پا جانا بھی جماعت احمدؐیہ کے لئے ایک طرح کی رحمت الٰہیہ ہے کہ ہمارے لئے آپ میر منزل ہوئے۔ خصوصاً جبکہ قدرت ثانیہ کے ظہور کا بھی ہم کو لحاظ ہووے۔ رفع غم و اداسی کے لئے حدیث ابی موسیٰ اشعری کی یاد رکھنی چاہیئے۔ جس میں آپ کی وفات کو بھی رحمت قرار دیا گیا ہے۔ مگر انہیں لوگوں کے لئے جو آپ کے پیرو ہو کر تائید دین اسلام میں ساعی اور کوشاں ہوں ورنہ پھر تو عذاب اور ہلاکت کے سوا اور کیا متصور ہو سکتا ہے۔ سید محمد احسن امروہی افسر مقبرہ بہشتی“

(الحکم 21 فروری 1909ء نمبر 7 جلد 13 صفحہ 2، 3)

تدفین کی کچھ مزید اہم تفصیلات

محترم مولانا محمد یعقوب صاحب فاضل سابق انچارج صیغہ زود نویسی ربوہ کا ایک نوٹ درج کیا جاتا ہے جو آنمر حوم نے محترم مستری مہر دین صاحب سے مل کر اور سلسلہ کا لٹریچر مطالعہ کر کے بڑی محنت سے لکھا تھا۔

”اس جگہ یہ امر قابل ذکر ہے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے **جسد اطہر کو لحد میں نہیں بلکہ شق میں** رکھا گیا ہے۔روایت حضرت قاضی محمد ظہور الدین صاحب اکمل، میاں رحم دین صاحب باورچی، حکیم دین محمد صاحب و دیگر صحابہ اور بغیر تابوت کے آپ کو دفن کیا گیا ہے۔ تدفین کے وقت آپ کی قبر کی تیاری حضرت قاضی عبدالرحیم صاحب بھٹی کی زیر نگرانی ہوئی۔ “(اصحاب احمد جلد ششم صفحہ 72)

”کام کرنے کے لئے جو مزدور اور مستری لگائے ہوئے تھے ان میں سے ایک مستری حضرت میاں مہر دین صاحب ولد مستری گوہر دین صاحب تھے جو خدا تعالیٰ کے فضل سے اب تک زندہ ہیں اور قادیان کے قدیمی باشندے ہیں۔ان کی بیعت 1901ء کی ہے اور اس وقت نوابزادہ میاں محمد احمد خان صاحب کی زمینوں پر نگرانی کا کام کر رہے ہیں۔وہ چونکہ اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں اور انہوں نے اپنے ہاتھ سے حضور کی قبر کی تیاری کا کام مکمل کیا۔اس لئے میں اب ذیل میں انہی کے بیان کردہ واقعات درج کرتا ہوں۔یہ واقعات میں نے خود ان کی زبان سے سنے ہیں۔ مستری صاحب کی عمر گو اس وقت اسّی سال سے زیادہ ہے مگر جسمانی قویٰ خدا تعالیٰ کے فضل سے بہت اچھے ہیں اور دماغ بھی پوری طرح کام کرتا ہے اور واقعات کو انہوں نے خوب اچھی طرح یاد رکھا ہے۔انہوں نے بتایا کہ

”چونکہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کی اطلاع لاہور سے قادیان پہنچ چکی تھی اس لئے بہشتی مقبرہ میں آپ کی قبر راتوں رات تیار کی گئی۔ **قبر کھودنے میں ثواب کی خاطر** پانچ سات احمدی دوستوں نے حصہ لیا۔جن میں سے میاں امام دین، میاں فضل دین اور میاں صدر الدین صاحبان کے نام انہیں خاص طور پر یاد ہیں۔

”جب جنازہ قادیان پہنچا تو لاہور کے اکابر جماعت کا مشورہ یہ تھا کہ قبر پختہ بنائی جائے۔ان دنوں قادیان میں کوئی اینٹوں کا بھٹہ نہ تھا بلکہ پختہ اینٹیں بٹالہ سے منگوائی جاتی تھیں۔اس لئے پختہ اینٹوں کیلئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحن کی ایک پردہ کی دیوار سے پختہ اینٹیں اکھیڑی گئیں اور گدھوں پر لاد کر بہشتی مقبرہ لے جائی گئیں۔یہ اینٹیں چھوٹے سائز کی تھیں۔

”مستری صاحب کہتے ہیں کہ قاضی عبدالرحیم صاحب نے مجھے اور مستری محمد اسماعیل صاحب کو جو حضرت نواب محمد علی خان صاحب کے ملازم تھے اور معماری کا کام جانتے تھے بلایا اور ہم قبر بنانے لگے۔آپ کی قبر ساڑھے سات فٹ لمبی تھی اور چار یا پونے چار فٹ چوڑی تھی۔اس کے اندر پختہ اینٹوں کی جو چھوٹے سائز کی تھیں ایک

چاردیواری بنائی گئی۔ یہ دیواریں چھ سات انچ موٹی تھیں اور زمین سے اڑھائی فٹ اونچی تھیں۔جب یہ چاردیواری پختہ اینٹوں کی قبر کے اندر بند چکی تو میں نے قاضی صاحب سے کہا کہ اب چھوٹی اینٹوں کی ڈاٹ سیمنٹ یا چونہ سے لگنی چاہئے تب محفوظ رہ سکی گی۔انہوں نے کہا کہ حضرت مولوی صاحب یعنی حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ سے پوچھ لیتے ہیں۔ آپ سے دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول کریم ﷺ کی قبر اوپر سے پکی نہیں ہے اس لئے یہ بھی پکی نہیں بنانی چاہئے۔اس کے بعد ہم نے ڈاٹ کے لئے کچی اینٹوں کو گرانا شروع کر دیا۔اس وقت ہمیں خیال آیا کہ اگر یونہی ڈاٹ لگادی گئی تو حضرت مسیح موعودؑ کے جسد اطہر پر مٹی اور کنکریاں وغیرہ گریں گی اس لئے بہتر ہے کہ اس پختہ چاردیواری کے اوپر تختے رکھ دیئے جائیں۔چنانچہ اس غرض کے لئے اس تابوت کو جو لاہور سے لایا گیا تھا ایک احمدی دوست مستری فقیر محمد صاحب نے کاٹا اور اس کے تختے بنا بنا کر اوپر رکھے مگر وہ تختے پورے نہ ہوئے۔اس پر ایک پرانی میز کا فرش اکھیڑا گیا اور اس کے تختے بنائے گئے تب اس چاردیواری کے تختے مکمل ہوئے۔

”مستری صاحب کہتے ہیں کہ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد میں جلدی سے گیا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے رخ انور کی آخری بار زیارت کی۔اس وقت کثرت سے لوگ آپ کی زیارت کر چکے تھے۔میں نے جب آپ کو دیکھا تو مجھے ایسا محسوس ہوا کہ جیسے آپ سو رہے ہیں۔ آپ کے چہرہ مبارک پر کوئی زردی وغیرہ نہیں تھی۔

”زیارت سے فارغ ہونے کے بعد حضرت خلیفہ اولؓ نے فرمایا کہ اب بہت دیر ہو چکی ہے اب جلدی دفنانا چاہئے۔ مستری صاحب کہتے ہیں اس وقت معاً میرے دل میں ایک خیال پیدا ہوا اور میں نے کچھ مزدور ساتھ لئے اور جلدی سے باہر چلا گیا۔ان دنوں بہشتی مقبرہ کے باغ کے باہر قریب ہی ایک کنواں لگ رہا تھا۔میں نے مزدوروں سے کہا کہ یہاں سے فوراً ریت لے چلو اور خود بھی ریت اٹھالی اور پھر چھلنی سے اسے چھانا اور اس کے بعد قبر کے نیچے میں نے وہ تمام ریت بچھادی۔اس کام سے فارغ ہونے کے بعد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے جسد اطہر کو قبر میں اتارا گیا۔اس وقت بہت بڑا ہجوم قبر کے ارد گرد جمع ہو گیا اور بیسیوں ہاتھ آپ کو قبر میں اتارنے کے ثواب میں شریک ہونے کے لئے بیتابی کے ساتھ آگے بڑھے۔حضرت خلیفہ ثانی بھی پاس ہی تھے اور حضور کے خاندان کے دوسرے افراد اور مخلصین بھی۔جب آپ کو قبر میں اتار دیا گیا تو پھر تختے رکھے گئے مگر انہیں کیلوں سے بند نہیں کیا گیا۔اس کے بعد کچی اینٹوں کی ڈاٹ لگادی گئی۔چونکہ شام کا وقت ہو رہا تھا۔اس لئے اس وقت ہجوم میں سے دو اور احمدی راج بھی ہمارے ساتھ شامل ہو گئے۔انہوں نے ایک طرف سے اور میں نے دوسری طرف سے ڈاٹ لگانی شروع کر دی اور خدا تعالیٰ کے فضل سے جلدی ہی تکمیل کو پہنچ گئی۔یہ گول ڈاٹ تھی جو کچی اینٹوں سے بنائی گئی...

مزار مبارک پر آخری دعا بھی حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ نے ہی فرمائی۔تدفین سے فارغ ہونے کے

بعد حضرت خلیفہ اول رضی اللہ عنہ کی فرطِ غم سے یہ کیفیت تھی کہ آپ سے چلا بھی نہیں جاتا تھا۔ چانچہ آپ بمشکل مکرم چوہدری فتح محمد صاحب سیال اور مکرم حکیم دین محمد صاحب کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بہت آہستگی سے جب کہ آپ سے اپنا جسم بھی سہارا نہیں جاتا تھا اور قدم گھسٹتے چلے آتے تھے اپنے گھر پہنچے۔''

(لاہور تاریخ احمدیت ص 77-75ح)

توحید کے منّاد

قارئین کرام! ابھی ہم نے پڑھا اور چشم تصور نے دیکھا کہ حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب، جو کہ حضرت اقدس علیہ السلام کے ایک عاشق تھے۔ اپنے عہد کے ''صدیق'' تھے۔ انکی زندگی کو دیکھا جائے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ ایک شمع تھی کہ جس کے گرد یہ پروانہ وار گھوما کرتے تھے۔ یوں لگتا ہے کہ ان کے سانسوں کی ڈوری حضور اقدس علیہ السلام کے قدموں کے ساتھ بندھی ہوئی ہو، اور اب جب وہ چاند چہرہ نظروں سے اوجھل ہو گیا۔ تو مارے غم کے یہ نڈھال ہوئے جا رہے تھے۔ اور فراق کے اس دکھ کا یہ عالم تھا کہ دو مردوں کے کندھوں کا سہارا لے کر گھسٹتے ہوئے قدموں کے ساتھ یہ بہشتی مقبرہ سے گھر کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ یہ محبت کا ایک رنگ تھا۔ لیکن دوسری طرف خدائے احد و واحد و یگانہ سے محبت کا ایک رنگ بھی دیکھتے جائیں۔ کہ اسی طرح چلتے ہوئے جب لاہور سے لائے ہوئے تابوت کی بچی کچھی لکڑیوں کے متعلق کسی نے پوچھا جو ابھی قبر کے پاس پڑی تھیں کہ ان کا کیا کیا جائے تو توحید کے اس مناد نے بڑی جرأت کے ساتھ ان لکڑیوں کو پاؤں کی ٹھوکر مارتے ہوئے فرمایا کہ ان کو ڈھاب میں پھینک دو۔ ایسا نہ ہو کہ لوگ ان کے ساتھ شرک کریں۔ (ماخوذ از الفضل جلد 31، نمبر 124، مورخہ 27 مئی 1943ء ص 3 کالم 4-3)

آپ کی وفات پر مختلف اخبارات کے تبصرے

آپؑ کی وفات پر بہت سے اخبارات و رسائل نے تعزیتی نوٹ لکھے۔ چند ایک پیش خدمت ہیں:

اخبار ''وکیل'' امرتسر

مسلمان اخبارات میں سب سے زور دار موئثر اور حقیقت افروز ریویو اخبار ''وکیل'' امرتسر کا تھا اس نے لکھا:

''وہ شخص بہت بڑا شخص جس کا قلم سحر تھا اور زبان جادو۔ وہ شخص جو دماغی عجائبات کا مجسمہ تھا۔ جس کی نظر فتنہ اور آواز حشر تھی جس کی انگلیوں سے انقلاب کے تار الجھے ہوئے تھے اور جس کی دو مٹھیاں بجلی کی دو بیٹریاں تھیں۔ وہ شخص جو مذہبی دنیا کے لئے تیس برس تک زلزلہ اور طوفان رہا۔ جو شور قیامت ہو کے خفتگان خواب ہستی کو بیدار کرتا رہا۔ خالی ہاتھ دنیا سے اٹھ گیا...... مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کی رحلت اس قابل نہیں کہ اس سے سبق

حاصل نہ کیا جاوے اور مٹانے کے لئے اسے امتداد زمانہ کے حوالہ کر کے صبر کر لیا جائے۔ ایسے لوگ جن سے مذہبی یا عقلی دنیا میں انقلاب پیدا ہو ہمیشہ دنیا میں نہیں آتے۔ یہ نازش فرزندان تاریخ بہت کم منظر عالم پر آتے ہیں اور جب آتے ہیں دنیا میں انقلاب پیدا کر کے دکھا جاتے ہیں۔"

"میرزا صاحب کی اس رفعت نے ان کے بعض دعاوی اور بعض معتقدات سے شدید اختلاف کے باوجود ہمیشہ کی مفارقت پر مسلمانوں کو ہاں تعلیم یافتہ اور روشن خیال مسلمانوں کو محسوس کرا دیا ہے کہ ان کا ایک بڑا شخص ان سے جدا ہو گیا اور اس کے ساتھ مخالفین اسلام کے مقابلہ پر اسلام کی اس شاندار مدافعت کا جو اس کی ذات سے وابستہ تھی خاتمہ ہو گیا۔

ان کی یہ خصوصیت کہ وہ اسلام کے مخالفین کے برخلاف ایک فتح نصیب جنرل کا فرض پورا کرتے رہے ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس احساس کا کھلم کھلا اعتراف کیا جاوے تا کہ وہ مہتم بالشان تحریک جس نے ہمارے دشمنوں کو عرصہ تک پست اور پامال بنائے رکھا۔ آئندہ بھی جاری رہے۔"

"مرزا صاحب کا لٹریچر جو مسیحیوں اور آریوں کے مقابلہ پر ان سے ظہور میں آیا قبول عام کی سند حاصل کر چکا ہے اور اس خصوصیت میں وہ کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ اس لٹریچر کی قدر و عظمت آج جب کہ وہ اپنا کام پورا کر چکا ہے ہمیں دل سے تسلیم کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے کہ وہ وقت ہرگز لوح قلب سے نسیًا منسیًّا نہیں ہو سکتا جب کہ اسلام مخالفین کی یورشوں میں گھر چکا تھا اور مسلمان جو حافظ حقیقی کی طرف سے عالم اسباب و وسائط میں حفاظت کا واسطہ ہو کر اس کی حفاظت پر مامور تھے اپنے قصوروں کی پاداش میں پڑے سسک رہے تھے اور اسلام کے لئے کچھ نہ کرتے تھے یا نہ کر سکتے تھے۔ ایک طرف حملوں کے امتداد کی یہ حالت تھی کہ ساری مسیحی دنیا اسلام کی شمع عرفان حقیقی کو سر راہ منزل مزاحمت سمجھ کے مٹا دینا چاہتی تھی اور عقل و دولت کی زبردست طاقتیں اس حملہ آور کی پشت گری کے لئے ٹوٹی پڑی تھیں اور دوسری طرف ضعف مدافعت کا یہ عالم تھا کہ توپوں کے مقابلہ پر تیر بھی نہ تھے اور حملہ اور مدافعت دونوں کا قطعی وجود ہی نہ تھا......... کہ مسلمانوں کی طرف سے وہ مدافعت شروع ہوئی جس کا ایک حصہ مرزا صاحب کو حاصل ہوا۔ اس مدافعت نے نہ صرف عیسائیت کے اس ابتدائی اثر کے پرخچے اڑائے جو سلطنت کے سایہ میں ہونے کی وجہ سے حقیقت میں اس کی جان تھا اور ہزاروں لاکھوں مسلمان اس کے اس زیادہ خطرناک اور مستحق کامیابی حملہ کی زد سے بچ گئے بلکہ خود عیسائیت کا طلسم دھواں ہو کر اڑنے لگا......... غرض مرزا صاحب کی یہ خدمت آنے والی نسلوں کو گرانبار احسان رکھے گی کہ انہوں نے قلمی جہاد کرنے والوں کی پہلی صف میں شامل ہو کر اسلام کی طرف سے فرض مدافعت ادا کیا اور ایسا لٹریچر یادگار چھوڑا جو اس وقت تک کہ مسلمانوں کی رگوں میں زندہ خون رہے اور حمایت اسلام

کا جذبہ ان کے شعار قومی کا عنوان نظر آئے۔ قائم رہے گا۔

اس کے علاوہ آریہ سماج کی زہریلی کچلیاں توڑنے میں مرزا صاحب نے اسلام کی بہت خاص خدمت انجام دی ہے۔ مرزا صاحب اور مولوی محمد قاسم صاحب نے اس وقت سے کہ سوامی دیانند نے اسلام کے متعلق اپنی دماغی مفلسی کی نوحہ خوانی جابجا آغاز کی تھی، ان کا تعاقب شروع کر دیا۔ ان حضرات نے عمر بھر سوامی جی کا قافیہ تنگ رکھا۔ جب وہ اجمیر میں آگ کے حوالے کر دیئے گئے اس وقت سے اخیر عمر تک برابر مرزا صاحب آریہ سماج کے چہرہ سے انیسویں صدی کے ہندو ریفارمر کا چڑھایا ہوا ملمع اتارنے میں مصروف رہے۔ ان کی آریہ سماج کے مقابلہ کی تحریروں سے اس دعویٰ پر نہایت صاف روشنی پڑتی ہے کہ آئندہ ہماری مدافعت کا سلسلہ خواہ کسی درجہ تک وسیع ہو جائے ناممکن ہے کہ یہ تحریریں نظر انداز کی جاسکیں۔

فطری ذہانت مشق و مہارت اور مسلسل بحث مباحثہ کی عادت نے مرزا صاحب میں ایک شان خاص پیدا کر دی تھی۔ اپنے مذہب کے علاوہ مذہب غیر پر ان کی نظر نہایت وسیع تھی اور اپنی ان معلومات کا نہایت سلیقہ سے استعمال کر سکتے تھے۔ تبلیغ و تلقین کا یہ ملکہ ان میں پیدا ہو گیا تھا کہ مخاطب کسی قابلیت یا کسی مشرب و ملت کا ہو ان کے برجستہ جواب سے ایک دفعہ ضرور گہرے فکر میں پڑ جاتا تھا۔ ہندوستان آج مذاہب کا عجائب خانہ ہے اور جس کثرت سے چھوٹے بڑے مذاہب یہاں موجود ہیں اور باہمی کشمکش سے اپنی موجودگی کا اعلان کرتے رہتے ہیں اس کی نظیر غالباً دنیا میں کسی جگہ سے نہیں مل سکتی۔ مرزا صاحب کا دعویٰ تھا کہ میں ان سب کے لئے حکم و عدل ہوں۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ ان مختلف مذاہب کے مقابلہ پر اسلام کو نمایاں کر دینے کی ان میں بہت مخصوص قابلیت تھی اور یہ نتیجہ تھی ان کی فطری استعداد کا ذوق مطالعہ اور کثرت مشق کا۔ آئندہ امید نہیں ہے کہ ہندوستان کی مذہبی دنیا میں اس شان کا شخص پیدا ہو جو اپنی اعلیٰ خواہشیں محض اس طرح مذاہب کے مطالعہ میں صرف کر دے۔“

(بحوالہ بدر 18 جون 1908ء صفحہ 2-3، اخبار ”ملت“ لاہور 7 جنوری 1911ء، صفحہ 13 تا 15 بحوالہ اخبار الحکم جلد 15 نمبر 1)

(دوسرا تبصرہ) اخبار وکیل امر تسر

(مورخہ 30/ مئی 1908ء ص 1)

مرزا غلام احمد مرحوم

22/ مئی 1908ء (غالباً 26، مئی ہے۔ ناقل) کی صبح ہندوستان کی جدید مذہبی تاریخ میں دیر تک اہمیت سے دیکھی جائے گی۔ جب کہ دس بجے کے قریب مرزا غلام احمد صاحب قادیانی نے بعارضہ ہیضہ یا بقول بعارضہ درد گردہ انتقال کیا۔ مرحوم آجکل اپنی اہلیہ کے علاج اور تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے لاہور میں مقیم تھے۔ مگر وہ خدائی حکم جو



THE VAKIL

وکیل

نمبر ۱۶ | امرتسر | ۳۰ مئی ۱۹۰۸ء | ۲۸ ربیع الثانی ۱۳۲۶ھ شنبہ | جلد ۱۴

وکیل امرتسر

مرزا غلام احمد مرحوم

ایک ادنیٰ فرد اور زبردست تاجدار پر اور ایک فقیر اور اولوالعزم نبی پر یکساں عمل کرتا ہے آپہنچا اور اس سے ایک ایسے شخص کے وجود پر بدنیتی کا پردہ ڈال دیا جس نے اپنے عبرتناک دعاوی سے مذہبی دنیا میں تلاطم برپا کر دیا۔

مرزا صاحب کی لائف (سوانح عمری)

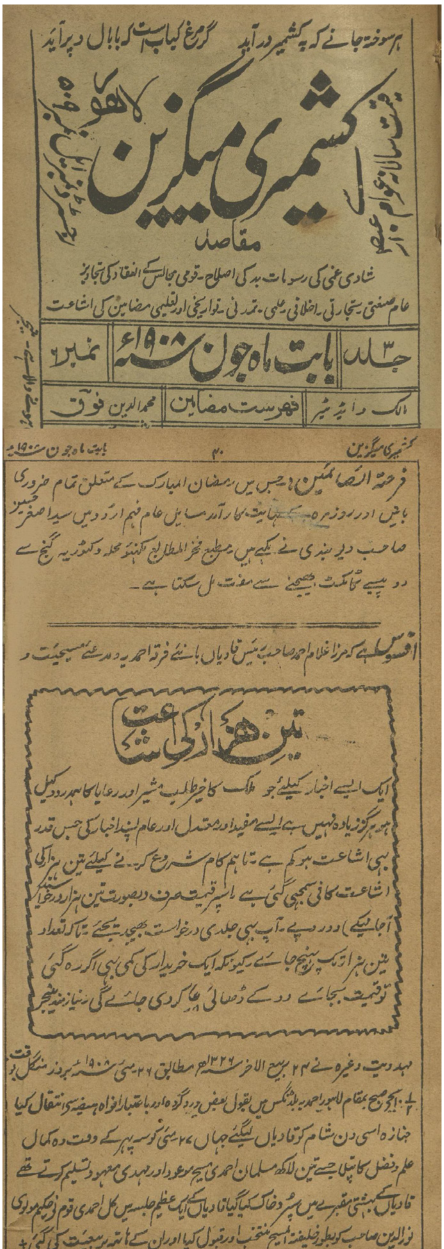
میں ابتدائی دنوں کے سوا آپ کو ایسے تھوڑے ہی صفحے ملیں گے جو حیرت انگیز واقعات سے معنون اور تعجب خیز کیفیتوں سے مزین نہ ہوں۔ خواہ ہندوستان کے مختلف شہروں میں دشمنان اسلام کے ساتھ نبرد آزمائی کر رہے ہوں خواہ قادیان میں بیٹھے ہوئے پیروان رسول پر مخالفت کی آگ برسا رہے ہوں۔ خواہ یورپ میں مادہ پرست عیسائیوں کو مذہب اسلام کی برکتوں سے آگاہ کر رہے ہوں۔

اگرچہ مرزا صاحب نے علوم مروجہ اور دینیات کی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی تھی مگر ان کی زندگی اور زندگی کے کارناموں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خاص فطرت لے کر پیدا ہوئے تھے جو ہر کس وناکس کو نصیب نہیں ہو سکتی۔ انہوں نے اپنے مطالعہ اور فطرت سلیم کی رو سے مذہبی لٹریچر پر کافی عبور حاصل کیا۔ 1877ء کے قریب جبکہ ان کی 36/35 سال کی عمر تھی ہم ان کو ایک غیر معمولی مذہبی جوش میں سرشار پاتے ہیں۔ وہ ایک سچے اور پاکباز مسلمان کی طرح زندگی بسر کرتا ہے۔ اس کا دل دنیوی کششوں سے غیر متاثر ہے۔ وہ خلوت میں انجمن اور انجمن میں خلوت کا لطف اٹھانے کی کوشش میں مصروف ہے۔ ہم اسے بے چین پاتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی ایسی کھوئی ہوئی چیز کی تلاش میں ہے جس کا پتہ فانی دنیا میں نہیں ملتا۔ اسلام اپنے گہرے رنگ کے ساتھ اس پر چھایا ہوا ہے۔ کبھی وہ آریوں سے مباحثے کرتا ہے۔ کبھی حمایت و حقیقت اسلام میں وہ کتابیں لکھتا ہے۔

1886ء میں بمقام ہوشیار پور آریوں سے جو مباحثات انہوں نے کئے تھے ان کا لطف اب تک دلوں سے محو نہیں ہوا۔ غیر مذاہب کی تردید اور اسلام کی حمایت میں جو نادر کتابیں انہوں نے تصنیف کی تھیں ان کے مطالعہ سے

جو وجد پیدا ہوا وہ اب تک نہیں اترا۔ ان کی ایک کتاب براہین احمدیہ نے غیر مسلموں کو مرعوب کر دیا۔ اور اسلامیوں کے دل بڑھا دیئے اور مذہب کی پیاری تصویر کو ان آلائشوں اور گرد و غبار سے صاف کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا جو مجائیل کی توہم پرستیوں اور فطری کمزوریوں نے چڑھا دیئے تھے۔ غرض کہ اس تصنیف نے کم از کم ہندوستان کی مذہبی دنیا میں ایک گونج پیدا کر دی تھی جس کی صدائے بازگشت ہمارے کانوں میں اب تک آ رہی ہے۔ گو بعض بزرگان اسلام اب براہین احمدیہ کے برا ہونے کا فیصلہ دیدیں محض اس وجہ سے کہ اس میں مرزا صاحب نے اپنی نسبت بہت سی پیشگوئیاں کی تھیں اور بطور حفظ ماتقدم اپنے آئندہ دعاوی کے متعلق بہت کچھ مصالحہ فراہم کر لیا تھا۔ لیکن اس کے بہترین فیصلہ کا وقت 1880ء تھا جب کہ وہ کتاب شائع ہوئی۔ مگر اس وقت مسلمان بالاتفاق مرزا صاحب کے حق میں فیصلہ دے چکے تھے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کے بعد مرزا صاحب نے اپنے تئیں اس کا مستحق نہ دکھایا۔

کیریکٹر کے لحاظ سے ہمیں مرزا صاحب کے دامن پر سیاہی کا ایک چھوٹا سا دھبہ بھی نظر نہیں آتا وہ ایک پاکباز کا جینا جیا اور اس نے ایک متقی کی زندگی بسر کی غرض کہ مرزا صاحب کی زندگی کے ابتدائی پچاس سالوں نے کیا بلحاظ اخلاق و عادات اور پسندیدہ اطوار۔ کیا بلحاظ مذہبی خدمات و حمایت دین مسلمانان ہند میں ان کو ممتاز برگزیدہ اور قابل رشک مرتبہ پر پہنچا دیا...“


ہر سوختہ جانے کہ بہ کشمیر در آید گر مرغ کباب است کہ با بال و پر آید

کشمیری میگزین لاہور

مقاصد

شادی غمی کی رسومات بد کی اصلاح۔ قومی مجالس کے انعقاد کی تجاویز

عام صنعتی۔ تجارتی۔ اخلاقی۔ علمی۔ تمدنی۔ تواریخی اور تعلیمی مضامین کی اشاعت

جلد ۳	بابت ماہ جون ۱۹۰۸ء	نمبر ۶
مالک و ایڈیٹر	فہرست مضامین	محمد الدین فوق

کشمیری میگزین ۴۰ بابت ماہ جون ۱۹۰۸ء

فرحۃ الصائمین۔ جس میں رمضان المبارک کے متعلق تمام ضروری باتیں اور روزمرہ کے نہایت کارآمد مسائل عام فہم اردو میں سید اصغر حسین صاحب دیر بندی نے لکھے ہیں مطبع فخر المطابع لکھنؤ محلہ وکٹوریہ گنج سے دو پیسے کا ٹکٹ بھیجنے سے مفت مل سکتا ہے۔

افسوس ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیاں بانئے فرقہ احمدیہ و مدعی مسیحیت و

تین ہزار کی اشاعت

ایک ایسے اخبار کیلئے جو ملک کا خیر طلب مشیر اور رعایا کا ہمدرد وکیل ہو ہرگز زیادہ نہیں ہے ایسے مفید اور معتدل اور عام پسند اخبار کی جس قدر بھی اشاعت ہو کم ہے تاہم کام شروع کرنے کیلئے تین ہزار کی اشاعت کافی سمجھی گئی ہے اسپر قیمت صرف (بصورت تین ہزار درخواست آجانیکے) دو روپے۔ آپ بھی جلدی درخواست بھیجدیجئے تاکہ تعداد تین ہزار تک پہنچ جائے۔ کیونکہ ایک خریدار کی کمی بھی اگر رہ گئی تو قیمت بجائے دو کے ڈھائی روپیہ کر دی جائے گی۔ نیاز مند مینیجر

مہدویت وغیرہ نے ۲۴ ربیع الآخر ۱۳۲۶ھ مطابق ۲۶ مئی ۱۹۰۸ء بروز منگل بوقت ۱/۲ ۱۰ بجے صبح بمقام لاہور احمدیہ بلڈنگس میں بقول بعض درد گردہ اور باعتبار افواہ ہیضہ سے انتقال کیا جنازہ اسی دن شام کو قادیاں لیگئے جہاں ۲۷ مئی کو سہ پہر کے وقت وہ کمال علم و فضل کا پتلا جسے تین لاکھ مسلمان احمدی مسیح موعود اور مہدی معہود تسلیم کرتے تھے قادیاں کے بہشتی مقبرے میں سپرد خاک کیا گیا قادیاں کے ایک عظیم جلسہ میں کل احمدی قوم نے حکیم مولوی نورالدین صاحب کو بطور خلیفۃ المسیح منتخب و قبول کیا اور ان کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

کشمیری میگزین:

خاکسار یہ مضمون لکھ رہا تھا کہ خاکسار کے ایک کولیگ عزیزم عاطف صاحب نے ایک رسالہ دیا جس میں حضرت اقدس ؑ کی وفات پر دکھ کا اظہار کیا گیا تھا۔ شاید یہ حوالہ پہلے نظر سے نہیں گزرا۔ اس رسالے کا نام ہے ”کشمیری میگزین“ اس میں رسالے کے ایڈیٹر محترم محمد الدین فوق صاحب لکھتے ہیں:

”افسوس ہے کہ مرزا غلام احمد صاحب رئیس قادیان بانئ فرقہ احمدیہ و مدعیٔ مسیحیت و مہدویت وغیرہ نے 24 ربیع الآخر 1326ھ

بمطابق 26 مئی 1908ء بروز منگل بوقت ساڑھے 10 بجے صبح بمقام لاہور احمدیہ بلڈنگس میں بقول بعض دردِ گردہ اور باعتبار افواہ ہیضہ سے انتقال کیا۔ جنازہ اسی دن شام کو قادیان لے گئے جہاں 27 مئی کو سہ پہر کے وقت وہ کمال علم وفضل کا پتلا جسے تین لاکھ مسلمان احمدی مسیح موعود اور مہدی معہود تسلیم کرتے تھے۔ قادیان کے بہشتی مقبرے میں سپرد خاک کیا گیا۔ قادیان کے ایک عظیم جلسہ میں کل احمدی قوم نے حکیم مولوی نورالدین صاحب کو بطور خلیفۃ المسیح منتخب اور قبول کیا اوران کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔" (کشمیری میگزین جلد 3 نمبر 6 جون 1908ء ص 40)

معالجین کا تعارف

اس مقالہ میں جن ڈاکٹرز (ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر کننگھم اور سدرلینڈ) کا ذکر ہوا ہے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مختصر سا تعارف بھی دے دیا جائے۔

ڈاکٹر سید محمد حسین صاحب:

آپ کا وطن موضع کالا چیچی تحصیل شکر گڑھ ضلع گورداسپور تھا۔ 1878ء میں لکی مروت ضلع بنوں میں پیدا ہوئے۔ جہاں ان کے والد محترم سید عالم شاہ صاحب بطور ملازمت مقیم تھے۔ ابتدائی تعلیم سیالکوٹ میں حاصل کی اور 1899ء میں میڈیکل کالج لاہور سے ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا۔ 1902ء میں قادیان جا کر بیعت کی، اور لاہور میں مستقل ملازمت کے سلسلہ میں مقیم رہے۔ یہ بعد میں غیر مبائعین کے ساتھ شامل ہو گئے۔ آپ کی وفات 26 اپریل 1939ء کو 61 سال کی عمر میں مسلم ٹاؤن لاہور میں ہوئی۔ [ماخوذ از تاریخ احمدیت لاہور، ص 314،313]

ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب:

1872ء کلانور بھارت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قصور اور امرتسر میں حاصل کی ، پھر لاہور میں میڈیکل کی تعلیم پائی ،5 فروری 1892ء کو بیعت کی اور 1897ء میں ڈاکٹری کا امتحان پاس کیا۔ اور میو ہسپتال لاہور میں ہاؤس سرجن مقرر ہو گئے۔ لیکھرام کے قتل کے وقت جب اس وقت کا مشہور سرجن کرنل پیری ٹانکے لگا رہا تھا تو بطور اسسٹنٹ مرزا یعقوب بیگ صاحب ہی ساتھ تھے۔ فیروزپور، وزیر آباد، فاضلکا اور جہلم وغیرہ میں بھی بطور ملازمت مقیم رہے۔ اور پھر میڈیکل کالج لاہور میں تبدیل ہو کر آ گئے۔ 1915ء میں سرکاری ملازمت سے استعفیٰ دے کر لاہور میں ہی میڈیکل پریکٹس شروع کر دی، 1895ء میں جو وفد چولہ بابا نانک سے متعلق تحقیقات کے لئے بھیجا گیا اسمیں آپ شامل تھے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کے معالج بھی رہے۔ اسلامیہ کالج لاہور کے آنریری میڈیکل آفیسر رہے۔ لاہور کی انجمن حمایت اسلام کے ممبر بھی رہے۔ خلافت ثانیہ کے قیام پر غیر مبائعین میں شامل

ہو گئے۔12 فروری 1936ء کو64سال کی عمر میں وفات پائی۔وفات کے وقت ان کے دو بیٹے مرزا داؤد بیگ، مرزا عبد الرحمن بیگ اور پانچ بیٹیاں تھیں۔ افسوس کہ یہ بھی غیر مباعین میں شامل ہو گئے۔

[ماخوذ از ”313اصحاب صدق ووفا“ ص85-84 شائع کردہ ،”آئینہ صدق وصفا یعنی داستان اربابِ وفا“ مؤلفہ میرزا مسعود بیگ،شائع کردہ احمدیہ انجمن اشاعت اسلام لاہور،تاریخ احمدیت لاہور،ص137]

ڈاکٹر کننگھم : Lieutenant Colonel John Adams Cunningham.M.D

لیفٹننٹ کرنل جان ایڈمز کننگھم ۔ایم ڈی ، انڈین میڈیکل سروس سے تعلق رکھنے والے تھے۔ انہوں نے اپریل 1881ء کو سرجن کے طور پر بنگال میڈیکل ڈیپارٹمنٹ میں شمولیت اختیار کی۔اور 17 جنوری 1901ء کو لیفٹیننٹ کرنل بن گئے۔انہوں نے 1897-98ء میں ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر تیراہ مہم میں خدمات انجام دیں۔ جس کے لئے انہیں ایک تمغہ بھی ملا۔ بعدازاں وہ کئی جگہ بطور سول سرجن فائز رہے۔اور لاہور میڈیکل کالج میں پروفیسر کے طور پر بھی خدمات سرانجام دیں۔ انکی وفات 31دسمبر1910ء کو کلکتہ میں ہوئی۔انکی عمر52سال تھی۔

ڈاکٹر کرنل سدر لینڈ

ڈیوڈ واٹرز سدر لینڈ(David Waters Sutherland)مؤرخہ 18دسمبر1872ء کو وکٹوریا، آسٹریلیا کے ایک ٹاؤن Buninyong میں پیدا ہوئے۔ان کے والد کا نام John Sutherland تھا۔یہ ایک فزیشن تھے اور کنگز ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے پرنسپل بھی رہے۔1915ء میں مہاراجہ دلیپ سنگھ کی بیٹی بمبا دلیپ سنگھ سے شادی کی۔ڈاکٹر سدر لینڈ کی وفات 19، اپریل1939ء کو سکاٹ لینڈ میں ہوئی۔

(Former Fellows of the Royal Society of Edingburgh (biographical Index part two.) pg:904, published July 2006)



DR. LT. COL. D. W. SUTHERLAND
(1909-1921)

ڈاکٹر سدر لینڈ کے حوالہ سے ایک دلچسپ قابل ذکر امر یہ ہے کہ انہیں تین بزرگ ترین ہستیوں کے معالج ہونے کی سعادت حاصل ہوئی۔ سب سے اہم اور مقدم تو یہ کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات سے ایک دن قبل یعنی رات کو یہ علاج کی غرض سے تشریف لائے۔ اوراس کی تفصیل مذکورہ بالا مقالہ میں گزر چکی ہے۔

دوسرا موقعہ اور سعادت یہ تھی کہ جب حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ بیمار ہوئے اور جس بیماری میں آپؓ کی وفات ہوئی اسوقت بھی یہی ڈاکٹر سدر لینڈ لاہور سے قادیان گئے تھے۔ اس کا ذکر کرتے ہوئے ''بیاض نورالدین'' میں پروفیسر طاہر عمر صاحب 'چندیادیں' کے عنوان سے حضرت حکیم حافظ مولوی نورالدین صاحب کے بارہ میں لکھتے ہیں:

''بیماری میں اضافہ ہوا تو خان بہادر ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ اور خان بہادر ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ نے کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور کے پرنسپل کرنل سدر لینڈ سے استدعا کی کہ وہ انکے ایک بزرگ کو دیکھنے کے لئے سفر کریں۔ کرنل سدر لینڈ کو متعدد امراض کے اسباب اور علاج میں عالمی شہرت حاصل تھی اور آج بھی طب کی متعدد کتابوں میں ان کا ذکر موجود ہے۔ وہ روپے کے لالچ میں اپنا دن ضائع کرنے والے آدمی نہ تھے۔ اور کئی اور ڈاکٹروں نے بھی اصرار کیا تو وہ ان کی خاطر حکیم صاحب کو دیکھنے پر آمادہ ہوئے۔ دوران گفتگو کرنل سدر لینڈ کو معلوم ہوا کہ مریض کو علم طب میں بھی دخل ہے۔ اس وقت تک وہ یونانی طب اور اس میں خدمت کرنے والوں کو اہمیت نہ دیتا تھا۔ معائنہ کے بعد اس نے ازراہ تفنن کہا... ''مولوی صاحب! میں نے سنا ہے کہ آپ حکیم ہیں'' مولوی صاحب بولے ''آپ نے غلط سنا۔ حکیم تو خدا کی ذات ہے۔ میں البتہ دکھی انسانوں کو ادویہ کے ذریعہ اطمینان دلانے کی کوشش کرتا ہوں۔'' کرنل سدر لینڈ نے تفریحاً پوچھا'' کہ اگر آپ جیسی علامات میں مبتلا کوئی مریض آپ کے مطب میں آجاتا تو آپ اس کی کیا تشخیص کرتے؟ اس گفتگو سے انہوں نے محسوس کیا کہ کرنل کا خیال ہے کہ طب یونانی کے عاملین ان پڑھ ہوتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے جسم پر بیماری کے اثرات کی مکمل Pathalogy بیان کی۔ سدر لینڈ حیرت زدہ ہو گیا۔ گفتگو کے دوران چائے آگئی تو اس نے لانے والے ڈاکٹروں سے کہا کہ ذیابیطس کے آخری مرحلہ پر خون کی نالیاں تنگ ہو جاتی ہیں۔ دماغ کو خون نہیں جاتا اس لئے مریض مخبوط الحواس ہو جاتا ہے اور اکثر غنودگی میں رہتا ہے۔ میں حیران ہوں کہ اس شخص میں قوت ارادی کا ایک فولادی ذخیرہ موجود ہے۔ سارا جسم داغ داغ ہونے کے باوجود اسکے حواس بالکل صحیح ہیں اور یہ اپنی بیماری کے بارے میں ایسا جامع اور مکمل تبصرہ کر رہا ہے کہ شاید میں بھی نہ کر سکتا۔ مریض یہ بھی جانتا ہے کہ کون کون سے طریقہ علاج کی کہاں کہاں تک دسترس ہے اور اس کی موجودہ حالت علاج کی دسترس سے باہر ہے۔ اسے افسوس تھا کہ اسکے اپنے تحقیقی کام کے سلسلہ میں متعدد مسائل حل طلب ہیں۔ کاش وہ ان سے پہلے ملا ہوتا۔ اس کا خیال تھا کہ ان کا علم اور سدر لینڈ کی محنت مل کر دنیائے طب میں انقلاب لاسکتے تھے۔ حکیم صاحب نے سدر لینڈ کو سمجھایا کہ موت برحق ہے اس لئے جب تک وہ نہیں آتی ہم اس کے انتظار میں اپنے کام بند نہیں کر سکتے۔ اس لئے جو کچھ وہ پوچھنا چاہتے ہیں بلا تکلف پوچھیں۔ وہ سدر لینڈ جو ایک دن کے سفر پر تیار نہ تھا چار دن تک ان کے ساتھ رہے۔ اس نے چھ کاپیاں اشارات، نوٹس، سے بھریں اور جب وہ روانہ ہوا تو اشکبار تھا کہ آسمان طب کا یہ سورج ڈوب جانے کو ہے۔ وہ ایک ہزار روپیہ روزانہ فیس طے کر کے آیا تھا مگر فیس لینے کی بجائے

انکی خدمت میں دس روپے ریشمی رومال میں رکھ کر بطور نذرانہ پیش کئے۔“
[بیاض نورالدین، از امۃ اللطیف طاہرہ؛1997 زاہد بشیر پرنٹرز، ص26-25]

اور تیسری اوراہم سعادت ڈاکٹر سدر لینڈ صاحب کو یہ ملی کہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ کے فرزند ارجمند حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے بھی ایک مرتبہ بغرض علاج ان سے رابطہ کیا تھا۔ جس کا احوال خود حضرت مصلح موعودؓ نے یوں فرمایا ہے۔

حضورؓ فرماتے ہیں: ایک دفعہ لاہور گیا۔ سدر لینڈ ڈاکٹر سے معائنہ کرانا تھا۔ جب خط لکھا گیا کہ وقت دیں۔ تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اور لکھا کہ وقت مقرر کرنے کے لئے پہلے اطلاع دینی چاہیے تھی۔ اور پھر یہاں آنا چاہیے تھا۔ اس پر واپس آنا پڑا۔ یہاں آکر لکھا گیا، تب وقت مقرر ہوا۔ اور انہوں نے معائنہ کیا۔ اس وقت وہ اپنی نوٹ بک اٹھالائے اور کہا کہ دیکھیں۔ جب آپ پہلے تاریخ مقرر کرانا چاہتے تھے اس وقت 17 روز تک مقرر ہو چکے تھے۔ میں روزانہ صرف ایک مریض دیکھتا ہوں۔ اور گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ دیکھنے میں صرف کرتا ہوں۔“
[رپورٹ مجلس مشاورت مارچ29ء ص89]

یارو مسیحِ وَقت کہ تھی جن کی اِنتظار
رَہ تکتے تکتے جنکی کروڑوں ہی مَر گئے

آئے بھی اور آ کے چلے بھی گئے وہ آہ!
ایامِ سَعد اُن کے بَسُرعَت گذر گئے

آمد تھی اُن کی یا کہ خدا کا نُزول تھا
صدیوں کا کام تھوڑے سے عرصہ میں کر گئے

وہ پیڑ ہورہے تھے جو مدت سے چوبِ خشک
پڑتے ہی ایک چھینٹا دلہن سے نکھر گئے

پَل بھر میں مَیل سینکڑوں برسوں کی دُھل گئی
صدیوں کے بِگڑے ایک نظر میں سُدھر گئے

(منظوم کلام حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ از کلام محمود صفحہ 121، مطبوعہ نظارت نشر واشاعت قادیان ایڈیشن 2002ء)

آخری..............

- قادیان میں حضورؑ کو ہونے والی **آخری وحی**:مباش ایمن از بازئ روز گار
- سب سے **آخری وحی**[جو آپؑ نے بیان فرمائی]17 مئی کو لاہور میں ہوئی

اِنِّیْ مَعَ الرَّسُوْلِ اَقُوْمُ

- ایک روایت کے مطابق سب سے **آخری وحی** جو آپؑ نے بتائی:

اَلرَّحِیْلُ ثُمَّ الرَّحِیْلُ وَالْمَوْتُ قَرِیْبٌ

- **آخری نظم** جو کسی نے حضور علیہ السلام کے حضور پڑھی وہ ڈاکٹر احمد حسین صاحب لائلپوری نے 16 مئی کو پیش کی ۔جس کا ایک شعر یہ تھا

یا ربّ قادیاں میں میرا مزار ہووے

اور میرا ذرہ ذرہ اس پر نثار ہووے

- **آخری پبلک تقریر**۔17 مئی
- **مستورات سے آخری خطاب**۔23 مئی
- **آخری تقریر** 25 مئی عصر سے پہلے،
- **آخری تصنیف** پیغام صلح،25 مئی کو
- **آخری خط**،23 مئی کو لکھا جو کہ 26 مئی کو اخبار عام میں شائع ہوا۔ جس کا بنیادی مضمون یہ تھا کہ میں خدا کا نبی ہوں۔
- **آخری سیر** 25 مئی بعد نماز عصر
- **آخری نماز** 26 مئی، فجر کی نماز
- **آخری تحریر**،26 مئی قریباً آٹھ نو بجے صبح لکھی جس کے کچھ الفاظ پڑھے گئے اور وہ تھے:

”تکلیف یہ ہے کہ آواز نہیں نکلتی۔۔۔“

- **آخری الفاظ**:”اے میرے پیارے۔اے میرے پیارے۔اے میرے پیارے اللہ، اے میرے پیارے اللہ “

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ہمیں کیا دیا؟

اے ولیم۔ مدیر رسالہ ہذا

خدا کے اس بندے کو آخر جانا ہی تھا۔ اس لئے کہ اس خالق ومالک کا بنایا ہوا قانون ہی یہی ہے۔ اس لئے کہ اگر کسی کو ہمیشہ کے لئے زندہ رہنا ہوتا تو وہ فخر موجودات وباعث لولاک حضرت محمد مصطفی ﷺ کی ذات تھی۔ جب وہ نہ رہی تو پھر اور کوئی کیسے رہتا اور یہ جانے والا تو عاشق تھا اپنے خدا کا بھی اور اس رسول ﷺ کا بھی جس کی محبت اس کی رگوں میں خون بن کر دوڑتی رہی۔ ہمیشہ رہنے والی ذات صرف اور صرف ایک ذات ہے۔ اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ ۚ اَلۡحَیُّ الۡقَیُّوۡمُ ۔[اللہ! اُس کے سوا اور کوئی معبود نہیں۔ ہمیشہ زندہ رہنے والا (اور) قائم بالذات ہے۔]

اگر یہ پوچھا جائے کہ خدا کا یہ مامور آیا اور آکر چلا بھی گیا تو ہمیں کیا دے کر گیا۔ تو اگر صرف دو لفظوں میں بیان کیا جائے تو یہ کہنا کافی ہو گا کہ **آپؑ نے ہمیں خدا اور خلافت کی عظیم الشان نعمت عطا فرمائی۔**

آپؑ نے جس خدا کا ہمیں پتہ دیا وہ واقعی وہ خدا تو نہیں تھا جس کا تصور آپ کی بعثت سے پہلے دنیا میں موجود تھا۔ کہنے کو تو یہودی بھی خدا کو مانتے ہیں لیکن جس خدا کو ہم جانتے ہیں اس نے تو انہیں یہود کو مغضوب علیہم کہا، کہنے کو تو عیسائی بھی خدا کو مانتے ہیں لیکن جس خدا کا ہمیں پتہ ہے اس نے تو ان کو الضالّین کہا، اور کہنے کو تو ہندو، بدھ، جین مت، زرتشتی، اور نہ جانے کون کون سی قوم اور مذہب ہے کہ وہ سب خدا کا تصور رکھتے ہیں اور مانتے ہیں۔ لیکن کسی کے تین خدا ہیں۔ کسی کے دو خدا ہیں اور کسی کے دو ہزار خدا ہیں اور کسی کا ایک خدا ہے بھی تو "بُت ہیں آستینوں میں" الغرض حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے جس خدا کی خبر ہمیں دی وہ واقعی ایک اور ہی خدا تھا۔ جو اصل میں وہی خدا تھا کہ جو قرآن نے پیش کیا تھا۔ جو ہر اس نبی نے اپنی قوم کو بتایا تھا جب وہ اپنی قوم میں آیا لیکن بعد میں لوگ اس خدا کو بھولتے چلے گئے اور اس خدا نے بھی پھر اپنا چہرہ ان سے چھپا لیا۔ ہمارے اس امام مہدی، جَرِیُّ اللّٰہِ فِیۡ حُلَلِ الۡاَنۡۢبِیَاۤءِ کا کمال اور احسان یہ ہے کہ وہ ثریا ستارے پر جا کر چھپ جانے والے ایمان اور عرفان کو واپس ہمارے سامنے لے آیا۔ اور یہی وجہ ہے کہ آپؑ نے اپنی وفات سے کوئی 33 برس پہلے دعویٰ اور دعوت ہی یہ دی کہ میرے پاس قادیان میں آؤ میں تمہیں وہ خدا دکھا دوں گا جو اس کائنات کا پیدا کرنے والا تمہارا خالق ومالک خدا ہے۔

آپؑ نے ساری دنیا کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

”ہمارا بہشت ہمارا خدا ہے۔ ہماری اعلیٰ لذّات ہمارے خدا میں ہیں کیونکہ ہم نے اس کو دیکھا اور ہر ایک خوبصورتی اس میں پائی۔ یہ دولت لینے کے لائق ہے اگرچہ جان دینے سے ملے اور یہ لعل خریدنے کے لائق ہے اگرچہ تمام وجود کھونے سے حاصل ہو۔ اے محرومو! اس چشمہ کی طرف دوڑو کہ وہ تمہیں سیراب کرے گا یہ زندگی کا چشمہ ہے جو تمہیں بچائے گا۔ مَیں کیا کروں اور کس طرح اس خوشخبری کو دلوں میں بٹھا دوں۔ کس دَف سے بازاروں میں منادی کروں کہ تمہارا یہ خدا ہے تا لوگ سُن لیں اور کس دوا سے مَیں علاج کروں تا سُننے کے لئے لوگوں کے کان کھلیں۔“ (کشتی نوح، رخ جلد 19 ص 21-22)

اور پھر آپؑ نے وہ خدا دکھایا۔ ساری دنیا کو وہ خدا دکھایا۔ وہ خدا جو اپنی تمام تر صفات کے ساتھ جلوہ نما ہوا یہاں تک آپؑ اس کی صفات کے مظہر بن گئے۔ رنگین برنگ تجلی الوہیت ہو کر، تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ [اللہ کے اخلاق اختیار کرو] کے مظہر بن کر آپؑ نے بتایا کہ:

وہ خدا رحمٰن اور رحیم اور کریم خدا ہے جو بن مانگے دینے والا ہے جو تھوڑی سی محنت کو قبول کرتے ہوئے ایک قطرہ سے دریا بنا دینے والا خدا ہے جو اتنا کریم اور سخی ہے کہ اس کی بارگاہ میں اٹھے ہوئے ہاتھ کو خالی نہیں لوٹاتا۔

آپؑ نے اپنی حیات طیبہ سے ہمیں بتایا اس خدا کا کہ جو حفیظ اور عزیز اور رفیق خدا ہے۔ جس نے قدم قدم پر اپنے مامور و مرسل کی حفاظت فرمائی۔ مخالفت کی ہر آگ کو ٹھنڈا کیا، اس کی طرف چلنے والے ہر تیر کو نہ صرف یہ کہ روکا بلکہ تیر چلانے والوں کو اس کا شکار کر دیا۔

وہ جبار اور قہار اور قادر و قدیر خدا ظاہر ہوا کہ ہر مخالف و مقابل پر خود قہر بن کر ٹوٹا اور قادر ایسا کہ مخالفوں کے بنے ہوئے کاموں کو توڑنے والا اور اپنے بھیجے ہوئے کے ٹوٹے ہوئے کاموں کو بھی جوڑنے والا ثابت ہوا۔

حضرت اقدس بانی سلسلہ احمدیہ نے ہمیں اس ناصر و نصیر خدا اپنی حیات مقدسہ کے آئینہ میں منعکس کر کے دکھا دیا کہ آپؑ پر خطرناک سے خطرناک مقدمات بنے لیکن ہر مقدمہ میں خدائی نصرت نے آپؑ کو سرخرو کیا اور مخالف رسوا اور ناکام و نامراد کیا۔

وہ مجیب اور سمیع خدا کہ جس نے آپؑ کی ہر دعا کو پایہ قبولیت میں جگہ دی، اور اپنے پیارے اور اپنے سفیر کو قبولیت دعا کا نشان بطور معجزہ دیا اور اس نے اپنے اسی خدائے ذوالجلال کی محبت میں بڑے مان اور جلال کے ساتھ یہ دعویٰ کیا:

”اگر تمہارے مرد اور تمہاری عورتیں اور تمہارے جوان اور تمہارے بوڑھے اور تمہارے چھوٹے اور تمہارے بڑے سب مل کر میرے ہلاک کرنے کے لئے دعائیں کریں یہاں تک کہ سجدے کرتے کرتے ناک گل جائیں اور ہاتھ شل ہو جائیں تب خدا ہرگز تمہاری دعا نہیں سنے گا۔“ (ضمیمہ تحفہ گولڑویہ رخ 17 ص 50)

اس نے اس کافی اور معطی خدا کا جلوہ اپنی ذات میں اس طرح سے دکھایا کہ جب ایک بار اس نے اپنے اس

پیارے کو کہہ دیا کہ اَلَیۡسَ اللّٰہُ بِکَافٍ عَبۡدَہٗ [کیا اللہ اپنے بندے کے لئے کافی نہیں ہے] تو پھر آخری سانس تک اس بات کو ایسے پورا کیا کہ چشم تصور حیران رہ گئی۔ وہ ہر معاملہ میں اس کے لئے کافی ہوا۔ اور جب نیک فطرت ساتھیوں کی ضرورت پڑی تو اس نے وہ دیئے، جب نیک صالحہ بیوی اور بچوں کی ضرورت ہوئی تو وہ دیئے اور جب روپے پیسے کی ضرورت ہوئی تو بے حساب دیا۔

آپؑ نے اس حفیظ و محافظ خدا کی اطلاع دی کہ جس نے آپؑ کو دکھ تکلیف کے ہر وقت میں اور یقینی موت کے ہاتھوں سے خود بچایا۔

آپؑ نے اس شافی اور حکیم اور نافع اور العفو، الرؤوف خدا کو دکھایا کہ جس نے ہر مہلک بیماری سے آپؑ کو شفا دی، اور بعض شفائیں بطور نشان اور معجزہ کے ملیں یہاں تک کہ آپؑ سے پیار کرنے والے آپؑ کے ساتھیوں کو اس شافیٔ مطلق نے شفا دیتے ہوئے بتایا کہ میں شافی ہوں۔

آپؑ نے اس مالک الملک اور القدوس، السلام اور مھیمن اور المؤمن خدا کا ہمیں بتایا کہ جس نے اپنے اس مامور کی زندگی میں بھی اس کو سلامتی کے ساتھ رکھا اور امن است در مکان محبت سرائے ما [ہمارا مکان جو ہماری محبت سرائے ہے اس میں ہر طرح سے امن ہے۔] کہتے ہوئے اس کے در و دیوار کو بھی امن سلامتی والا بنا دیا بلکہ اپنی ان تمام تر صفات سمیت وہ عزیز و حکیم خدا آپؑ کے بعد اس کے جانشینوں کی ذات میں جلوہ گر ہوا۔ اس المؤمن خدا نے اس مامور و مرسل کی وفات کے صدمہ اور خوف کی حالت کے وقت اس کے تمام ماننے والوں پر اس کے خلیفہ اور جانشین کے ہاتھ سے تسکین و تشفی نازل فرمائی اور ان کی خوف کی حالت کو امن میں تبدیل کر دیا۔ اور 26 مئی 1908ء سے لے کر آج 20 اپریل 2026ء تک کہ جب کہ یہ عاجز یہ سطریں لکھ رہا ہے ہم ہر خوف کی حالت میں یہی نظارہ دیکھ رہے ہیں۔ ہم اس کے خلیفہ کے ساتھ بڑی آسانی سے مشاہدہ کر رہے ہوتے ہیں۔ وہی خدا اپنی تمام تر صفات کے ساتھ جلوہ گر ہوا اور ہو رہا ہے اور ہوتا رہے گا۔ انشاء اللہ

سو یہ وہ خدا تھا جس سے ہر وہ انسان محروم تھا جس نے اس آنے والے امام کو نہ مانا۔ اور جس نے اس کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور اس کو اپنا امام و مطاع تسلیم کر لیا اس نے وہی حقیقی خدا دیکھ لیا کہ جو قرآن اور اسلام کا خدا تھا۔ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ۔ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ۔ مٰلِكِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ۔ اے ہمارے پیارے خدایا! اِیَّاكَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاكَ نَسۡتَعِیۡنُ! اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ!! صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَلَا الضَّآلِّیۡنَ!!!!

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”**اگر تم اپنے نفس سے درحقیقت مر جاؤ گے تب تم خدا میں ظاہر ہو جاؤ گے اور خدا تمہارے ساتھ ہو گا** اور وہ گھر بابرکت ہو گا جس میں تم رہتے ہو گے اور اُن دیواروں پر خدا کی رحمت نازل ہو گی جو تمہارے گھر کی دیواریں ہیں۔ اور وہ شہر بابرکت ہو گا جہاں ایسا آدمی رہتا ہو گا۔ اگر تمہاری زندگی اور تمہاری موت اور تمہاری ہر ایک حرکت اور

تمہاری نرمی اور گرمی محض خدا کے لئے ہو جائے گی اور ہر ایک تلخی اور مصیبت کے وقت تم خدا کا امتحان نہیں کرو گے اور تعلق کو نہیں توڑو گے بلکہ آگے قدم بڑھاؤ گے تو میں سچ سچ کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک خاص قوم ہو جاؤ گے۔ تم بھی انسان ہو جیسا کہ میں انسان ہوں اور وہی میرا خدا تمہارا خدا ہے۔ پس اپنی پاک قوتوں کو ضائع مت کرو۔ **اگر تم پورے طور پر خدا کی طرف جھکو گے تو دیکھو میں خدا کی منشاء کے موافق تمہیں کہتا ہوں کہ تم خدا کی ایک قوم برگزیدہ ہو جاؤ گے خدا کی عظمت اپنے دلوں میں بٹھاؤ** اور اُس کی توحید کا اقرار نہ صرف زبان سے بلکہ عملی طور پر کرو تا خدا بھی عملی طور پر اپنا لطف و احسان تم پر ظاہر کرے۔ کینہ وری سے پرہیز کرو اور بنی نوع سے سچی ہمدردی کے ساتھ پیش آؤ۔ ہر ایک راہ نیکی کی اختیار کرو نہ معلوم کس راہ سے تم قبول کئے جاؤ۔

تمہیں خوشخبری ہو کہ قرب پانے کا میدان خالی ہے۔ ہر ایک قوم دنیا سے پیار کر رہی ہے اور وہ بات جس سے خدا راضی ہو اُس کی طرف دنیا کو توجہ نہیں وہ لوگ جو پورے زور سے اس دروازہ میں داخل ہونا چاہتے ہیں اُن کے لئے موقع ہے کہ اپنے جوہر دکھلائیں اور خدا سے خاص انعام پاویں یہ مت خیال کرو کہ خدا تمہیں ضائع کر دے گا تم خدا کے ہاتھ کا ایک بیج ہو جو زمین میں بویا گیا خدا فرماتا ہے کہ یہ بیج بڑھے گا اور پھولے گا اور ہر ایک طرف سے اس کی شاخیں نکلیں گی اور ایک بڑا درخت ہو جائے گا پس مبارک وہ جو خدا کی بات پر ایمان رکھے اور درمیان میں آنے والے ابتلاؤں سے نہ ڈرے کیونکہ ابتلاؤں کا آنا بھی ضروری ہے تا خدا تمہاری آزمائش کرے کہ کون اپنے دعویٰ بیعت میں صادق اور کون کاذب ہے۔ وہ جو کسی ابتلا سے لغزش کھائے گا وہ کچھ بھی خدا کا نقصان نہیں کرے گا اور بدبختی اُس کو جہنم تک پہنچائے گی اگر وہ پیدا نہ ہوتا تو اُس کے لئے اچھا تھا۔ مگر وہ سب لوگ جو اخیر تک صبر کریں گے اور اُن پر مصائب کے زلزلے آئیں گے اور حوادث کی آندھیاں چلیں گی اور قومیں ہنسی اور ٹھٹھا کریں گی اور دنیا اُن سے سخت کراہت کے ساتھ پیش آئے گی وہ آخر فتح یاب ہوں گے اور برکتوں کے دروازے اُن پر کھولے جائیں گے۔ خدا نے مجھے مخاطب کر کے فرمایا کہ میں اپنی جماعت کو اطلاع دوں کہ جو لوگ ایمان لائے ایسا ایمان جو اُس کے ساتھ دنیا کی ملونی نہیں اور وہ ایمان نفاق یا بزدلی سے آلودہ نہیں اور وہ ایمان اطاعت کے کسی درجہ سے محروم نہیں ایسے لوگ خدا کے پسندیدہ لوگ ہیں اور خدا فرماتا ہے کہ وہی ہیں جن کا قدم صدق کا قدم ہے۔

اے سننے والو سنو!! کہ خدا تم سے کیا چاہتا ہے بس یہی کہ تم اُسی کے ہو جاؤ اُس کے ساتھ کسی کو بھی شریک نہ کرو نہ آسمان میں نہ زمین میں۔ ہمارا خدا وہ خدا ہے جو اب بھی زندہ ہے جیسا کہ پہلے زندہ تھا اور اب بھی وہ بولتا ہے جیسا کہ وہ پہلے بولتا تھا اور اب بھی وہ سنتا ہے جیسا کہ پہلے سنتا تھا۔ یہ خیال خام ہے کہ اس زمانہ میں وہ سنتا تو ہے مگر بولتا نہیں۔ بلکہ وہ سنتا ہے اور بولتا بھی ہے، اس کی تمام صفات ازلی ابدی ہیں کوئی صفت بھی معطل نہیں اور نہ کبھی ہوگی۔"

(رسالہ الوصیت، رخ جلد 20 ص 308-309)

درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے

اے ولیم۔ مدیر رسالہ ہذا

خدا کے مامورین کے آنے کے بھی موسم ہوا کرتے ہیں اور جانے کے بھی موسم ہوتے ہیں۔ وہ نہ بے موسم آتے ہیں اور نہ بے موسم جاتے ہیں۔ خوش قسمت تھے وہ لوگ کہ جنہوں نے خدا کے ایک نبی کو دیکھا کہ جب چودہ سو سال سے لوگ اس عظیم شخصیت کا انتظار کر رہے تھے کہ جس کی آمد کی خبر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے دی تھی تب سے یہ انتظار لگ گئی اور "رہ تکتے تکتے جس کی کروڑوں ہی مر گئے"۔ کیا ہی نصیبے والے وہ لوگ کہ جنہوں نے اس لیلۃ القدر کی زیارت کی اور "خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ "[(قدر کی رات) ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔] کی نوید مسرت اپنی قسمت میں لکھوالی۔ سلام ہو ان سب خوش نصیبوں کو!

اور افسوس صد افسوس کہ جنہوں نے خدا کے اس مامور مرسل کو دیکھا لیکن انہوں نے اس کو نہ مانا بلکہ اس سے استہزاء اور ہنسی اور ٹھٹھا سے پیش آئے اور اس نعمت خداوندی کا کفر کیا۔ اور یوں اس کو پہچاننے سے محروم رہے۔ کاش ان کی مائیں ان کو جنم ہی نہ دیتیں تو ان کے لئے شاید بہتر ہوتا۔ تا کہ وہ حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی اس وعید کا حصہ نہ بنتے کہ "مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ لَهُ إِمَامٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً" [جو ایسی حالت میں مرا کہ اس کا کوئی امام نہیں تو وہ جہالت کی موت مرا۔]

(صحیح ابن حبان کتاب السیر باب طاعۃ الائمۃ ذکر الزجر عن ترک اعتقاد المرء الامام الذی یطیع اللہ جل وعلا فی اسبابہ حدیث 4573)

خاکسار نے عرض کیا تھا کہ جانے والے خدا کے اس مقدس اور برگزیدہ وجود نے ہمیں دو ایسی چیزیں، ایسی نعمتیں عطا کر دیں کہ جن کے ہوتے ہوئے نہ کبھی ناکام ہوں گے اور نہ گمراہ، ہماری دنیا بھی اس سے سنورے گی اور ہماری آخرت بھی، اور اس میں ہمارے لئے خیر ہی خیر، برکت ہی برکت ہے۔ ہم سوئے ہوئے ہوں تو وہ ہمارے لئے جاگتا ہے، ہم بے خبر ہوتے ہیں لیکن وہ ہمارے لئے باخبر اور ہوشیار رہتا ہے۔ ہم جہاں تھک کر رہ جاتے ہیں وہ دست شفقت سے ہمیں اوپر اٹھاتا ہے اور ہمارا سہارا اور ہمارا وکیل اور کفیل بن جاتا ہے۔ اور وہ ہے ہمارا خدا اور اس کا قائم کردہ خلیفہ۔ جہاں خدا ہمارا وکیل و کفیل ہوتا ہے تو خلافت کا ہاتھ ہمیں تھامے رکھتا ہے اور ہر وقت ہمارے لئے فکر مند

رہتا ہے اور ہماری بھلائی اور بہتری اور ترقی اور نشوونما کے لئے کوشاں رہتا ہے اور اتنا خیال رکھتا ہے اتنا خیال رکھتا ہے کہ ماں اور باپ بھی کیا رکھتے ہوں گے۔ اور یہ بھی اسی جانے والے مقدس اور برگزیدہ رسول نے جاتے ہوئے ہمیں یہ نعمت عطا کی۔ کیونکہ اس کو اور اس کے رحمٰن ورحیم خدا کو ہمارا فکر تھا۔ ایسے جیسے ایک ماں کو فکر ہوتی ہے جب وہ اپنے چھوٹے سے بچے کو چھوڑ کر جانے کو ہوتی ہے۔ اسی کسمپرسی اور خوف اور بے بسی کی حالت کو امن وسلامتی اور نگہبانی کی نوید سناتے ہوئے اس نے لرزتے دلوں اور خوفزدہ آنکھوں کو یہ تسلی دی کہ:

”یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب سے کہ اُس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اِس سنت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور اُن کو غلبہ دیتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ (المجادلۃ:22) اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اُس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے اِسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ اُن کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اُس کی تخم ریزی اُنہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اُس کی پوری تکمیل اُن کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں اُن کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقع دے دیتا ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں **غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے** (1) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے (2) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آ جاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور اُن کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے۔ پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وقت میں ہوا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہو گئے اور صحابہؓ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہو گئے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اُس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ [النور:56] اور اُن کے لئے اُن کے دین کو، جو اُس نے اُن کے لئے پسند کیا، ضرور تمکنت عطا کرے گا اور اُن کی خوف کی حالت کے بعد ضرور اُنہیں امن کی حالت میں بدل دے گا۔ یعنی خوف

کے بعد پھر ہم ان کے پیر جما دیں گے۔ ایسا ہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت میں ہوا جب کہ حضرت موسیٰؑ مصر اور کنعان کی راہ میں پہلے اِس سے جو بنی اسرائیل کو وعدہ کے موافق منزل مقصود تک پہنچا دیں فوت ہوگئے اور بنی اسرائیل میں اُن کے مرنے سے ایک بڑا ماتم برپا ہوا جیسا کہ توریت میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل اس بیوقت موت کے صدمہ سے اور حضرت موسیٰؑ کی ناگہانی جدائی سے چالیس 40 دن تک روتے رہے۔ ایسا ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ معاملہ ہوا۔ اور صلیب کے واقعہ کے وقت تمام حواری تتر بتر ہوگئے اور ایک ان میں سے مرتد بھی ہوگیا۔

سو اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سُنّت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو[2] جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلاوے سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اُس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔ اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک مَیں نہ جاؤں۔ لیکن مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اُس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ مَیں اِس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے وہ سب کچھ تمہیں دکھائے گا جس کا اُس نے وعدہ فرمایا اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی۔ میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔" (رسالہ الوصیت، رخ جلد 20 ص 304-306)

سو ہم نے دیکھا کہ خدائے قادر وغیور نے اپنے مامور ومرسل کی زبان سے جو کہلوایا وہ اس نے پورا کر کے دکھلایا۔ سو سال سے زائد کا عرصہ پانچ خلافتوں میں کس آن بان اور شان سے پورا ہوتا ہوا سب نے دیکھا، اپنوں نے بھی دیکھا اور بے گانوں نے بھی دیکھا۔ اور خلافت کا یہ سورج پوری آب وتاب کے ساتھ جگمگا رہا ہے۔ کسی حاسد اور دشمن کی ہمت نہیں کہ اس سورج کی طرف آنکھ اٹھا کر دیکھ سکے۔ اور اگر کسی نے دیکھا تو کیا ہوا.........

لیکن قبل اس کے کہ ہم ایک صدی سے زائد عرصہ پر محیط عہد خلافت کی برکات پر ایک طائرانہ نظر ڈالیں۔ ہم چند لمحوں کا توقف کر کے دیکھتے ہیں کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد آپؑ کی حقیقی جانشین

کون تھی؟ خلافت یا انجمن؟؟

ہر چند کہ اب اس وقت اس سوال کی حیثیت دلائل و نظریہ سے زیادہ ایک تاریخی واقعہ کی حیثیت سے زیادہ نہیں۔ لیکن پھر بھی ایک چھوٹا سا گروہ جو 1918ء یا 1914ء میں اپنے اقتدار و اختیار کی وجہ سے اپنے آپ کو زیادہ معتبر سمجھتا تھا۔ اور نہ جانے کیا کیا زُعم اور خیالات سمائے ہوئے تھے کہ وہ گروہ سمجھتا تھا کہ ہم ہی ہیں۔ ’’ہمچو ما دیگرے نیست‘‘ اور ہم نہ ہوں گے تو قادیان کی بستی ایسی ویران ہو جائے گی کہ اس کی عمارتوں میں اُلو بولا کریں گے۔ وہ تو **<u>’’آفتاب آمد دلیل آفتاب‘‘ کے مصداق آئندہ آنے والے 112 سالوں نے خود بتادیا کہ خدائی تائید کس گروہ کے ساتھ تھی۔</u>** لیکن اگر ہم ایک سو سال پیچھے چلے جائیں اور حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تحریرات کو ہی دیکھیں تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح نظر آتی ہے کہ حضورؑ اپنے بعد خلافت کو ہی اپنا جانشین ہونے کی وصیت فرما چکے تھے۔ چنانچہ:

1. ابھی رسالہ الوصیت کے اقتباس اوپر درج ہوئے ہیں۔ اس میں سے ایک حصہ ہم دوبارہ دیکھتے ہیں جس میں حضورؑ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ’’یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب سے کہ اُس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اِس سنت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور اُن کو غلبہ دیتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَ رُسُلِیۡ (المجادلۃ:22) اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اُس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے اِسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ اُن کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اُس کی تخم ریزی اُنہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اُس کی پوری تکمیل اُن کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں اُن کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقع دے دیتا ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے اور ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جن کے ذریعہ سے وہ مقاصد جو کسی قدر ناتمام رہ گئے تھے اپنے کمال کو پہنچتے ہیں غرض دو قسم کی قدرت ظاہر کرتا ہے (1) اوّل خود نبیوں کے ہاتھ سے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھاتا ہے (2) دوسرے ایسے وقت میں جب نبی کی وفات کے بعد مشکلات کا سامنا پیدا ہو جاتا ہے اور دشمن زور میں آجاتے ہیں اور خیال کرتے ہیں کہ اب کام بگڑ گیا اور یقین کر لیتے ہیں کہ اب یہ جماعت نابود ہو جائے گی اور خود جماعت کے لوگ بھی تردّد میں پڑ جاتے ہیں اور اُن کی کمریں ٹوٹ جاتی ہیں اور کئی بدقسمت مرتد ہونے کی راہیں اختیار کر لیتے ہیں۔ تب خدا تعالیٰ دوسری مرتبہ اپنی زبردست قدرت ظاہر کرتا ہے اور گرتی ہوئی جماعت کو سنبھال لیتا ہے پس وہ جو اخیر تک صبر کرتا ہے خدا تعالیٰ کے اس معجزہ کو دیکھتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے وقت

میں ہوا جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موت ایک بے وقت موت سمجھی گئی اور بہت سے بادیہ نشین نادان مرتد ہوگئے اور صحابہؓ بھی مارے غم کے دیوانہ کی طرح ہوگئے۔ تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا اور اسلام کو نابود ہوتے ہوتے تھام لیا اور اُس وعدہ کو پورا کیا جو فرمایا تھا وَ لَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَ لَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا۔ [النور: 56] ”یعنی دو قدرتوں کا اظہار ہوتا ہے پہلی قدرت کے مظہر حضور علیہ السلام خود تھے۔ اور دوسری قدرت کا ظہور اول تو آپ کی وفات کے بعد ہونا مقدر تھا۔ تو سوال یہ ہے کہ کیا نبی اکرم ﷺ کی وفات کے بعد کوئی انجمن یا کمیٹی قائم ہوئی تھی؟؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوا تھا۔

2. بلکہ حضور علیہ السلام نے مزید اس کو کھول کے بتادیا کہ ”تب خدا تعالیٰ نے حضرت ابو بکر صدیقؓ کو کھڑا کر کے دوبارہ اپنی قدرت کا نمونہ دکھایا۔“ یعنی جس طرح حضرت ابو بکرؓ ایک فردِ واحد کی صورت میں خلیفہ منتخب ہوئے بالکل ایسے ہی آپؑ کی وفات کے بعد کوئی شخص خلیفہ مقرر ہوگا۔ نہ کہ کوئی انجمن۔

3. پھر ایک اور اہم بات مدنظر رہے کہ یہ جو دوسری قدرت ظاہر ہونا تھی وہ حضورؑ کی وفات کے بعد مقدر تھی۔ اس کو دوسری قدرت یا قدرتِ ثانیہ کہا گیا ہے۔ جبکہ انجمن تو پہلے سے موجود تھی۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ قدرت ثانیہ کا ظہور بہر حال آپؑ کی وفات کے بعد ہونا تھا اور وہ کسی ایک شخص کی صورت میں ہونا تھا۔

4. چوتھی بات ایک اور ہے اور وہ بہت ہی آسان فہم ہے۔ وہ یہ کہ 26 مئی 1908ء میں کہ جب حضرت اقدس علیہ السلام کی وفات ہوئی تو اس وقت انتخاب خلافت ہوا۔ جس کی تاریخ اور تفصیل اس وقت کے اخبارات میں انہیں دنوں میں شائع بھی ہوئی اور کسی فریق کی طرف سے اس کی تردید بھی شائع نہیں ہوئی۔ اگر حضرت اقدس مسیح موعودؑ کی تحریرات سے یہ واضح ہوتا تھا کہ آپؑ کی وفات کے بعد کسی خلافت کی ضرورت یا وصیت یا پیشگوئی نہیں ہے تو انجمن کے تمام ممبران سمیت اسوقت کے تمام لوگوں نے کیوں یہ نہ کہہ دیا بلکہ سمجھ لیا کہ کسی قسم کے انتخاب یا خلیفہ کی ضرورت ہی نہیں۔ بلکہ یہ کہا جاتا کہ دیکھیں ہم سب جانتے ہیں اور علم رکھتے ہیں کہ حضرت اقدس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بعد انجمن کو اپنا جانشین مقرر فرما دیا ہوا ہے۔ بات ختم! لیکن ایسا نہیں ہوا۔ بلکہ حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحبؓ کا نام خلیفہ کے لئے پیش کیا گیا۔ اور ان کی بیعت کی گئی۔ اور یہ نام صرف ایک شخص کی طرف سے سے نہ تھا۔ بلکہ درجنوں نام تھے۔ جن میں محترم شیخ رحمت اللہ صاحب، سید محمد احسن امروہی، سید محمد حسین صاحب اسسٹنٹ سرجن لاہور، مولوی محمد علی صاحب، خواجہ کمال الدین صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، مولوی غلام حسن صاحب پشاور، حکیم محمد حسین قریشی صاحب لاہور، ڈاکٹر بشارت احمد صاحب اسسٹنٹ سرجن، صاحبزادہ مرزا محمود احمد صاحب، ماسٹر شیر علی صاحب، میر ناصر نواب صاحب اور نواب محمد علی خان صاحب

...... یہ اور اس کے علاوہ مزید نام اخبار بدر 2 جون 1908ء میں درج ہیں۔

ان سب بزرگان نے اپنے دستخط کے ساتھ ایک درخواست حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب کی خدمت میں پیش کی جس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت بھائی عبدالرحمن صاحب قادیانیؓ لکھتے ہیں کہ:

”انہی اصحاب (یعنی سرکردہ اصحاب غیر مبائعین۔ناقل) نے معہ دیگر اکابر صحابہ و بزرگانِ جماعت سیدنا حضرتِ مولوی نورالدین صاحبؓ کے حضور درخواست کی جو باغ سے شہر تشریف لائے ہوئے تھے مگر حضرت ممدوح نے کچھ سوچ اور تردّد کے بعد فرمایا کہ مَیں دعا کے بعد جواب دونگا۔ چنانچہ وہیں پانی منگوایا گیا۔ حضرت نے وضو کر کے دو نفل نماز ادا کی اور دعاؤں کے بعد فارغ ہو کر فرمایا: ’چلو ہم سب وہیں چلیں جہاں ہمارے آقا کا جسد اطہر اور ہمارے بھائی انتظار میں ہیں‘۔ چنانچہ یہ مجلس برخواست ہو کر پھر باغ پہنچی تو سب سے پہلے تمام حاضر الوقت احباب کے اتفاق سے حضرت مفتی محمد صادق صاحب ایڈیٹر اخبار بدر نے کھڑے ہو کر حضرت مولانا کی خدمت میں مندرجہ ذیل تحریر اور درخواست پڑھ کر سنائی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم   نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ خاتم النبیین۔ محمدنالمصطفیٰ و علی المسیح الموعود و خاتم الاولیاء

اما بعد مطابق فرمان حضرت مسیح موعود علیہ السلام مندرجہ رسالہ الوصیت ہم احمدیان جن کے دستخط ذیل میں ثبت ہیں، اس امر پر صدق دل سے مطمئن ہیں کہ اول المہاجرین حضرت حاجی مولوی حکیم نورالدین صاحب جو ہم سب میں سے اعلم اور اتقیٰ ہیں اور حضرت امام کے سب سے زیادہ مخلص اور قدیمی دوست ہیں اور جن کے وجود کو حضرت امام علیہ السلام اسوۂ حسنہ قرار فرما چکے ہیں جیسا کہ آپ کے شعر

چہ خوش بودے اگر ہر یک ز امت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر دل پر از نور یقیں بودے

سے ظاہر ہے، کے ہاتھ پر احمد کے نام پر تمام احمدی جماعت موجودہ اور آئندہ نئے ممبر بیعت کریں اور حضرت مولوی صاحب موصوف کا فرمان ہمارے واسطے آئندہ ایسا ہی ہو جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود مہدی معہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تھا۔“

5. چنانچہ اس درخواست کو قبول کرتے ہوئے حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اسی وقت اسی جگہ پر، حضرت اقدس علیہ السلام کی نمازجنازہ اور تدفین سے پہلے ایک تقریر کی جس میں فرمایا:

”... اگر تم میری بیعت ہی کرنا چاہتے ہو تو سُن لو کہ بیعت بک جانے کا نام ہے۔ ایک دفعہ حضرت نے مجھے

اشارتاً فرمایا کہ وطن کا خیال بھی نہ کرنا۔ سو اس کے بعد میری ساری عزت اور سارا خیال ان ہی سے وابستہ ہو گیا اور میں نے کبھی وطن کا خیال تک نہیں کیا۔ پس بیعت کرنا ایک مشکل امر ہے۔ ایک شخص دوسرے کے لئے اپنی تمام حریت اور بلند پروازیوں کو چھوڑ دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کا نام عبد رکھا ہے۔ اس عبودیت کا بوجھ اپنی ذات کے لئے مشکل سے اٹھایا جاتا ہے کوئی دوسرے کے لئے کیا اور کیونکر اٹھائے۔ طبائع کے اختلاف پر نظر کرکے یکرنگ ہونے کے لئے بڑی ہمت کی ضرورت ہے۔ میں تو حضرت صاحب کے کاموں میں حیران ہو جاتا ہوں کہ اول بیمار پھر اس قدر بوجھ۔ نثر، نظم، تصنیف، دیگر ضروری کام۔ ادھر میں حضرت صاحب کے قریب عمر، وہاں تائیدات روزانہ موجود۔ یہاں میری حالت ناگفتہ بہ۔ اسی لئے فرمایا فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا کہ یہ سب کچھ خدا کے فضل پر موقوف ہے۔

”میں ایک بڑا امر پیش کرتا ہوں کہ جناب ابو بکرؓ کے زمانے میں عرب میں ایسی بلا پھیلی تھی کہ سوا مکہ اور مدینہ اور جواثہ کے سخت شور و شر اٹھا۔ مکہ والے بھی فرنٹ ہونے لگے۔ مگر وہ بڑی پاک روح تھی جس نے انہیں کہا کہ اسلام لانے میں تم سب سے پیچھے ہو، مرتد ہونے میں کیوں پہلے بنتے ہو۔ صدیقہ عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں۔ میرے باپ کے اوپر جو پہاڑ گرا ہے وہ کسی اور پر گرتا تو چور ہو جاتا۔ پھر بیس ہزار کی جماعت مدینہ میں موجود تھی۔ اور چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حکم دے چکے تھے کہ ایک لشکر روانہ کرنا ہے۔ پس اس کو بھیج دیا۔ ادھر اپنی قوم کا یہ حال تھا مگر آخر خدا نے اپنی قدرت کا ہاتھ دکھلایا۔ وَ لَیُمَکِّنَنَّ لَهُمْ دِیْنَهُمُ الَّذِی ارْتَضٰی لَهُمْ کا زمانہ آ گیا۔ اس وقت بھی اس قسم کا واقعہ پیش آیا۔ میں چاہتا ہوں کہ دفن ہونے سے پہلے تمہارا کلمہ ایک ہو جائے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ابو بکرؓ کے زمانہ میں صحابہ کرامؓ کو بہت سی مساعی جمیلہ کرنی پڑیں۔ سب سے اہم کام جو کیا وہ جمع قرآن ہے اب موجودہ صورت میں جمع یہ ہے کہ اس پر عملدرآمد کرنے کی طرف خاص توجہ ہو۔

”پھر حضرت ابو بکرؓ نے زکوٰۃ کا انتظام کیا۔ یہ ایک بڑا عظیم الشان کام ہے۔ انتظام زکوٰۃ کے لئے اعلیٰ درجے کی فرماں برداری کی ضرورت ہے۔ پھر کنبہ کی پرورش ہے۔ غرض کئی ایسے کام ہیں۔ اب تمہاری طبیعتوں کے رخ کسی طرف ہوں۔ تمہیں میرے احکام کی تعمیل کرنی ہوگی۔ اگر یہ بات تمہیں منظور ہو تو میں طوعاً و کرہاً اس بوجھ کو اُٹھاتا ہوں۔

”وہ بیعت کے دس شرائط بدستور قائم ہیں۔ اُن میں خصوصیت سے میں قرآن کو سیکھنے اور زکوٰۃ کا انتظام کرنے، واعظین کے بہم پہنچانے اور اُن امور کو جو وقتاً فوقتاً اللہ میرے دل میں ڈالے، شامل کرتا ہوں۔ پھر تعلیم دینیات، دینی مدرسہ کی تعلیم میری مرضی اور منشاء کے مطابق کرنا ہوگی۔ اور میں اس بوجھ کو صرف اللہ کے لئے اٹھاتا

ہوں۔ جس نے فرمایا۔ وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ۔

”یادرکھو کہ ساری خوبیاں وحدت میں ہیں۔ جس کا کوئی رئیس نہیں وہ مرچکی۔ فقط“

(بحوالہ حیات نور صفحہ 330 تا 335)

اب یہ تقریر اور اس سے پہلے عمائدین سلسلہ بشمول ممبران انجمن کی درخواست، ان دونوں کا مضمون کیا ہے؟ کیا یہ کہ وہ انجمن کا جانشین مقرر کررہے تھے؟ انجمن کے پریذیڈنٹ تو پہلے سے ہی حکیم نورالدین صاحب تھے۔ یہ مضمون واضح کررہا ہے کہ ایک رئیس، ایک امام مقرر کیا جارہا ہے۔ جس کی بیعت ہونے لگی ہے۔ انجمن کی بیعت نہیں ہوا کرتی تھی۔ تبھی تو حضور رضی اللہ عنہ کی یہ تقریر ختم ہوتے ہی ”تمام حاضرین نے یک زبان ہوکر کہا کہ آپ ہماری بیعت لیں۔ ہم آپ کے احکام مانیں گے۔ آپ ہمارے امیر ہیں اور ہمارے مسیحؑ کے جانشین۔

6. مزید عرض کرتا چلوں۔ یہ ساری کارروائی جس کا اوپر ذکر ہوا ہے اگلے ہی دنوں اخبار میں بھی شائع ہوئی۔ ایک اعلان واشتہار انجمن کے سیکرٹری، مکرم خواجہ کمال الدین صاحب کی طرف سے شائع کیا گیا۔ جو یہ تھا:

”حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ قادیان میں پڑھا جانے سے پہلے آپ کے وصایا مندرجہ رسالہ الوصیت کے مطابق حسب مشورہ معتمدین صدر انجمن احمدیہ موجودہ قادیان و اقربا حضرت مسیح موعود بہ اجازت حضرت ام المومنین کل قوم نے جو قادیان میں موجود تھی جس کی تعداد اس وقت بارہ سو تھی والا مناقب حضرت حاجی الحرمین شریفین جناب حکیم نورالدین صاحب سلمہ کو آپ کا جانشین اور خلیفہ قبول کیا۔ اور آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ معتمدین میں سے ذیل کے احباب موجود تھے۔ مولانا حضرت مولوی سید محمد احسن صاحب، صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب، جناب نواب محمد علی خاں صاحب، شیخ رحمت اللہ صاحب، مولوی محمد علی صاحب، ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب، ڈاکٹر سید محمد حسین شاہ صاحب، خلیفہ رشید الدین صاحب، خاکسار (خواجہ کمال الدین)

”موت اگرچہ بالکل اچانک تھی۔ اور اطلاع دینے کا بہت ہی کم وقت ملا۔ تاہم انبالہ، جالندھر، کپورتھلہ، امرتسر، لاہور، گوجرانوالہ، وزیرآباد، جموں، گجرات، بٹالہ، گورداسپور وغیرہ مقامات سے معزز احباب آ گئے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جنازہ ایک کثیر جماعت نے قادیان اور لاہور میں پڑھا۔ حضرت قبلہ حکیم الامت سلمہ کو مندرجہ بالا جماعتوں کے احباب اور دیگر کل حاضرین نے جن کی تعداد اوپر دی گئی ہے بالاتفاق خلیفۃ المسیح قبول کیا۔ یہ خط بطور اطلاع کل سلسلہ کے ممبران کو لکھا جاتا ہے کہ وہ اس خط کے پڑھنے کے بعد فی الفور حضرت حکیم الامت خلیفۃ المسیح والمہدی کی خدمت بابرکت میں بذات خود یا بذریعہ تحریر بیعت کریں۔“

الفاظ بیعت

مندرجہ بالا اطلاع کے ساتھ ہی وہ الفاظ بھی درج اخبار کر دیئے گئے جن میں حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے بیعت لی تھی۔ اور وہ یہ تھے: ”اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ“ (تین بار)

”آج میں نورالدین کے ہاتھ پر تمام ان شرائط کے ساتھ بیعت کرتا ہوں جن شرائط سے مسیح موعود مہدی معہود بیعت لیا کرتے تھے اور نیز اقرار کرتا ہوں کہ خصوصیت سے قرآن وسنت اور احادیث صحیحہ کے پڑھنے سننے اور اس پر عمل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اور اشاعت اسلام میں جان ومال سے بقدر وسعت وطاقت کمربستہ رہوں گا اور انتظام زکوٰۃ بہت احتیاط سے کروں گا اور باہمی اخوان میں رشتہ محبت کے قائم رکھنے اور قائم کرنے میں سعی کروں گا۔

اَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّ اَتُوْبُ اِلَیْہِ (تین بار) رَبِّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ فَاِنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ- ترجمہ: اے میرے رب! میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور میں اپنے گناہوں کا اقرار کرتا ہوں۔ میرے گناہ بخش کہ تیرے سوا کوئی بخشنے والا نہیں۔ آمین“ (حیاتِ نور صفحہ 335 تا 337)

یہ وہ چند ایک امور تھے جس سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت اقدس علیہ السلام کی وفات کے بعد غیر مبائعین کے عمائدین نے دیگر بزرگان سلسلہ سمیت بقائمی ہوش حواس، بلا جبر واکراہ رسالہ الوصیت کے عین مطابق یہ سمجھا کہ انجمن کے ہوتے ہوئے بھی ایک خلیفہ کی ضرورت ہے اور اسی کی وصیت حضرت اقدسؑ نے فرمائی ہے۔ جس پر عمل کرتے ہوئے ان سب نے حضرت حکیم مولوی نورالدین صاحب کو اپنا امام، پیشوا اور خلیفہ اور مسیح موعودؑ کا جانشین تسلیم کیا۔ اور خود بھی بیعت کی اور انجمن کی طرف سے تمام جماعتوں کو بذریعہ اعلان کہا گیا کہ وہ بھی بیعت کریں۔

لہٰذا جب آیت استخلاف کا حوالہ دے کر ایک خلیفہ کو منتخب کر کے اس کی بیعت کر لی گئی تو کچھ عرصہ کے بعد وَمَنْ کَفَرَ بَعْدَ ذٰلِکَ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْفٰسِقُوْنَ اسکا انکار کرنا بد قسمتی نہیں تو اور کیا ہے۔

ہائے یہ کیا ہو گیا عقلوں پہ کیا پتھر پڑے
ہو گیا آنکھوں کے آگے ان کے دن تاریک و تار
یا کسی مخفی گنہ سے شامتِ اعمال ہے
جس سے عقلیں ہو گئیں بے کار اور اسک مردہ وار

1914ء میں اعلانیہ طور پر ایک فریق یہ کہہ کر الگ ہو گیا کہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ نے خلافت کی بابت کوئی وصیت ونصیحت نہیں فرمائی تھی بلکہ انجمن ہی آپ کی جانشین ہے۔ تب سے لے کر آج تک 112 سال ہونے کو آئے دیکھنا یہ چاہیے کہ دوسری قدرت کا ظہور تو اس لئے مقدر تھا کہ تا اس کے ذریعہ احمدیت کا پیغام دنیا تک پہنچے اور

وہ ترقیات اور فتوحات نصیب ہوں تا کہ خدا کے بھیجے ہوئے اس ماموروم رسل کا غلبہ ظاہر ہو جس کا ذکر کرتے ہوئے حضرت اقدسؑ نے رسالہ الوصیہ میں پہلی قدرت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

''یہ خدا تعالیٰ کی سنت ہے اور جب سے کہ اُس نے انسان کو زمین میں پیدا کیا ہمیشہ اِس سنت کو وہ ظاہر کرتا رہا ہے کہ وہ اپنے نبیوں اور رسولوں کی مدد کرتا ہے اور اُن کو غلبہ دیتا ہے جیسا کہ وہ فرماتا ہے کَتَبَ اللّٰہُ لَاَغۡلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیۡ (المجادلۃ:22) اور غلبہ سے مراد یہ ہے کہ جیسا کہ رسولوں اور نبیوں کا یہ منشاء ہوتا ہے کہ خدا کی حجت زمین پر پوری ہو جائے اور اُس کا مقابلہ کوئی نہ کر سکے اِسی طرح خدا تعالیٰ قوی نشانوں کے ساتھ اُن کی سچائی ظاہر کر دیتا ہے اور جس راستبازی کو وہ دنیا میں پھیلانا چاہتے ہیں اُس کی تخم ریزی اُنہیں کے ہاتھ سے کر دیتا ہے لیکن اُس کی پوری تکمیل اُن کے ہاتھ سے نہیں کرتا بلکہ ایسے وقت میں اُن کو وفات دے کر جو بظاہر ایک ناکامی کا خوف اپنے ساتھ رکھتا ہے مخالفوں کو ہنسی اور ٹھٹھے اور طعن اور تشنیع کا موقع دے دیتا ہے اور جب وہ ہنسی ٹھٹھا کر چکتے ہیں تو پھر ایک دوسرا ہاتھ اپنی قدرت کا دکھاتا ہے۔'' (رسالہ الوصیت، رخ جلد 20 ص 304)

پس بہت سیدھا اور سادہ سا معیار ہے کہ دونوں میں سے کس کے ذریعہ یہ بات پوری ہوئی۔

ہمارے موجودہ امام ہمام پانچویں خلیفہ حضرت صاحبزادہ مرزا مسرور احمد صاحب خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے ایک خطبہ جمعہ میں خلافت کی ان برکات اور خدائی خوشخبریوں کے پورا ہونے کی تفصیلات کو بڑے ہی ایمان افروز اور دلنشین انداز میں بڑی تفصیل کے ساتھ فرمایا۔ آپؑ نے بیان فرمایا:

''چنانچہ دیکھ لیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات کے بعد آپؑ نے ہمیں خوشخبریاں بھی دے دی تھیں کہ آپؑ کی وفات کے بعد اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے انشاء اللہ خلافت دائمی رہے گی اور دشمن دو خوشیاں کبھی نہیں دیکھ سکے گا کہ ایک تو وفات کی خبر اس کو پہنچے اور اس پر خوش ہو۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات پر ایسے بھی تھے جنہوں نے خوشیاں منائیں اور پھر یہ کہ وہ جماعت کے ٹوٹنے کی خوشی وہ دیکھ سکیں گے، یہ کبھی نہیں ہو گا۔ دشمن نے بڑا شور مچایا، بڑا خوش تھا لیکن اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ تھا کہ مِّنۡۢ بَعۡدِ خَوۡفِہِمۡ اَمۡنًا کا ہمیں نظارہ بھی دکھایا۔ اور بعض لوگوں کا خیال تھا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ اب کافی عمر رسیدہ ہو چکے ہیں، طبیعت کمزور ہو چکی ہے اور شاید اس طرح خلافت کا کنٹرول نہ رہ سکے اور شاید وہ خلافت کا بوجھ نہ اٹھا سکیں اور انجمن کے بعض عمائدین کا خیال تھا کہ اب ہم اپنی من مانی کر سکیں گے۔ کیونکہ عمر کی وجہ سے بہت سارے معاملات ایسے ہیں جو اگر ہم حضرت خلیفۃ المسیح الاول کی خدمت میں نہ بھی پیش کریں تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا اور ان کو پتہ نہیں چلے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمن کی یہ تمام اندرونی اور بیرونی جو بھی تدبیریں تھیں ان کو کامیاب نہیں ہونے دیا اور اندرونی فتنے کو بھی

دبا دیا اور دنیا نے دیکھا کہ کس طرح ہر موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ نے اس فتنہ کو دبایا اور کتنے زور اور شدت سے اس کو دبایا اور کس طرح دشمن کا منہ بند کیا۔

آپؓ فرماتے ہیں: "**چونکہ خلافت کا انتخاب عقل انسانی کا کام نہیں، عقل نہیں تجویز کر سکتی کہ کس کے قویٰ قوی ہیں کس میں قوت انسانیہ کامل طور پر رکھی گئی ہے۔** اس لئے جناب الٰہی نے خود فیصلہ کر دیا ہے کہ **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ** خلیفہ بنانا اللہ تعالیٰ ہی کا کام ہے **وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِی الْاَرْضِ۔**" (حقائق الفرقان جلد سوم صفحہ 255)

فرمایا کہ: "**مجھے نہ کسی انسان نے، نہ کسی انجمن نے خلیفہ بنایا اور نہ میں کسی انجمن کو اس قابل سمجھتا ہوں کہ وہ خلیفہ بنائے** پس مجھ کو نہ کسی انجمن نے بنایا نہ میں اس کے بنانے کی قدر کرتا ہوں اور اس کے چھوڑ دینے پر تھوکتا بھی نہیں اور نہ کسی میں طاقت ہے کہ وہ اس خلافت کی رداء کو مجھ سے چھین لے۔"

(الفرقان، خلافت نمبر۔ مئی جون 1967ء صفحہ 28)

پھر آپؓ فرماتے ہیں کہ: "کہا جاتا ہے کہ خلیفہ کا کام صرف نماز پڑھا دینا اور یا پھر بیعت لے لینا ہے۔ یہ کام تو ایک مُلّاں بھی کر سکتا ہے اس کے لئے کسی خلیفے کی ضرورت نہیں اور میں اس قسم کی بیعت پر تھوکتا بھی نہیں۔ **بیعت وہ ہے جس میں کامل اطاعت کی جائے اور خلیفہ کے کسی ایک حکم سے بھی انحراف نہ کیا جائے۔**"

(الفرقان، خلافت نمبر۔ مئی جون 1967ء صفحہ 28)

پھر دنیا نے دیکھا کہ آپؓ کے ان پر زور خطابات سے اور جو آپ نے اس وقت براہ راست انجمن پر بھی ایکشن لئے، جتنے وہ لوگ باتیں کرنے والے تھے وہ سب بھیگی بلّی بن گئے، جھاگ کی طرح بیٹھ گئے۔ اور وقتی طور پر ان میں کبھی کبھی اُبال آتا رہتا تھا اور مختلف صورتوں میں کہیں نہ کہیں جا کر فتنہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے لیکن انجام کار سوائے ناکامی کے اور کچھ نہیں ملا۔

پھر حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی۔ اس کے بعد پھر انہیں لوگوں نے سر اٹھایا اور ایک فتنہ برپا کرنے کی کوشش کی، جماعت میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کی اور بہت سارے پڑھے لکھے لوگوں کو اپنی طرف مائل بھی کر لیا، کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر خلافت کا انتخاب ہوا تو حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد کو ہی جماعت خلیفہ منتخب کرے گی۔ اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس فتنہ کو ختم کرنے کے لئے ان شور مچانے والوں کو، انجمن کے عمائدین کو یہ بھی کہہ دیا کہ مجھے کوئی شوق نہیں خلیفہ بننے کا، تم جس کے ہاتھ پر کہتے ہو میں بیعت کرنے کے لئے تیار ہوں۔ جماعت جس کو چنے گی میں اسی کو خلیفہ مان لوں گا۔ لیکن جیسا کہ میں نے کہا ان لوگوں کو پتہ تھا کہ

اگر انتخاب خلافت ہوا تو حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب ہی خلیفہ منتخب ہوں گے۔ اس لئے وہ اس طرف نہیں آتے تھے اور یہی کہتے رہے کہ فی الحال خلیفہ کا انتخاب نہ کروایا جائے۔ ایک، دو، چار دن کی بات نہیں، چند مہینوں کے لئے اس کو آگے ٹال دیا جائے، آگے کر دیا جائے اور یہ بات کسی طرح بھی جماعت کو قابل قبول نہ تھی۔ جماعت تو ایک ہاتھ پر اکٹھا ہونا چاہتی تھی۔ آخر جماعت نے حضرت خلیفۃ المسیح الثانی حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمدؓ کو خلیفہ منتخب کیا اور آپؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ اور اس وقت بھی مخالفین کا یہ خیال تھا کہ جماعت کے کیونکہ پڑھے لکھے لوگ ہمارے ساتھ ہیں اور خزانہ ہمارے پاس ہے اس لئے چند دنوں بعد ہی یہ سلسلہ ختم ہو جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے پھر اپنی رحمت کا ہاتھ رکھا اور خوف کی حالت کو پھر امن میں بدل دیا اور دشمنوں کی ساری امیدوں پہ پانی پھیر دیا اور ان کی ساری کوششیں ناکام ہو گئیں۔ پھر خلافت ثانیہ میں 1934ء میں ایک فتنہ اٹھا اس کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دبا دیا اور جماعت کو مخالفین کوئی گزند نہیں پہنچا سکے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ ہم پتہ نہیں کیا کر دیں گے۔ پھر 1953ء میں فسادات اٹھے۔ جب پاکستان بن گیا اس وقت دشمن کا خیال تھا کہ اب ہماری حکومت ہے یہاں انگریزوں کی حکومت نہیں رہی اب یہاں انصاف تو ہم نے ہی دینا ہے اور ان لوگوں کو انصاف کا پتہ ہی کچھ نہیں تھا اس لئے اب تو جماعت ختم ہوئی کہ ہوئی۔ لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جماعت کو ان سخت حالات اور خوف کی حالت سے ایسا نکالا کہ دنیا نے دیکھا کہ جو دشمن تھے وہ تو تباہ و برباد ہو گئے، وہ تو ذلیل و خوار ہو گئے لیکن جماعت احمدیہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ایک نئی شان کے ساتھ پھر آگے قدم بڑھاتی ہوئی چلتی چلی گئی۔

غرض کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ کی خلافت کا دور 52 سال رہا اور ہر روز ایک نئی ترقی لے کر آتا تھا۔ کئی زبانوں میں آپؓ کے زمانے میں تراجم قرآن کریم ہوئے۔ بیرونی دنیا میں مشن قائم ہوئے۔ افریقہ میں، یورپ میں مشنز قائم ہوئے اور بڑی ذاتی دلچسپی لے کر ذاتی ہدایات دے کر۔ اس زمانے میں دفاتر کا بھی نظام اتنا نہیں تھا۔ خود مبلغین کو براہ راست ہدایات دے دے کر اس نظام کو آگے بڑھایا اور پھر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ہندو پاکستان میں بلکہ دنیا کے دوسرے ملکوں میں بھی اور خاص طور پر افریقہ میں لاکھوں کی تعداد میں سعید روحوں کو احمدیت قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ اور وہ آنحضرت ﷺ کے جھنڈے تلے جمع ہوئیں۔ پھر دیکھیں آپ نے کس طرح انتظامی ڈھانچے بنائے۔ صدر انجمن احمدیہ کا قیام تو پہلے ہی تھا اس میں تبدیلیاں کیں، ردّوبدل کی۔ اس کو اس طرح ڈھالا کہ انجمن اپنے آپ کو صرف انجمن ہی سمجھے اور کبھی خلافت کے لئے خطرہ نہ بن سکے۔ پھر ذیلی تنظیموں کا قیام ہے، انصار اللہ، خدام الاحمدیہ، لجنہ اماء اللہ، آپ کی دُور رس نظر نے دیکھ لیا کہ اگر میں اس طرح جماعت کی تربیت کروں گا کہ ہر عمر کے لوگوں کو ان کی ذمہ واری کا احساس دلا دوں اور وہ یہ سمجھنے لگیں کہ اب ہم ہی ہیں جنہوں نے

جماعت کو سنبھالنا ہے اور ہر فتنے سے بچانا ہے۔ اپنے اندر نیک تبدیلی اور پاک تبدیلی پیدا کرنی ہے۔ اگر یہ احساس پیدا ہو جائے قوم کے لوگوں میں تو پھر اس قوم کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تو دیکھ لیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے اب دنیا کے ہر ملک میں یہ ذیلی تنظیمیں قائم ہیں اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے فعال ہیں اور آج جرمنی کی خدام الاحمدیہ بھی اسی سلسلے میں اپنا اجتماع کر رہی ہے۔ تو یہ بھی ایک بہت بڑی انتظامی بات تھی جو حضرت مصلح موعودؓ نے جماعت میں جاری فرمائی۔ پھر تحریک جدید کا قیام ہے۔ جب دشمن یہ کہہ رہا تھا کہ میں قادیان کی اینٹ سے اینٹ بجا دوں گا اس وقت آپؓ نے تحریک جدید کا قیام کیا اور پھر بیرون ممالک میں مشن قائم ہوئے۔ پھر وقف جدید کا قیام ہے جو پاکستان اور ہندوستان کی دیہاتی جماعتوں میں تبلیغ کے لئے تھا۔ اب تو یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے دنیا میں پھیل گئی۔ غرضیکہ اتنے کام ہوئے ہیں اور اسی شخص کو جس کو اپنے زعم میں بڑے پڑھے لکھے اور عقلمند اور جماعت کو چلانے کا دعویٰ کرنے والے سمجھتے تھے کہ یہ بچہ ہے اس کے ہاتھ میں خلافت کی باگ ڈور ہے اور یہ کچھ نہیں کر سکتا اسی بچے نے دنیا میں ایک تہلکہ مچا دیا۔ اور تمام دنیا میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس الہام کو بھی پورے کرنے والے ہو گئے کہ میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں کہ: "جو خلیفہ مقرر کیا جاتا ہے اس میں دیکھا جاتا ہے کہ اس نے کل خیالات کو یکجا جمع کرنا ہے۔ اس کی مجموعی حیثیت کو دیکھا جاوے۔ ممکن ہے کسی ایک بات میں دوسرا شخص اس سے بڑھ کر ہو۔ ایک مدرسہ کے ہیڈ ماسٹر کے لئے صرف یہ نہیں دیکھا جاتا کہ وہ پڑھاتا اچھا ہے کہ نہیں یا اعلیٰ ڈگری پاس ہے یا نہیں۔ ممکن ہے کہ اس کے ماتحت اس سے بھی اعلیٰ ڈگری یافتہ ہوں۔ اس نے انتظام کرنا ہے، افسروں سے معاملہ کرنا ہے، ماتحتوں سے سلوک کرنا ہے یہ سب باتیں اس میں دیکھی جاویں گی۔ اسی طرح سے خدا کی طرف سے جو خلیفہ ہو گا اس کی مجموعی حیثیت کو دیکھا جاوے گا۔ خالد بن ولید جیسی تلوار کس نے چلائی؟ مگر خلیفہ ابو بکر ہوئے۔ اگر آج کوئی کہتا ہے کہ یورپ میں میری قلم کی دھاک مچی ہوئی ہے تو وہ خلیفہ نہیں ہو سکتا۔ خلیفہ وہی ہے جسے خدا نے بنایا۔ خدا نے جس کو چن لیا اُس کو چن لیا۔ خالد بن ولید نے 60 آدمیوں کے ہمراہ 60 ہزار آدمیوں پر فتح پائی۔ عمرؓ نے ایسا نہیں کیا"۔ (حضرت عمرؓ نے) "مگر خلیفہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی ہوئے۔ حضرت عثمانؓ کے وقت میں بڑے جنگی سپہ سالار موجود تھے، ایک سے ایک بڑھ کر جنگی قابلیت رکھنے والا ان میں موجود تھا۔ سارے جہان کو اس نے فتح کیا، مگر خلیفہ عثمانؓ ہی ہوئے۔ پھر کوئی تیز مزاج ہوتا ہے، کوئی نرم مزاج، کوئی متواضع، کوئی منکسر المزاج ہوتے ہیں، ہر ایک کے ساتھ سلوک کرنا ہوتا ہے جس کو وہی سمجھتا ہے۔ جس کو معاملات ایسے پیش آتے ہیں۔"

(خطبات محمود جلد 4 صفحہ 72، 73)

پھر آپؓ فرماتے ہیں کہ: ”میں ایسے شخص کو جس کو خدا تعالیٰ خلیفہ ثالث بنائے ابھی سے بشارت دیتا ہوں کہ اگر وہ خدا تعالیٰ پر ایمان لا کر کھڑا ہو جائے گا تو اگر دنیا کی حکومتیں بھی اس سے ٹکر لیں گی وہ ریزہ ریزہ ہو جائیں گی۔“
(خلافت حقہ اسلامیہ صفحہ 18)

چنانچہ ہم نے دیکھا کہ جس بھی حکومت نے ٹکّرلی اس کے اپنے ٹکڑے ہو گئے۔ اور پھر خلافت رابعہ میں بھی یہی نظارے ہمیں نظر آئے۔

ایک اور جگہ حضرت خلیفہ ثانیؓ نے چھٹی ساتویں خلافت تک کا بھی ذکر کیا ہوا ہے۔ تفصیل تو میں آگے بتاتا ہوں۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ فرماتے ہیں کہ یہ سب لوگ مل کر جو فیصلہ کریں گے وہ تمام جماعت کے لئے قبول ہو گا۔ یعنی انتخاب خلافت کمیٹی کے بارے میں۔ اور جماعت میں سے جو شخص اس کی مخالفت کرے گا وہ باغی ہو گا اور جب بھی انتخاب خلافت کا وقت آئے اور مقررہ طریق کے مطابق جو بھی خلیفہ چنا جائے میں اس کو ابھی سے بشارت دیتا ہوں کہ اگر اس قانون کے ماتحت وہ چنا جائے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہو گا، اور جو بھی اس کے مقابل میں کھڑا ہو گا، وہ بڑا ہو یا چھوٹا ذلیل کیا جائے گا اور تباہ کیا جائے گا۔

پھر آپ فرماتے ہیں کہ **”خلافت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ جس وقت خلیفہ کے منہ سے کوئی لفظ نکلے اس وقت سب سکیموں، سب تجویزوں اور سب تدبیروں کو پھینک کر رکھ دیا جائے اور سمجھ لیا جائے کہ اب وہی سکیم وہی تجویز اور وہی تدبیر مفید ہے جس کا خلیفہ وقت کی طرف سے حکم ملا ہے۔ جب تک یہ روح جماعت میں پیدا نہ ہو اس وقت تک سب خطبات رائیگاں، تمام سکیمیں باطل اور تمام تدبیریں ناکام ہیں۔“**
(خطبہ جمعہ 24/ جنوری 1936ء مندرجہ الفضل 31/ جنوری 1936ء)

پھر خلافت ثالثہ کا دور آیا۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کی وفات کے بعد پھر اندرونی اور بیرونی دشمن تیز ہوا۔ لیکن کیا ہوا؟ کیا جماعت میں کوئی کمی ہوئی؟ نہیں، بلکہ خدا تعالیٰ نے اپنے وعدوں کے مطابق پہلے سے بڑھ کر ترقیات کے دروازے کھولے۔ مشنوں میں مزید توسیع ہوئی۔ افریقہ میں بھی، یورپ میں بھی اور پھر افریقہ کے دورے کے دوران حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے نصرت جہاں سکیم کا اجراء فرمایا۔ اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق، ایک رؤیا کے مطابق۔ ہسپتال کھولے گئے۔ سکول کھولے گئے، ہسپتالوں میں اب تک اللہ تعالیٰ کے فضل سے لاکھوں مریض شفا پا چکے ہیں۔ گورنمنٹ کے بڑے بڑے ہسپتالوں کو چھوڑ کر ہمارے چھوٹے چھوٹے دور دراز کے دیہاتی ہسپتالوں میں لوگ اپنا علاج کرانے آتے ہیں۔ بلکہ سرکاری افسران بھی اس طرف آتے ہیں۔ کیوں؟ اس لئے کہ ہمارے ہسپتالوں میں جو واقفین زندگی ڈاکٹرز کام کر رہے ہیں وہ ایک جذبے کے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ اور ان کے

پیچھے خلیفہ وقت کی دعاؤں کا بھی حصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے خلیفہ کی لاج رکھنے کے لئے ان دعاؤں کو سنتا ہے اور جہاں بھی کوئی کارکن اس جذبے سے کام کر رہا ہو کہ میں دین کی خدمت کر رہا ہوں اور میرے پیچھے خلیفہ وقت کی دعائیں ہیں تو اللہ تعالیٰ بھی اس میں بے انتہا برکت ڈالتا ہے۔ پھر سکولوں میں ہزاروں لاکھوں طلباء اب تک پڑھ چکے ہیں بڑی بڑی پوسٹ پر قائم ہیں۔ ہمارے گھانا کے ڈپٹی منسٹر آف انرجی جو ہیں انہوں نے احمدیہ سکول میں شروع میں کچھ سال تعلیم حاصل کی۔ پھر ایک سکول سے دوسرے سکول میں چلے گئے وہ بھی احمدیہ سکول ہی تھا۔ اور آج ان کو اللہ تعالیٰ نے بڑا رتبہ دیا ہوا ہے۔ اسی طرح اور بہت سارے لوگ ہیں۔ افریقن ملکوں میں جائیں تو دیکھ کر پتہ لگتا ہے۔ یہ سب جو فیض ہیں اس وجہ سے ہیں کہ ڈاکٹر ہوں یا ٹیچر، ایک جذبے کے تحت کام کر رہے ہیں اور یہ سوچ ان کے پیچھے ہوتی ہے کہ ہم جو بھی کام کر رہے ہیں ایک تو ہم نے دعا کرنی ہے، خود اللہ تعالیٰ سے فضل مانگنا ہے اور پھر خلیفۃ المسیح کو لکھتے چلے جانا ہے تاکہ ان کی دعاؤں سے بھی ہم حصہ پاتے رہیں۔ اور یہ جو افریقن ممالک میں ہمارے سکول اور کالج ہیں اللہ تعالیٰ کے فضل سے تبلیغ کا بھی ذریعہ بنے ہوئے ہیں۔ کل ہی سیرالیون کی رہنے والی خاتون بچوں کے ساتھ مجھے ملنے آئیں۔ وہ کہتی ہیں کہ ہمارے ہاں تو خاندان میں اسلام کا پتہ ہی کچھ نہیں تھا۔ احمدیہ سکول میں میں نے تعلیم حاصل کی اور وہیں سے مجھے احمدیت کا پتہ لگا اور بڑے اخلاص اور وفا کا اظہار کر رہی تھیں۔ وہ بڑی مخلص احمدی خاتون ہیں۔ اسی طرح اور بہت سے ہزاروں، لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہیں جو ہمارے ان سکولوں سے تعلیم حاصل کر کے اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت میں شامل ہوئے اور اس کی برکات سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ پھر خلافت ثالثہ میں ہی آپ دیکھ لیں، 74ء کا فساد ہوا اس وقت ان کا خیال تھا کہ اب تو احمدیت ختم ہوئی کہ ہوئی، ایک قانون پاس کر دیا کہ ہم ان کو غیر مسلم قرار دے دیں گے تو پتہ نہیں کیا ہو جائے گا۔ کئی شہید کئے گئے، جانی نقصان کے ساتھ ساتھ مالی نقصان بھی پہنچایا گیا۔ کاروبار لوٹے گئے، گھروں کو آگیں لگا دی گئیں، دکانوں کو آگیں لگا دی گئیں، کارخانوں کو آگیں لگا دی گئیں۔ لیکن ہوا کیا؟ کیا احمدیت ختم ہو گئی۔ پہلے سے بڑھ کر اس کا قدم اور تیز ہو گیا، باپ کو بیٹے کے سامنے قتل کیا گیا، بیٹے کو باپ کے سامنے قتل کیا تو کیا خاندان کے باقی افراد نے احمدیت چھوڑ دی؟۔ ان میں اور زیادہ ثبات قدم پیدا ہوا، ان میں اور زیادہ اخلاص پیدا ہوا۔ ان میں اور زیادہ جماعت کے ساتھ تعلق پیدا ہوا۔ دشمن کی کوئی بھی تدبیر کبھی بھی کارگر نہیں ہوئی اور کبھی کسی کے ایمان میں لغزش نہیں آئی۔ اور پھر اب دیکھیں کہ ان نیکیوں پہ قائم رہنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو جو جانی نقصان ہوا یا جن خاندانوں کو اپنے پیاروں کا جانی نقصان برداشت کرنا پڑا، اگلے جہان میں تو اللہ تعالیٰ نے جزا دینی ہے اللہ نے اُن کو اِس دنیا میں بھی ان کو بے انتہا نوازا ہے۔ مالی لحاظ سے بھی اور ایمان کے لحاظ سے بھی۔ جو پاکستان میں رہے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے کاروباروں میں برکت دی۔ کئی لوگ ملتے ہیں جن کے

ہزاروں کے کاروبار تھے اب لاکھوں میں پہنچے ہوئے ہیں۔ جن کے لاکھوں کے کاروبار تباہ کئے گئے تھے ان کے کاروبار کروڑوں میں پہنچے ہوئے ہیں اور آپ لوگ بھی جو یہاں نکلے، اسی وجہ سے نکلے، آپ کو بھی اللہ تعالیٰ نے اسی لئے نکلنے کا موقع دیا کہ جماعت پر پاکستان میں تنگیاں اور سختیاں تھیں۔ اور یہاں آ کے اگر نظر کریں پچھلے حالات میں اور اب کے حالات میں تو آپ کو خود نظر آ جائے گا کہ آپ پہ اللہ تعالیٰ کے کتنے فضل ہوئے ہیں۔ مالی لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے کتنا آپ کو مضبوط کر دیا ہے۔ اب اس کا تقاضہ یہ ہے کہ آپ لوگ اس کے آگے مزید جھکیں اور اس کے عبادت گزار بنتے چلے جائیں۔ اپنی نسلوں میں بھی یہ بات پیدا کریں کہ سب کچھ جو تم فیض پا رہے ہو یہ اس سختی اور تنگی کا فیض ہے جو جماعت پہ پاکستان میں تھی اور آج ہم اس کی وجہ سے کشائش میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ کیونکہ یہ ہمیشہ یاد رکھیں کہ نیک اعمال بجالانے کی شرط قائم ہے اور ہر وقت قائم ہے۔

پھر خلافت رابعہ کا دور آیا۔ پھر دشمن نے کوشش کی کسی طرح فتنہ وفساد پیدا کیا جائے لیکن جماعت ایک ہاتھ پر اکٹھی ہو گئی۔ اور پھر اللہ تعالیٰ نے اس خوف کی حالت کو امن میں بدل دیا۔ انتخاب خلافت کے ان حالات کے بعد جو بڑی سختی کے چند دن یا ایک آدھ دن تھے دشمن نے جب وہ سکیم ناکام ہوتی دیکھی تو پھر دو سال بعد ہی خلافت رابعہ میں، 84ء میں، پھر ایک اور خوفناک سکیم بنائی کہ خلیفۃ المسیح کو بالکل عضوِ معطّل کی طرح کر کے رکھ دو۔ وہ کوئی کام نہ کر سکے۔ اور جب وہ کوئی کام نہیں کر سکے گا تو جماعت میں بے چینی پیدا ہو گی اور جب جماعت میں بے چینی پیدا ہو گی تو ظاہر ہے وہ ٹکڑے ٹکڑے ہوتی چلی جائے گی، اس کا شیرازہ بکھرتا چلا جائے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر پر اپنی تدبیر کو کیسے حاوی کیا۔ ان کی ہر تدبیر کو کس طرح الٹا کے مارا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الرابع کے وہاں سے نکلنے کے ایسے سامان پیدا فرمائے کہ کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ چھپ کے نکلے۔ کھلے طور پر نکلے اور سب کے سامنے نکلے اور کراچی سے دن کے وقت یا صبح شروع وقت کی ہی وہ فلائیٹ تھی۔ بہر حال وہاں کوشش بھی کی گئی کہ روکا جائے لیکن وہاں بھی اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں پر پٹی باندھ دی اور وہ نہیں پہچان سکے۔ جماعت میں اس سے بڑی سچائی کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے۔

آنحضرت ﷺ نے جب مکہ سے ہجرت کی ہے تو جو اس وقت سلوک ہوا تھا اس سلوک کی کچھ جھلکیاں ہم نے اس ہجرت کے وقت بھی دیکھیں اور جس سے ہمارے ایمانوں کو مزید تقویت پہنچی ہمارے ایمان مزید مضبوط ہوئے۔ پھر یہاں پہنچ کر بیرونی ممالک میں جماعتوں کو مشنوں کو منظم کرنے کا کام بہت وسعت اختیار کر گیا۔ اور اسی طرح دعوت الی اللہ کا کام بھی بہت وسیع ہو گیا۔ اور پھر لاکھوں اور کروڑوں کی تعداد میں جماعت میں داخل ہونا شروع ہو گئے، پھر ایم ٹی اے کا اجراء ہوا، ایک ملک میں تو پلان تھا کہ یہاں خلیفۃ المسیح کی آواز کو روک دیا جائے لیکن ایم ٹی

اے نے تمام دنیا میں وہ آواز پہنچادی اور دشمن کی تدبیریں پھر ناکام ہو کر ان پر لوٹ گئیں۔ پہلے تو مسجد اقصیٰ ربوہ میں خلیفۃ المسیح کا خطبہ سنتے تھے اب ہر شہر میں، ہر گاؤں میں، ہر گھر میں یہ آواز پہنچ رہی ہے۔ پھر افریقہ میں خدمت انسانیت کے کام کو اس دور میں بڑی وسعت دی گئی۔ غرض کہ ایک انتہائی ترقی کا دور تھا اور ہر روز جو دن چڑھ رہا تھا وہ ایک نئی ترقی لے کر آرہا تھا۔ دشمن خیال کرتا ہے یا انسان اپنی سوچ سے بعض اوقات سوچتا ہے کہ یہاں انتہاء ہو گئی اور اب اس سے زیادہ ترقی کیا ہو گی۔ لیکن اللہ تعالیٰ ایسے نظارے دکھاتا ہے کہ انسان کی سوچ بھی وہاں تک نہیں پہنچ سکتی۔

پھر آپ کی وفات کے بعد دشمنوں کا خیال تھا کہ اب تو یہ جماعت گئی کہ گئی اب بظاہر کوئی نظر نہیں آتا کہ اس جماعت کو سنبھال سکے۔ **لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے نظارے سب نے دیکھے۔** بچوں نے بھی اور نوجوانوں نے بھی، مردوں نے بھی اور عورتوں نے بھی اپنے ایمانوں کو مضبوط کیا۔ حتیٰ کہ غیر از جماعت بھی کیا مسلمان اور کیا غیر مسلمان سب نے ہی یہ نظارے دیکھے کیونکہ ایم ٹی اے کے ذریعے یہ ہر جگہ پہنچ رہے تھے۔ لندن میں مجھے کسی نے بتایا کہ ایک سکھ نے کہا کہ ہم بڑے حیران ہوئے آپ لوگوں کا یہ سارا نظام دیکھ کر اور پھر انتخاب خلافت کا سارا نظارہ دیکھ کر۔ پاکستان میں ہمارے ڈاکٹر نوری صاحب کے پاس ایک غیر از جماعت بڑے پیر ہیں یا عالم ہیں وہ آئے (مریض تھے اس لئے آتے رہے) اور ساری باتیں پوچھتے رہے کہ کس طرح ہوا، کیا ہوا اور پھر بتایا کہ میں نے بھی ایم ٹی اے پر دیکھا تھا۔ دشمن بھی وہ جس طرح کہتے ہیں نہ کہ کھلے طور پر تو نہیں دیکھتے لیکن چھپ چھپ کر ایم ٹی اے دیکھتے ہیں۔ یہ سارے نظارے دیکھے اور ڈاکٹر صاحب کو کہنے لگے کہ یہ ایسا نظارہ تھا جو حیرت انگیز تھا۔ اور باتوں میں ڈاکٹر صاحب نے کہا ٹھیک ہے آپ کو پھر تسلیم کرنا چاہئے کہ جماعت احمدیہ سچی ہے کہتے ہیں کہ یہ تو میں نہیں کہتا، یہ مجھے ابھی بھی یقین ہے کہ جماعت احمدیہ سچی نہیں ہے لیکن یہ مجھے یقین ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت آپ کے ساتھ ہے۔ تو جب اللہ تعالیٰ کی فعلی شہادت ہمارے ساتھ ہو گئی تو پھر اور کیا چیز رہ گئی۔ یہ آنکھوں پر پردے پڑے ہونے کی بات ہے اور دلوں پر پردے پڑے ہونے کی بات ہی ہے۔

اب اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے شخص کو خلافت کے منصب پر فائز کیا کہ اگر دنیا کی نظر سے دیکھا جائے تو شاید دنیا کے لوگ اس کی طرف نظر اٹھا کر بھی نہ دیکھیں۔ اس کی طرف دیکھنا بھی گوارا نہ کریں لیکن خدا تعالیٰ دنیا کا محتاج نہیں ہے جیسا کہ حضرت مصلح موعودؓ نے فرمایا کہ: ”خوب یاد رکھو کہ خلیفہ خدا بناتا ہے اور جھوٹا ہے وہ انسان جو یہ کہتا ہے کہ خلیفہ انسانوں کا مقرر کردہ ہوتا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح مولوی نورالدین صاحب اپنی خلافت کے زمانے میں چھ سال متواتر اس مسئلے پر زور دیتے رہے کہ خلیفہ خدا مقرر کرتا ہے، نہ انسان۔ اور درحقیقت قرآن شریف کو غور سے

مطالعہ کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ ایک جگہ بھی خلافت کی نسبت انسانوں کی طرف نہیں کی گئی بلکہ ہر قسم کے خلفاء کی نسبت اللہ تعالیٰ نے یہی فرمایا ہے کہ انہیں ہم بناتے ہیں۔(انوارالعلوم جلد 2 صفحہ 11)

پھر آپؓ فرماتے ہیں:"خدا تعالیٰ جس شخص کو خلافت پر کھڑا کرتا ہے وہ اس کو زمانے کے مطابق علوم بھی عطا کرتا ہے اگر وہ احمق، جاہل اور بیوقوف ہوتا ہے۔"پھر فرمایا کہ:"اس کے یہ معنی ہیں کہ خلیفہ خود خدا بناتا ہے اس کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ جب کسی کو خدا خلیفہ بناتا ہے تو اسے اپنی صفات بخشتا ہے۔ اور اگر وہ اسے اپنی صفات نہیں بخشتا تو خدا تعالیٰ کے خود خلیفہ بنانے کے معنی ہی کیا ہیں۔"(الفرقان۔ مئی جون 1967ء صفحہ 37)

میں جب اپنے آپ کو دیکھتا ہوں، اپنی نااہلی اور کم مائیگی کو دیکھتا ہوں اور میرے سے زیادہ میرا خدا مجھے جانتا ہے کہ میرے اندر کیا ہے تو اس وقت ہر لمحے اللہ تعالیٰ کی قدرت یاد آ جاتی ہے۔ مکرم میر محمود احمد صاحب نے ایک شعر کہا۔

مجھ کو بس ہے میرا مولیٰ، میرا مولیٰ مجھ کو بس
کیا خدا کافی نہیں ہے، کی شہادت دیکھ لی

اس کی بیک گراؤنڈ جو میں سمجھتا ہوں وہ یہ ہے کہ ایک تو **"کیا خدا کافی نہیں ہے"** کی شہادت اَلَیْسَ اللّٰہ کی انگوٹھی ہے جو خلیفۃ المسیح کو ملتی ہے۔ اس کے علاوہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تین انگوٹھیاں تھیں جو آپؑ کے تین بیٹوں کو ملیں۔ اور جو "مولیٰ بس" کی انگوٹھی تھی (ایک انگوٹھی جس پر مولیٰ بس، کا الہام کندہ تھا) وہ حضرت مرزا شریف احمد صاحبؓ کے حصہ میں آئی تھی اور یہ میں نے پہنی ہوئی ہے۔ اس کے بعد میرے والد صاحب حضرت صاحبزادہ مرزا منصور احمد صاحب کو ملی اور ان کی وفات کے بعد میری والدہ نے مجھے دے دی۔ میں تو اس کو بڑی سنبھال کے رکھتا تھا، پہنتا نہیں تھا لیکن انتخاب خلافت کے بعد میں نے یہ پہننی شروع کی ہے۔ تو "مولیٰ بس" کے نظارے اور "کیا خدا کافی نہیں ہے" کے نظارے مجھے تو ہر لحہ نظر آتے ہیں کیونکہ اگر ویسے میں دیکھوں تو میری کوئی حیثیت نہیں ہے۔

خلافت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے

لوگوں کے دلوں میں محبت اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ کوئی انسان محبت پیدا نہیں کر سکتا۔ جیسا کہ حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھا دے۔ تو مخالفوں کی خوشیوں کو اللہ تعالیٰ نے کس طرح پامال کیا۔ اب بھی بعض مخالفین شور مچاتے ہیں، منافقین بھی بعض باتیں کر جاتے

ہیں۔ وہ چاہے جتنا مرضی شور مچالیں، جتنا مرضی زور لگالیں، خلافت اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی ہے اور جب تک اللہ چاہے گا یہ رہے گی اور جب چاہے گا مجھے اٹھالے گا اور کوئی نیا خلیفہ آجائے گا۔ لیکن حضرت خلیفہ اولؓ کے الفاظ میں میں کہتا ہوں کسی انسان کے بس کی بات نہیں کہ وہ ہٹاسکے یا فتنہ پیدا کر سکے۔ جماعت اللہ تعالیٰ کے فضل سے بہت مضبوط ہے اور ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح ہے۔ افریقہ میں بھی مَیں دورہ پر گیا ہوں ایسے لوگ جنہوں نے کبھی دیکھا نہیں تھا اس طرح ٹوٹ کر انہوں نے محبت کا اظہار کیا ہے جس طرح برسوں کے بچھڑے ملے ہوتے ہیں یہ سب کیا ہے؟ جس طرح ان کے چہروں پر خوشی کا اظہار میں نے دیکھا ہے، یہ سب کیا ہے؟ جس طرح سفر کی صعوبتیں اور تکلیفیں برداشت کر کے وہ لوگ آئے، یہ سب کچھ کیا ہے؟۔ کیا دنیا دکھاوے کے لئے یہ سب خلافت سے محبت ہے جو ان دور دراز علاقوں میں رہنے والے لوگوں میں بھی اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہے۔ تو جس چیز کو اللہ تعالیٰ پیدا کر رہا ہے وہ انسانی کوششوں سے کہاں نکل سکتی ہے۔ جتنا مرضی کوئی چاہے، زور لگالے۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں کو باقاعدہ میں نے آنسوؤں سے روتے دیکھا ہے۔ تو یہ سب محبت ہی ہے جو خلافت کی ان کے دلوں میں قائم ہے۔ بچے اس طرح بعض دفعہ دائیں بائیں سے نکل کے سیکیورٹی کو توڑتے ہوئے آ کے چمٹ جاتے تھے۔ وہ محبت تو اللہ تعالیٰ نے بچوں کے دل میں پیدا کی ہے، کسی کے کہنے پہ تو نہیں آسکتے۔ اور پھر ان کے ماں باپ اور دوسرے ارد گرد لوگ جو اکٹھے ہوتے تھے ان کی محبت بھی دیکھنے والی ہوتی تھی۔ پھر اس بچے کو اس لئے وہ پیار کرتے تھے کہ تم خلیفہ وقت سے چمٹ کے اور اس سے پیار لے کر آئے ہو۔ یہ سب باتیں احمدیت کی سچائی کی دلیل ہیں۔ اگر کسی کی نظر ہو دیکھنے کی تبھی دیکھ سکتا ہے۔ چند لوگ اگر مرتد ہوتے ہیں یا منافقانہ باتیں کرتے ہیں تو ان کی ہمیں کوئی پرواہ نہیں ہے۔ ایک بد فطرت اگر جاتا ہے تو جائے، اچھا ہے خس کم جہاں پاک۔ وہ اپنے بد انجام کی طرف قدم بڑھا رہا ہے وہی اس کا انجام مقدر تھا جس کی طرف جا رہا ہے۔ لیکن جب اس کے مقابل پر ایک جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سینکڑوں سعید روحوں کو احمدیت میں داخل کرتا ہے۔

یاد رکھیں وہ سچے وعدوں والا خدا ہے۔ وہ آج بھی اپنے پیارے مسیح کی اس پیاری جماعت پر ہاتھ رکھے ہوئے

ہے۔ وہ ہمیں کبھی نہیں چھوڑے گا اور کبھی نہیں چھوڑے گا اور کبھی نہیں چھوڑے گا۔ وہ آج بھی اپنے مسیح سے کئے ہوئے وعدوں کو اسی طرح پورا کر رہا ہے جس طرح وہ پہلی خلافتوں میں کرتا رہا ہے۔ وہ آج بھی اسی طرح اپنی رحمتوں اور فضلوں سے نواز رہا ہے جس طرح پہلے وہ نوازتا رہا ہے اور انشاء اللہ نوازتا رہے گا۔ پس ضرورت ہے تو اس بات کی کہ کہیں کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل نہ کر کے خود ٹھوکر نہ کھا جائے۔ اپنی عاقبت خراب نہ کر لے۔ پس

دعائیں کرتے ہوئے اور اس کی طرف جھکتے ہوئے اور اس کا فضل مانگتے ہوئے ہمیشہ اس کے آستانہ پر پڑے رہیں اور اس مضبوط کڑے کو ہاتھ ڈالے رکھیں تو پھر کوئی بھی آپ کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین"(خطبات مسرور، جلد2ص354-341خطبہ جمعہ فرمودہ 21مئی 2004ء)

کہتے ہیں کہ **درخت اپنے پھل سے پہچانا جاتا ہے**۔ جب ابھی بیج بویا جاتا ہے تو ہر چند کہ اس کی پہچان کے لئے فراست درکار ہوتی ہے۔ مہارت اور دیدہ وری کی ضرورت ہوتی ہے کہ یہ کس چیز کا درخت ہے۔ اور اس پر سوال اور اعتراض بھی ممکن ہے۔ لیکن جب درخت پر پھل لگ جائے تو سارے اعتراض اور سوال ختم ہو جاتے ہیں۔ پہلے درخت لگا کر بتایا جاتا ہے کہ یہ فلاں پھل کا درخت ہے اور جب پھل لگ جائے تو پھر پھل خود بتاتا ہے کہ یہ کس کا درخت تھا۔ 1889ء میں احمدیت کا پودا جب حکم خدا سے بلکہ خدا کے ہاتھ سے لگایا گیا۔ تو لوگوں نے اس کی تکذیب اور مخالفت کی اور اس کو ایک دوکان داری اور ٹھگ بازی قرار دیا۔ ہر چند کہ اس کو پرکھنے اور جانچنے کے ایک سو ایک طریق تھے۔ لیکن بہر حال مخالفت ہوتی رہی۔ ہر شخص نے مخالفت کی، اپنوں نے بھی کی بیگانوں نے بھی کی۔ گروہوں نے بھی کی اور قوموں نے بھی کی، پھر حکومتوں نے بھی اس پودے کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی کوشش کی۔ لیکن آخر ہوا کیا۔ 23مارچ 1889ء کو چالیس افراد کے ساتھ وجود میں آنے والی یہ جماعت بڑھنے لگی، چالیس سے چالیس ہزار اور پھر چالیس لاکھ ہوئی اور اب کروڑوں کی تعداد میں ہوگئی۔ تحصیل بٹالہ کی ایک چھوٹی سی گمنام بستی سے اٹھنے والی آواز پورے ہندوستان سے ہوتی ہوئی اب کیا براعظم امریکہ، اور کیا براعظم افریقہ اور کیا براعظم یورپ اور کیا براعظم آسٹریلیا اور ایشیا، رشیا اور چین سمیت دنیا کے ملک ملک میں پھیل گئی۔ اور اس آواز کو دبانے والے خود مٹی میں دب گئے اور احمدیت کو مٹانے والوں کے نام ونشان تک مٹ گئے۔

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

"**میرے پر ایسی رات کوئی کم گذرتی ہے جس میں مجھے یہ تسلی نہیں دی جاتی کہ میں تیرے ساتھ ہوں اور میری آسمانی فوجیں تیرے ساتھ ہیں** اگر چہ جو لوگ دل کے پاک ہیں مرنے کے بعد خدا کو دیکھیں گے لیکن مجھے اُسی کے مُنہ کی قسم ہے کہ میں اب بھی اُس کو دیکھ رہا ہوں۔ دنیا مجھ کو نہیں پہچانتی لیکن وہ مجھے جانتا ہے جس نے مجھے بھیجا ہے۔ یہ اُن لوگوں کی غلطی ہے۔ اور سراسر بد قسمتی ہے کہ میری تباہی چاہتے ہیں۔ میں وہ درخت ہوں جس کو مالک حقیقی نے اپنے ہاتھ سے لگایا ہے جو شخص مجھے کاٹنا چاہتا ہے اس کا نتیجہ بجز اس کے کچھ نہیں کہ وہ قارون اور یہودا اسکریوطی اور ابو جہل کے نصیب سے کچھ حصہ لینا چاہتا ہے۔"(ضمیمہ تحفہ گولڑویہ، رخ17ص49)

"مَیں امید رکھتا ہوں کہ قبل اس کے جو مَیں اس دنیا سے گذر جاؤں۔ مَیں اپنے اُس حقیقی آقا کے سوا دوسرے کا محتاج نہیں ہوں گا اور وہ ہر ایک دشمن سے مجھے اپنی پناہ میں رکھے گا۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ اَوَّلًا وَّاٰخِرًا وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا هُوَ وَلِيِّیْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَهُوَ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْر۔ [تمام تعریفیں ابتداء میں بھی اور آخر میں بھی اور ظاہراً بھی اور مخفی بھی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ وہ دنیا اور آخرت میں مددگار ہے اور وہ کیا ہی اچھا مولیٰ ہے اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔] اور مَیں یقین رکھتا ہوں کہ وہ میری مدد کرے گا اور وہ مجھے ہرگز ہرگز ضائع نہیں کرے گا۔ اگر تمام دنیا میری مخالفت میں درندوں سے بدتر ہو جائے تب بھی وہ میری حمایت کرے گا۔ مَیں نامرادی کے ساتھ ہرگز قبر میں نہیں اُتروں گا کیونکہ میرا خدا میرے ہر قدم میں میرے ساتھ ہے اور مَیں اس کے ساتھ ہوں۔ میرے اندرون کا جو اُس کو علم ہے کسی کو بھی علم نہیں۔ اگر سب لوگ مجھے چھوڑ دیں تو خدا ایک اور قوم پیدا کرے گا جو میرے رفیق ہوں گے۔ نادان مخالف خیال کرتا ہے کہ میرے مکروں اور منصوبوں سے یہ بات بگڑ جائے گی اور سِلسلہ درہم برہم ہو جائے گا مگر یہ نادان نہیں جانتا کہ جو آسمان پر قرار پا چکا ہے زمین کی طاقت میں نہیں کہ اس کو محو کر سکے۔ میرے خدا کے آگے زمین و آسمان کانپتے ہیں۔ خدا وہی ہے جو میرے پر اپنی پاک وحی نازل کرتا ہے اور غیب کے اسرار سے مجھے اطلاع دیتا ہے۔ اُس کے سوا کوئی خدا نہیں۔ اور ضروری ہے کہ وہ اس سِلسلہ کو چلاوے اور بڑھاوے اور ترقی دے جب تک وہ پاک اور پلید میں فرق کر کے نہ دکھلا دے۔ ہر ایک مخالف کو چاہیئے کہ جہاں تک ممکن ہو اِس سِلسلہ کے نابود کرنے کے لئے کوشش کرے اور ناخنوں تک زور لگاوے اور پھر دیکھے کہ انجام کار وہ غالب ہوا یا خدا۔ پہلے اس سے ابوجہل اور ابولہب اور ان کے رفیقوں نے حق کے نابود کرنے کے لئے کیا کیا زور لگائے تھے مگر اب وہ کہاں ہیں۔ وہ فرعون جو موسیٰ کو ہلاک کرنا چاہتا تھا اب اس کا کچھ پتہ ہے۔ پس یقیناً سمجھو کہ صادق ضائع نہیں ہو سکتا وہ فرشتوں کی فوج کے اندر پھرتا ہے۔ بدقسمت وہ جو اُس کو شناخت نہ کرے۔"

(ضمیمہ براہین احمدیہ حصہ پنجم، رخ21 ص294-295)

یہ صدائے فقیرانہ حق آشنا پھیلتی جائے گی شش جہت میں سدا
تیری آوازاے دشمنِ بد نوا دو قدم دور، دو تین پل جائے گی

قسط دوم

قرآن مجید کے حسن و جمال کا تذکرہ روحانی خزائن میں

سید میر محمود احمد صاحب ناصر مرحوم

جمال و حسن قرآں نور جانِ ہر مسلماں ہے
قمر ہے چاند اوروں کا ہمارا چاند قرآں ہے

(7) **قرآن مجید میں تخلیق کے سلسلہ میں چھ ادوار کا ذکر آتا ہے** اس مضمون کے بارہ میں حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے جو نکات پیش کئے ہیں وہ قرآنی حسن و جمال کا نقشہ کھینچتے ہیں، آپؑ تحریر فرماتے ہیں:

"ایک اور اعتراض ہے جو بعض ناواقف آریہ پیش کیا کرتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ۔ (یونس: 4) یعنی خدا نے جو تمہارا رب ہے زمین اور آسمانوں کو چھ دن میں بنایا اور پھر عرش پر ٹھہرا یہ چھ دن کی کیوں تخصیص ہے یہ تو تسلیم کیا کہ خدا تعالیٰ کے کام اکثر تدریجی ہیں جیسا کہ اب بھی اس کی خالقیت جو جمادات اور نباتات اور حیوانات میں اپنا کام کر رہی ہے تدریجی طور پر ہی ہر ایک چیز کو اس کی خلقت کاملہ تک پہنچاتی ہے لیکن چھ دن کی تخصیص کچھ سمجھ میں نہیں آتی۔

اما الجواب پس واضح ہو کہ یہ چھ دن کا ذکر در حقیقت مراتب تکوینی کی طرف اشارہ ہے یعنی ہر یک چیز جو بطور خلق صادر ہوئی ہے اور جسم اور جسمانی ہے خواہ وہ مجموعہ عالم ہے اور خواہ ایک فرد از افراد عالم اور خواہ وہ عالم کبیر ہے جو زمین و آسمان ومافیہا سے مراد ہے اور خواہ وہ عالم صغیر جو انسان سے مراد ہے وہ بحکمت و قدرت باری تعالیٰ پیدائش کے چھ مرتبے طے کر کے اپنے کمال خلقت کو پہنچتی ہے اور یہ عام قانون قدرت ہے کچھ ابتدائی زمانہ سے خاص نہیں چنانچہ اللہ جلّ شانہٗ ہر ایک انسان کی پیدائش کی نسبت بھی انہیں مراتب ستہ کا ذکر فرماتا ہے جیسا کہ قرآن کریم کے اٹھارویں سیپارے سورۃ المؤمنون میں یہ آیت ہے وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ۚ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِيْ قَرَارٍ

مَّكِيْنٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ ط فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِيْنَ۔ (المومنون: 13 تا 15) یعنی پہلے تو ہم نے انسان کو اس مٹی سے پیدا کیا جو زمین کے تمام انواع اور اقسام کا لُب لباب تھا اور اس کی تمام قوتیں اپنے اندر رکھتا تھا تا وہ باعتبار جسم بھی عالم صغیر ٹھہرے اور زمین کی تمام چیزوں کی اس میں قوت اور خاصیت ہو جیسا کہ وہ بر طبق آیت فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِيْ۔ (الحجر: 30) باعتبار روح عالم صغیر ہے اور بلحاظ شیون وصفات کاملہ وظلیّت تام روح الٰہی کا مظہر تام ہے۔ پھر بعد اس کے انسان کو ہم نے دوسرے طور پر پیدا کرنے کے لئے یہ طریق جاری کیا جو انسان کے اندر نطفہ پیدا کیا اور اس نطفہ کو ہم نے ایک مضبوط تھیلی میں جو ساتھ ہی رحم میں بنتی جاتی ہی جگہ دی۔ (قَرَارٍ مَّكِيْنٍ کا لفظ اس لئے اختیار کیا گیا کہ تا رحم اور تھیلی دونوں پر اطلاق پا سکے) اور پھر ہم نے نطفہ سے علقہ بنایا اور علقہ سے مضغہ اور مضغہ کے بعض حصوں میں سے ہڈیاں اور ہڈیوں پر پوست پیدا کیا پھر اس کو ایک اور پیدائش دی یعنی روح اس میں ڈال دی۔ پس کیا ہی مبارک ہے وہ خدا جو اپنی صنعت کاری میں تمام صناعوں سے بلحاظ حسن صنعت و کمال عجائبات خلقت بڑھا ہوا ہے۔

اب دیکھو کہ خدا تعالیٰ نے اس جگہ بھی اپنا قانون قدرت یہی بیان فرمایا کہ انسان چھ طور کے خلقت کے مدارج طے کر کے اپنے کمال انسانیت کو پہنچتا ہے اور یہ تو ظاہر ہے کہ عالم صغیر اور عالم کبیر میں نہایت شدید تشابہ ہے اور قرآن سے انسان کا عالم صغیر ہونا ثابت ہے اور آیت لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِيْۤ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ۔ (التین: 5) اسی کی طرف اشارہ کر رہی ہے کہ تقویم عالم کی متفرق خوبیوں اور حسنوں کا ایک ایک حصہ انسان کو دے کر بوجہ جامعیت جمیع شمائل وشیون عالم اس کو احسن ٹھہرایا گیا ہے پس اب بوجہ تشابہ عالمین اور نیز بوجہ ضرورت تناسب افعال صانع واحد ماننا پڑتا ہے کہ جو عالم صغیر میں مراتب تکوین موجود ہیں وہی مراتب تکوین عالم کبیر میں بھی ملحوظ ہوں اور ہم صریح اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہ یہ عالم صغیر جو انسان کے اسم سے موسوم ہے اپنی پیدائش میں چھ طریق رکھتا ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ عالم عالم کبیر کے کوائف مخفیہ کی شناخت کے لئے ایک آئینہ کا حکم رکھتا ہے پس جب کہ اس کی پیدائش کے چھ مرتبے ثابت ہوئے تو قطعی طور پر یہ حکم دے سکتے ہیں کہ عالم کبیر کے بھی مراتب تکوین چھ ہی ہیں جو بلحاظ موثرات ستّہ یعنی تجلیات ستّہ جن کے آثار باقیہ نجوم ستہ میں محفوظ رہ گئے ہیں معقولی طور پر متحقق ہوتے ہیں۔ اور نجوم ستہ کا اب بھی علوم حکمیہ میں جنین کی تکمیل کے لئے تعلق مانا جاتا ہے چنانچہ سدیدی میں اس کے متعلق ایک مبسوط بحث لکھی ہے۔ بعض نادان اس جگہ اس آیت کی نسبت یہ اعتراض پیش کرتے ہیں کہ حال کی طبی تحقیقاتوں کی رو سے یہ طرز بچہ کے بننے کی جو رحم عورت میں بنتا ہے ثابت نہیں ہوتی بلکہ بر خلاف اس کے ثابت ہوتا ہے لیکن یہ اعتراض سخت درجہ کی کم فہمی یا صریح تعصب پر مبنی ہے اس بات کے تجربہ کے لئے کسی ڈاکٹر یا طبیب کی حاجت نہیں

خود ہر یک انسان اس آزمائش کے لئے وقت خرچ کر کے اور ان بچوں کو دیکھ کر جو تام خلقت یا ناتمام خلقت کی حالت میں پیدا ہوتے ہیں یا سقوط حمل کے طور پر گرتے ہیں۔ حقیقت واقعیہ تک پہنچ سکتا ہے اور جیسا کہ ہم اپنے ذاتی مشاہدہ سے جانتے ہیں بلاشبہ یہ بات صحیح ہے کہ جب خدا تعالیٰ انسانی نطفہ سے کسی بچہ کو رحم میں بنانے کے لئے ارادہ فرماتا ہے تو پہلے مرد اور عورت کا نطفہ رحم میں ٹھہرتا ہے اور صرف چند روز تک ان دونوں منیوں کے امتزاج سے کچھ تغیر طاری ہو کر جمے ہوئے خون کی طرح ایک چیز ہو جاتی ہے جس پر ایک نرم سی جھلّی ہوتی ہے یہ جھلّی جیسے جیسے بچہ بڑھتا ہے بڑھتی جاتی ہے یہاں تک کہ خاکی رنگ کی ایک تھیلی سی ہو جاتی ہے جو گٹھڑی کی طرح نظر آتی ہے اور اپنی تکمیل خلقت کے دنوں تک بچہ اسی میں ہوتا ہے قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے اور حال کی تحقیقاتیں بھی اس کی مصدّق ہیں کہ عالم کبیر بھی اپنے کمال خلقت کے وقت تک ایک گٹھڑی کی طرح تھا جیسا کہ اللہ جلّ شانہٗ فرماتا ہے اَوَلَمْ یَرَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰھُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ کُلَّ شَیْءٍ حَیٍّ ۔ (الانبیاء: 31) الجزو نمبر 7 یعنی فرماتا ہے کہ کیا کافروں نے آسمان اور زمین کو نہیں دیکھا کہ گٹھڑی کی طرح آپس میں بندھے ہوئے تھے اور ہم نے ان کو کھول دیا۔ سو کافروں نے تو آسمان اور زمین بنتا نہیں دیکھا اور نہ ان کی گٹھڑی دیکھی لیکن اس جگہ روحانی آسمان اور روحانی زمین کی طرف اشارہ ہے جس کی گٹھڑی کفار عرب کے روبرو کھل گئی اور فیضان سماوی زمین پر جاری ہو گئے اب پھر ہم اپنے پہلے کلام کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ نطفتین مرد اور عورت کے جو آپس میں مل جاتے ہیں وہ اول مرتبہ تکوین کا ہے۔ اور پھر ان میں ایک جوش آکر وہ مجموعہ نطفتین جو قوت عاقدہ اور منعقدہ اپنے اندر رکھتا ہے سرخی کی طرف مائل ہو جاتا ہے گویا وہ منی جو پہلے خون سے بنی تھی پھر اپنے اصلی رنگ کی طرف جو خونی ہے عود کر آتی ہے یہ دوسرا درجہ ہے پھر وہ خون جما ہوا جس کا نام علقہ ہے ایک گوشت کا مضغہ ہو جاتا ہے جو انسانی شکل کا کچھ خاکہ نہایت دقیق طور پر اپنے اندر رکھتا ہے یہ تیسرا درجہ ہے اور اس درجہ پر اگر بچہ ساقط ہو جائے تو اس کے دیکھنے سے غور کی نظر سے کچھ خطوط انسان بننے کے اس میں دکھائی دیتے ہیں چنانچہ اکثر بچے اس حالت میں بھی ساقط ہو جاتے ہیں جن عورتوں کو کبھی یہ اتفاق پیش آیا ہے یا وہ دایہ کا کام کرتی ہیں وہ اس حال سے خوب واقف ہیں پھر چوتھا درجہ وہ ہے جب مضغہ سے ہڈیاں بنائی جاتی ہیں جیسا کہ آیت فَخَلَقْنَا الْمُضْغَۃَ عِظٰمًا۔ (المومنون: 15) بیان فرما رہی ہے۔ مگر الْمُضْغَۃَ پر جو الف لام ہے وہ تخصیص کے لئے ہے جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ تمام مضغہ ہڈی نہیں بن جاتا بلکہ جہاں جہاں ہڈیاں درکار ہیں باذنہٖ تعالیٰ وہی نرم گوشت کسی قدر صلب ہو کر ہڈی کی صورت بن جاتا ہے اور کسی قدر بدستور نرم گوشت رہتا ہے۔ اور اس درجہ پر انسانی شکل کا کھلا کھلا خاکہ طیار ہو جاتا ہے جس کے دیکھنے کے لئے کسی خوردبین کی ضرورت نہیں اس خاکہ میں انسان کا اصل وجود جو کچھ بننا چاہئے تھا بن چکتا ہے لیکن وہ ابھی اس لحم سے خالی

ہو تا ہے جو انسان کے لئے بطور ایک موٹے اور شاندار اور چمکیلے لباس کے لئے ہے۔ جس سے انسان کے تمام خط و خال ظاہر ہوتے ہیں اور بدن پر تازگی آتی ہے اور خوبصورتی نمایاں ہو جاتی ہے اور تناسب اعضا پیدا ہو تا ہے پھر بعد اس کے پانچواں درجہ وہ ہے کہ جب اس خاکہ پر لحم یعنی موٹا گوشت برعایت مواضع مناسبہ چڑھایا جاتا ہے یہ وہی گوشت ہے کہ جب انسان تپ وغیرہ سے بیمار رہتا ہے تو فاقہ اور بیماری کی تکالیف شاقہ سے وہ گوشت تحلیل ہو جاتا ہے اور بسا اوقات انسان ایسی لاغری کی حالت پر پہنچ جاتا ہے جو وہی پانچویں درجہ کا خاکہ یعنی مشت استخوان رہ جاتا ہے جیسے مدقوقوں اور مسلولوں اور اصحاب ذیابیطس میں مرض کے انتہائی درجہ میں یہ صورت ظاہر ہو جاتی ہے۔ اور اگر کسی کی حیات مقدر ہوتی ہے تو پھر خدا تعالیٰ اس کے بدن پر گوشت چڑھاتا ہے غرض یہ وہی گوشت ہے جس سے خوبصورتی اور تناسب اعضا اور رونق بدن پیدا ہوتی ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ گوشت خاکہ طیار ہونے کے بعد آہستہ آہستہ جنین پر چڑھتا رہتا ہے۔ اور جب جنین ایک کافی حصہ اس کا لے لیتا ہے۔ تب باذنہٖ تعالیٰ اس میں جان پڑ جاتی ہے تب وہ نباتی حالت سے جو صرف نشو نما ہے منتقل ہو کر حیوانی حالت کی خاصیت پیدا کر لیتا ہے اور پیٹ میں حرکت کرنے لگتا ہے غرض یہ ثابت شدہ بات ہے کہ بچہ اپنی نباتی صورت سے حیوانی صورت کو کامل طور پر اس وقت قبول کرتا ہے کہ جب کہ عام طور پر موٹا گوشت اس کے بدن پر مناسب کمی بیشی کے ساتھ چڑھ جاتا ہے یہی بات ہے جس کو آج تک انسان کے مسلسل تجارب اور مشاہدات نے ثابت کیا ہے یہ وہی تمام صورت ہے جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے اور مشاہدات کے ذریعہ سے بتواتر ثابت ہے پھر اس پر اعتراض کرنا اگر نادانوں کا کام نہیں تو اور کس کا ہے؟

اب پھر ہم اپنے کلام کی طرف رجوع کر کے لکھتے ہیں کہ چونکہ عالم صغیر میں جو انسان ہے سنت اللہ یہی ثابت ہوئی ہے کہ اس کے وجود کی تکمیل چھ مرتبوں کے طے کرنے کے بعد ہوتی ہے تو اسی قانون قدرت کی رہبری سے ہمیں معقولی طور پر یہ راہ ملتی ہے کہ دنیا کی ابتدا میں جو اللہ جلّ شانہٗ نے عالم کبیر کو پیدا کیا تو اس کی طرز پیدائش میں بھی یہی مراتب ستّہ ملحوظ رکھے ہوں گے اور ہر یک مرتبہ کو تفریق اور تقسیم کی غرض سے ایک دن یا ایک وقت سے مخصوص کیا ہو گا جیسا کہ انسان کی پیدائش کے مراتب ستّہ چھ وقتوں سے خاص ہیں اور دنیا کی تمام قوموں کا سات دنوں پر اتفاق ہونا اور ایک دن تعطیل کا نکال کر چھ دنوں کو کاموں کے لئے خاص کرنا اسی بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ چھ دن ان چھ دنوں کی یادگار چلے آتے ہیں کہ جن میں زمین و آسمان اور جو کچھ ان میں ہے بنایا گیا تھا۔

اور اگر کوئی اب بھی تسلیم نہ کرے اور انکار سے باز نہ آوے تو ہم کہتے ہیں کہ ہم نے تو عالم کبیر کے لئے عالم صغیر کی پیدائش کے مراتب ستّہ کا ثبوت دے دیا اور جو کام کرنے کے دن بالاتفاق ہر یک قوم میں مسلّم ہیں ان کا چھ ہونا بھی ظاہر کر دیا اور یہ بھی ثابت کر دیا کہ خدا تعالیٰ کے تمام پیدائشی کام اس دنیا میں تدریجی ہیں تو پھر اگر منکر کی نظر

میں یہ دلیل کافی نہیں تو اس پر واجب ہو گا کہ وہ بھی تو اپنے اس دعوٰے پر کوئی دلیل پیش کرے کہ خدا تعالیٰ نے یہ عالم جسمانی صرف ایک دم میں پیدا کر دیا تھا تدریجی طور پر پیدا نہیں کیا تھا۔ ہر یک شخص جانتا ہے کہ وہی خدا اب بھی ہے جو پہلے تھا اور وہی خالقیت کا سلسلہ اب بھی جاری ہے جو پہلے جاری تھا۔ اور صاف بدیہی طور پر نظر آرہا ہے کہ خدا تعالیٰ ہر یک مخلوق کو تدریجی طور پر اپنے کمال وجود تک پہنچاتا ہے یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ پہلے وہ قوی تھا اور جلد کام کر لیتا تھا اور اب ضعیف ہے اور دیر سے کرتا ہے بلکہ یہی کہیں گے کہ اس کا قانون قدرت ہی ابتدا سے یہی ہے کہ وہ ہر یک مخلوق کو بتدریج پیدا کرتا ہے سو حال کے افعال الٰہی ہمیں بتلا رہے ہیں کہ گزشتہ اور ابتدائی زمانہ میں بھی یہی تدریج ملحوظ تھی جو اب ہے ہم سخت نادان ہوں گے اگر ہم حال کے آئینہ میں گزشتہ کی صورت نہ دیکھ لیں اور حال کی طرز خالقیت پر نظر ڈال کر صرف اتنا ہی ثابت نہیں ہوتا کہ خدا تعالیٰ اپنی پیدائش کے سلسلہ کو تدریج سے کمال وجود تک پہنچاتا ہے بلکہ یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر یک مخلوق کی پیدائش میں چھ ہی مرتبے رکھے ہیں اور حکمت الٰہی نے ہر یک مخلوق کی پیدائش میں یہی تقاضا کیا کہ اس کے پیدا ہونے کے چھ مرتبے ہوں جو چھ وقتوں میں انجام پذیر ہوں کسی مخلوق پر نظر ڈال کر دیکھ لو یہی چھ مراتب اس میں متحقق ہوں گے یعنی بنظر تحقیق یہ ثابت ہو گا کہ ہر یک جسمانی مخلوق کے وجود کی تکمیل چھ مرتبوں کے طے کرنے کے بعد ہوتی ہے اور انسان پر کچھ موقوف نہیں زمین پر جو ہزارہا حیوانات ہیں ان کے وجود کی تکمیل بھی انہیں مراتب ستّہ پر موقوف پاؤ گے۔

پھر ایک اور عجیب بات یہ ہے کہ یہ سلسلہ مراتب ستّہ تکوین کا صرف جسمانی مخلوق میں ہی محدود نہیں بلکہ روحانی امور میں بھی اس کا وجود پایا جاتا ہے مثلاً تھوڑے سے غور سے معلوم ہو گا کہ انسان کی روحانی پیدائش کے مراتب بھی چھ 6 ہی ہیں پہلے وہ نطفہ کی صورت پر صرف حق کے قبول کرنے کی ایک استعداد بعیدہ اپنے اندر رکھتا ہے اور پھر جب اس استعداد کے ساتھ ایک قطرہ رحمت الٰہی مل جاتا ہے اسی طرز کے موافق کہ جب عورت کے نطفہ میں مرد کا نطفہ پڑتا ہے تو تب انسان کی باطنی حالت نطفہ کی صورت سے علقہ کی صورت میں آجاتی ہے اور کچھ رشتہ باری تعالیٰ سے پیدا ہونے لگتا ہے جیسا کہ علقہ کے لفظ سے تعلق کا لفظ مفہوم ہوتا ہے اور پھر وہ علقہ اعمال صالحہ کے خون کی مدد سے مضغہ بنتا ہے اسی طرز سے کہ جیسے خون حیض کی مدد سے علقہ مضغہ بن جاتا ہے اور مضغہ کی طرح ابھی اس کے اعضا ناتمام ہوتے ہیں جیسا کہ مضغہ میں ہڈی والے عضو ابھی ناپدید ہوتے ہیں ایسا ہی اس میں بھی شدت لِلّٰہ اور ثبات لِلّٰہ اور استقامت لِلّٰہ کے عضو ابھی کماحقہ پیدا نہیں ہوتے گو تواضع اور نرمی موجود ہو جاتی ہے۔ اور اگرچہ پوری شدت اور صلابت اس مرتبہ میں پیدا نہیں ہوتی مگر مضغہ کی طرح کسی قدر قضا و قدر کی مضغ کے لائق ہو جاتا ہے یعنی کسی قدر اس لائق ہو جاتا ہے کہ قضا و قدر کا دانت اس پر چلے اور وہ اس کے نیچے ٹھہر سکے کیونکہ علقہ جو ایک سیال رطوبت کے

قریب قریب ہے وہ تو اس لائق ہی نہیں کہ دانتوں کے نیچے پیسا جاوے اور ٹھہرا رہے لیکن مضغہ مضغ کے لائق ہے اسی لئے اس کا نام مضغہ ہے سو مضغہ ہونے کی وہ حالت ہے کہ جب کچھ چاشنی محبت الٰہی کی دل میں پڑ جاتی ہے اور تجلّی جلالی توجہ فرماتی ہے کہ بلاؤں کے ساتھ اس کی آزمائش کرے تب وہ مضغہ کی طرح قضا و قدر کے دانتوں میں پیسا جاتا ہے اور خوب قیمہ کیا جاتا ہے غرض تیسرا درجہ سالک کے وجود کا مضغہ ہونے کی حالت ہے اور پھر چوتھا درجہ وہ ہے کہ جب انسان استقامت اور بلاؤں کی برداشت کی برکت سے آزمائے جانے کے بعد نقوش انسانی کا پورے طور پر انعام پاتا ہے یعنی روحانی طور پر اس کے لئے ایک صورت انسانی عطا ہوتی ہے اور انسان کی طرح اس کو دو آنکھیں دو کان اور دل اور دماغ اور تمام ضروری قویٰ اور اعضا عطا کئے جاتے ہیں اور بمقتضائے آیت اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ۔(الفتح:30) سختی اور نرمی مواضع مناسبہ میں ظاہر ہو جاتی ہے یعنی ہر یک خلق اس کا اپنے اپنے محل پر صادر ہوتا ہے اور آداب طریقت تمام محفوظ ہوتے ہیں اور ہر یک کام اور کلام حفظ حدود کے لحاظ سے بجالاتا ہے یعنی نرمی کی جگہ پر نرمی اور سختی کی جگہ پر سختی اور تواضع کی جگہ پر تواضع اور ترفع کی جگہ پر ترفع ایسا ہی تمام قویٰ سے اپنے اپنے محل پر کام لیتا ہے یہ درجہ جنین کے اس درجہ سے مشابہت رکھتا ہے کہ جب وہ مضغہ کی حالت سے ترقی کر کے انسان کی صورت کا ایک پورا خاکہ حاصل کر لیتا ہے اور ہڈی کی جگہ پر ہڈی نمودار ہو جاتی ہے اور گوشت کی جگہ پر گوشت باقی رہتا ہے ہڈی نہیں بنتی اور تمام اعضا میں باہم تمیز کلّی پیدا ہو جاتی ہے لیکن ابھی خوبصورتی اور تازگی اور تناسب اعضا نہیں ہوتا صرف خاکہ ہوتا ہے جو نظر دقیق سے دکھائی دیتا ہے پھر بعد اس کے عنایت الٰہی توفیقات متواترہ سے موفق کر کے اور تزکیہ نفس کے کمال تک پہنچا کر اور فنا فی اللہ کے انتہائی نقطہ تک کھینچ کر اس کے خاکہ کے بدن پر انواع اقسام کی برکات کا گوشت بھر دیتی ہے اور اس گوشت سے اس کی شکل کو چمکیلی اور اس کی تمام ہیکل کو آبدار کر دیتی ہے تب اس کے چہرہ پر کاملیّت کا نور برستا ہے اور اس کے بدن پر کمال تام کی آب و تاب نظر آتی ہے اور یہ درجہ پیدائش کا جسمانی پیدائش کے اس درجہ سے مشابہ ہوتا ہے کہ جب جنین کے خاکہ کی ہڈیوں پر گوشت چڑھایا جاتا ہے اور خوبصورتی اور تناسب اعضا ظاہر کیا جاتا ہے۔ پھر بعد اس کے روحانی پیدائش کا چھٹا درجہ ہے جو مصداق ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ۔(المومنون: 15) کا ہے۔ وہ مرتبہ بقا ہے جو فنا کے بعد ملتا ہے جس میں روح القدس کامل طور پر عطا کیا جاتا ہے اور ایک روحانی زندگی کی روح انسان کے اندر پھونک دی جاتی ہے۔ ایسا ہی یہ چھ مراتب خدا تعالیٰ کی پاک کلام میں بھی جمع ہیں۔ اول حروف کا مرتبہ جو حامل کلام الٰہی اور کلمات کتاب اللہ کے لئے بطور تخم کے ہیں جن کو معانی مقصودہ سے کچھ بھی حصہ نہیں ہاں ان کے حصول کے لئے ایک استعداد بعیدہ رکھتے ہیں دوم کلمات کا مرتبہ جو اس تخم کے ذریعہ سے ظہور خارجی کے رنگ میں آئے جن کو معانی مقصودہ سے کچھ حصہ نہیں مگر ان کے حصول کے لئے ایک ذریعہ قریبہ ہیں سوم ان

فقرات ناتمام کا مرتبہ جو ابھی کلام مقصودہ کے پورے درجہ تک نہیں پہنچے تھے کیونکہ ہنوز تنزیل کا سلسلہ ناتمام تھا اور خدا تعالیٰ کے کلام نے ابھی اپنا کامل چہرہ نہیں دکھلایا تھا مگر ان فقرات کو معانی مقصودہ سے ایک وافر حصہ تھا اس لئے وہ کلام تام الٰہی کے لئے بطور بعض اعضا کے ٹھہرے جن کا نام بلحاظ قلّت و کثرت آیتیں اور سورتیں رکھا گیا چہارم اس کا کلام جامع تام مفصل ممیز کا مرتبہ جو سب نازل ہو چکا اور جمیع مضامین مقصودہ اور علوم حکمیہ و قصص و اخبار واحکام و قوانین وضوابط وحدود و مواعید و انذارات و تبشیرات اور درشتی اور نرمی اور شدّت اور رحم اور حقائق و نکات پر بالا ستیفا مشتمل ہے پنجم بلاغت و فصاحت کا مرتبہ جو زینت اور آرائش کے لئے اس کلام پر ازل سے چڑھائی گئی ششم برکت اور تاثیر اور کشش کی روح کا مرتبہ جو اس پاک کلام میں موجود ہے جس نے تمام کلام پر اپنی روشنی ڈالی اور اس کو زندہ اور منور کلام ثابت کیا۔

اسی طرح ہر یک عاقل اور فصیح منشی کے کلام میں یہی چھ مراتب جمع ہو سکتے ہیں گو وہ کلام اعجازی حد تک نہیں پہنچتا کیونکہ جن حروف میں کوئی کلام لکھا جائے گا خواہ وہ عربی ہوں یا انگریزی یا ہندی پہلے ان کا وجود ضروری ہے سو یہ تو پہلا مرتبہ ہوا جو مضامین مقصودہ کے اظہار کے لئے ایک ذریعہ بعیدہ ہے مگر ان سے کچھ حصہ نہیں رکھتا پھر بعد اس کے دوسرا مرتبہ کلمات کا ہے جو حروف قرار دادہ سے پیدا ہوں گے جن کو معانی و مضامین مقصودہ سے ابھی کچھ حصہ نہیں مگر ان کے حصول کے لئے ایک ذریعہ قریبہ ہیں۔ پھر اس کے بعد تیسرا مرتبہ فقرات کا ہے جو ابھی معانی مقصودہ کے پورے جامع تو نہیں مگر ان میں سے کچھ حصہ رکھتے ہیں اور اس مضمون کے لئے جو منشی کے ذہن میں ہے بطور بعض اعضا کے ہیں۔ پھر چوتھا مرتبہ کلام جامع تام کا ہے جو منشی کے دل میں سے نکل کر بہ تمام و کمال کاغذ پر اندراج پا گیا ہے اور تمام معانی اور مضامین مقصودہ کو اپنے اندر جمع رکھتا ہے پھر پانچواں مرتبہ یہ ہے کہ ان سادہ فقرات اور عبارتوں پر بلاغت اور فصاحت کا رنگ چڑھایا جائے اور خوش بیانی کے نمک سے ملیح کیا جائے پھر چھٹا مرتبہ جو بلا توقف اس مرتبہ کے تابع ہے یہ ہے کہ کلام میں اثر اندازی کی ایک جان پیدا ہو جائے جو دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیوے اور طبیعتوں میں گھر کر لیوے۔ اب غور کر کے دیکھ لو کہ یہ مراتب ستہ بکلی ان مراتب ستہ کی مانند اور ان کی مثیل ہیں جن کا قرآن کریم میں نطفہ علقہ مضغہ اور کچھ مضغہ اور کچھ عظام یعنی انسان کی شکل کا خاکہ اور انسان کی پوری شکل اور جاندار انسان نام رکھا ہے۔" (آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ 172 تا 211 حاشیہ)

(8) **قرآن مجید میں ہمارے نبی ﷺ کی صداقت کے ثبوت کے لئے جو دلائل پیش کئے ہیں** ان میں سے ایک آیت سے حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام کے بیان کا ایک حصہ پیش ہے جس سے مضامین قرآنی کے ربط و ترتیب کے پہلو پر بھی روشنی پڑتی ہے، آپؑ تحریر فرماتے ہیں:

”انبیاء وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے اپنی کامل راستبازی کی قوی حجت پیش کر کے اپنے دشمنوں کو بھی الزام دیا جیسا کہ یہ الزام قرآن شریف میں ہے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے موجود ہے جہاں فرمایا ہے فَقَدۡ لَبِثۡتُ فِیۡکُمۡ عُمُرًا مِّنۡ قَبۡلِہٖ اَفَلَا تَعۡقِلُوۡنَ۔ (یونس:17) یعنے میں ایسا نہیں کہ جھوٹ بولوں اور افتراء کروں۔ دیکھو میں چالیس برس اس سے پہلے تم میں ہی رہتا رہا ہوں کیا کبھی تم نے میرا کوئی جھوٹ یا افترا ثابت کیا پھر کیا تم کو اتنی سمجھ نہیں یعنے یہ سمجھ کہ جس نے کبھی آج تک کسی قسم کا جھوٹ نہیں بولا۔ وہ اب خدا پر کیوں جھوٹ بولنے لگا۔

غرض انبیاء کے واقعات عمری اور ان کی سلامت روشی ایسی بدیہی اور ثابت ہے کہ اگر سب باتوں کو چھوڑ کر ان کے واقعات کو ہی دیکھا جائے تو ان کی صداقت ان کے واقعات سے ہی روشن ہو رہی ہے مثلاً اگر کوئی منصف اور عاقل ان تمام براہین اور دلائل صدق نبوّت حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے جو اس کتاب میں لکھی جائیں گی قطع نظر کر کے محض ان کے حالات پر ہی غور کرے تو بلاشبہ انہیں حالات پر غور کرنے سے ان کے نبی صادق ہونے پر دل سے یقین کرے گا اور کیونکر یقین نہ کرے وہ واقعات ہی ایسے کمال سچائی اور صفائی سے معطر ہیں کہ حق کے طالبوں کے دل بلا اختیار ان کی طرف کھینچے جاتے ہیں۔

خیال کرنا چاہیئے کہ کس استقلال سے آنحضرتؐ اپنے دعویٰ نبوت پر باوجود پیدا ہو جانے ہزاروں خطرات اور کھڑے ہو جانے لاکھوں معاندوں اور مزاحموں اور ڈرانے والوں کے اول سے اخیر دم تک ثابت اور قائم رہے۔ برسوں تک وہ مصیبتیں دیکھیں اور وہ دکھ اٹھانے پڑے جو کامیابی سے بکلی مایوس کرتے تھے اور روز بروز بڑھتے جاتے تھے کہ جن پر صبر کرنے سے کسی دنیوی مقصد کا حاصل ہو جانا وہم بھی نہیں گذرتا تھا بلکہ نبوّت کا دعویٰ کرنے سے از دست اپنی پہلی جمعیت کو بھی کھو بیٹھے اور ایک بات کہہ کر لاکھ تفرقہ خرید لیا اور ہزاروں بلاؤں کو اپنے سر پر بلا لیا۔ وطن سے نکالے گئے۔ قتل کے لئے تعاقب کئے گئے۔ گھر اور اسباب تباہ اور برباد ہو گیا۔ بارہا زہر دی گئی۔ اور جو خیر خواہ تھے وہ بدخواہ بن گئے اور جو دوست تھے وہ دشمنی کرنے لگے اور ایک زمانہ دراز تک وہ تلخیاں اٹھانی پڑیں کہ جن پر ثابت قدمی سے ٹھہرے رہنا کسی فریبی اور مکّار کا کام نہیں۔

اور پھر جب مدت مدید کے بعد غلبہ اسلام کا ہوا تو ان دولت اور اقبال کے دنوں میں کوئی خزانہ اکٹھا نہ کیا۔ کوئی عمارت نہ بنائی۔ کوئی بارگاہ طیّار نہ ہوئی۔ کوئی سامان شاہانہ عیش و عشرت کا تجویز نہ کیا گیا۔ کوئی اور ذاتی نفع نہ اٹھایا۔ بلکہ جو کچھ آیا وہ سب یتیموں اور مسکینوں اور بیوہ عورتوں اور مقروضوں کی خبر گیری میں خرچ ہوتا رہا اور کبھی ایک وقت بھی سیر ہو کر نہ کھایا۔ اور پھر صاف گوئی اس قدر کہ توحید کا وعظ کر کے سب قوموں اور سارے فرقوں اور تمام جہان کے لوگوں کو جو شرک میں ڈوبے ہوئے تھے مخالف بنا لیا۔ جو اپنے اور خویش تھے ان کو بُت پرستی سے منع کر

کے سب سے پہلے دشمن بنایا۔ یہودیوں سے بھی بات بگاڑلی۔ کیونکہ ان کو طرح طرح کی مخلوق پرستی اور پیر پرستی اور بداعمالیوں سے روکا۔ حضرت مسیح کی تکذیب اور توہین سے منع کیا جس سے ان کا نہایت دل جل گیا اور سخت عداوت پر آمادہ ہوگئے اور ہر دم قتل کر دینے کی گھات میں رہنے لگے۔

اسی طرح عیسائیوں کو بھی خفا کر دیا گیا۔ کیونکہ جیسا کہ ان کا اعتقاد تھا۔ حضرت عیسیٰ کو نہ خدا نہ خدا کا بیٹا قرار دیا اور نہ ان کو پھانسی مل کر دوسروں کو بچانے والا تسلیم کیا۔ آتش پرست اور ستارہ پرست بھی ناراض ہوگئے۔ کیونکہ ان کو بھی ان کے دیوتوں کی پرستش سے ممانعت کی گئی اور مدار نجات کا صرف توحید ٹھہرائی گئی۔ اَبْ جائے انصاف ہے کہ کیا دنیا حاصل کرنے کی یہی تدبیر تھی کہ ہر یک فرقہ کو ایسی ایسی صاف اور دلآزار باتیں سنائی گئیں کہ جس سے سب نے مخالفت پر کمر باندھ لی اور سب کے دل ٹوٹ گئے اور قبل اس کے کہ اپنی کچھ ذرّہ بھی جمعیت بنی ہوتی یا کسی کا حملہ روکنے کے لئے کچھ طاقت بہم پہنچ جاتی سب کی طبیعت کو ایسا اشتعال دے دیا کہ جس سے وہ خون کرنے کے پیاسے ہوگئے۔

زمانہ سازی کی تدبیر تو یہ تھی کہ جیسا بعضوں کو جھوٹا کہا تھا ویسا ہی بعضوں کو سچا بھی کہا جاتا۔ تا اگر بعض مخالف ہوتے تو بعض موافق بھی رہتے۔ بلکہ اگر عربوں کو کہا جاتا کہ تمہارے ہی لات وعُزّیٰ سچے ہیں تو وہ تو اسی دم قدموں پر گر پڑتے اور جو چاہتے ان سے کراتے۔ کیونکہ وہ سب خویش اور اقارب اور حمیت قومی میں بے مثل تھے اور ساری بات مانی منائی تھی صرف تعلیم بُت پرستی سے خوش ہو جاتے اور بدل و جان اطاعت اختیار کرتے۔

لیکن سوچنا چاہیئے کہ آنحضرتؐ کا یکلخت ہر ایک خویش و بیگانہ سے بگاڑ لینا اور صرف توحید کو جو ان دنوں میں اس سے زیادہ دنیا کے لئے کوئی نفرتی چیز نہ تھی اور جس کے باعث سے صدہا مشکلیں پڑتی جاتی تھیں بلکہ جان سے مارے جانا نظر آتا تھا مضبوط پکڑ لینا یہ کس مصلحت دنیوی کا تقاضا تھا اور جبکہ پہلے اسی کے باعث سے اپنی تمام دنیا اور جمعیت برباد کر چکے تھے تو پھر اسی بلا انگیز اعتقاد پر اصرار کرنے سے کہ جس کو ظاہر کرتے ہی نو مسلمانوں کو قید اور زنجیر اور سخت ماریں نصیب ہوئیں کس مقصد کا حاصل کرنا مراد تھا۔

کیا دنیا کمانے کے لئے یہی ڈھنگ تھا کہ ہر ایک کو کلمہ تلخ جو اس کی طبع اور عادت اور مرضی اور اعتقاد کے برخلاف تھا۔ سنا کر سب کو ایک دم کے دم میں جانی دشمن بنا دیا اور کسی ایک آدھ قوم سے بھی پیوند نہ رکھا۔ جو لوگ طامع اور مکّار ہوتے ہیں۔ کیا وہ ایسی ہی تدبیریں کیا کرتے ہیں کہ جس سے دوست بھی دشمن ہو جائیں۔ جو لوگ کسی مکر سے دنیا کو کمانا چاہتے ہیں کیا ان کا یہی اصول ہوا کرتا ہے کہ بیکبارگی ساری دنیا کو عداوت کرنے کا جوش دلاویں اور اپنی جان کو ہر وقت کی فکر میں ڈال لیں۔ وہ تو اپنا مطلب سادھنے کے لئے سب سے صلح کاری اختیار کرتے ہیں اور ہر ایک فرقہ کو سچائی کا ہی سرٹیفکیٹ دیتے ہیں۔ خدا کے لئے یکرنگ ہو جانا ان کی عادت کہاں ہوا کرتی ہے خدا کی وحدانیت اور عظمت کا کب وہ کچھ دھیان رکھا کرتے ہیں۔

ان کو اس سے غرض کیا ہوتی ہے کہ ناحق خدا کے لئے دکھ اٹھاتے پھریں۔ وہ تو صیّاد کی طرح وہیں دام

بچھاتے ہیں کہ جو شکار مارنے کا بہت آسان راستہ ہوتا ہے اور وہی طریق اختیار کرتے ہیں کہ جس میں محنت کم اور فائدہ دنیا کا بہت زیادہ ہو۔ نفاق ان کا پیشہ اور خوشامد ان کی سیرت ہوتی ہے۔ سب سے میٹھی میٹھی باتیں کرنا اور ہر ایک چور اور سادھ سے برابر رابطہ رکھنا ان کا ایک خاص اصول ہوتا ہے۔ مسلمانوں سے اللہ اللہ اور ہندوؤں سے رام رام کہنے کو ہر وقت مستعد رہتے ہیں اور ہر ایک مجلس میں ہاں سے ہاں اور نہیں سے نہیں ملاتے رہتے ہیں اور اگر کوئی میر مجلس دن کو رات کہے تو چاند اور گیٹیاں دکھلانے کو بھی تیار ہو جاتے ہیں۔

ان کو خدا سے کیا تعلّق اور اس کے ساتھ وفاداری کرنے سے کیا واسطہ اور اپنی خوش باش جان کو مفت میں ادھر ادھر کا غم لگا لینا انہیں کیا ضرورت۔ استاد نے ان کو سبق ہی ایک پڑھایا ہوا ہوتا ہے کہ ہر ایک کو یہی بات کہنا چاہئے کہ جو تیرا ارادہ ہے وہی سیدھا ہے اور جو تیری رائے ہے وہی درست ہے اور جو تو نے سمجھا ہے وہی ٹھیک ہے غرض ان کی راست اور ناراست اور حق اور باطل اور نیک اور بد پر کچھ نظر ہی نہیں ہوتی بلکہ جس کے ہاتھ سے ان کا کچھ منہ میٹھا ہو جائے وہی ان کے حساب میں بھگت اور سِدھ اور جنٹلمین ہوتا ہے اور جس کی تعریف سے کچھ پیٹ کا دوزخ بھرتا نظر آوے اسی کو مکتی پانے والا اور سُرگ کا وارث اور حیات ابدی کا مالک بنا دیتے ہیں۔

لیکن واقعات حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم پر نظر کرنے سے یہ بات نہایت واضح اور نمایاں اور روشن ہے کہ آنحضرت اعلیٰ درجہ کے یکرنگ اور صاف باطن اور خدا کے لئے جان باز اور خلقت کے بیم و امّید سے بالکل مُنہ پھیرنے والے اور محض خدا پر توکّل کرنے والے تھے۔

کہ جنہوں نے خدا کی خواہش اور مرضی میں محو اور فنا ہو کر اس بات کی کچھ بھی پروا نہ کی کہ توحید کی منادی کرنے سے کیا کیا بلا میرے سر پر آوے گی اور مشرکوں کے ہاتھ سے کیا کچھ دکھ اور درد اٹھانا ہو گا۔ بلکہ تمام شدّتوں اور سختیوں اور مشکلوں کو اپنے نفس پر گوارا کر کے اپنے مولیٰ کا حکم بجا لائے۔ اور جو جو شرط مجاہدہ اور وعظ اور نصیحت کی ہوتی ہے وہ سب پوری کی اور کسی ڈرانے والے کو کچھ حقیقت نہ سمجھا۔

ہم سچ سچ کہتے ہیں کہ تمام نبیوں کے واقعات میں ایسے مواضعاتِ خطرات اور پھر کوئی ایسا خدا پر توکل کر کے کھلا کھلے شرک اور مخلوق پرستی سے منع کرنے والا اور اس قدر دشمن اور پھر کوئی ایسا ثابت قدم اور استقلال کرنے والا ایک بھی ثابت نہیں۔ پس ذرہ ایمانداری سے سوچنا چاہئے کہ یہ سب حالات کیسے آنحضرتؐ کے اندرونی صداقت پر دلالت کر رہے ہیں۔" (براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد 1 صفحہ 107 تا 112)

(9) قرآن شریف نے اپنی آیات کے بارہ میں اُحۡکِمَتۡ اٰیٰتُہٗ کے الفاظ استعمال فرمائے ہیں یہ استحکام کس طرح ہوتا ہے اس کی وضاحت حضرت بانی سلسلہ احمدیہ علیہ السلام نے اس طرح فرمائی ہے، فرماتے ہیں:

"قرآن کریم کی تعلیموں کو اللہ تعالیٰ نے کئی طرح پر مستحکم کیا تا کہ کسی قسم کا شک نہ رہے اور اسی لئے شروع میں ہی فرمایا لَا رَیۡبَ فِیۡہِ (البقرۃ:3) یہ استحکام کئی طور پر کیا گیا ہے۔

اوّلاً قانون قدرت سے استواری اور استحکام قرآنی تعلیموں کا قانون قدرت سے کیا گیا۔ جو کچھ قرآن کریم میں بیان کیا گیا ہے قانون قدرت اس کو پوری مدد دیتا ہے۔ گویا جو قرآن میں ہے وہی کتاب مکنون میں ہے۔ اس کا راز انبیاء علیہم السلام کی پیروی کے بدُوں سمجھ میں نہیں آسکتا اور یہی وہ سرّ ہے جو لَّا يَمَسُّهٗٓ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ (الواقعۃ:80) میں رکھا گیا ہے۔ غرض پہلے قرآنی تعلیم کو قانون قدرت سے مستحکم کیا ہے مثلاً قرآن کریم نے اللہ تعالیٰ کی صفت وحدہٗ لاشریک بتلائی۔ جب ہم قانون قدرت میں نظر کرتے ہیں تو ماننا پڑتا ہے کہ ضرور ایک ہی خالق و مالک ہے کوئی اس کا شریک نہیں۔ دل بھی اسے مانتا ہے اور دلائل قدرت سے بھی اسی کا پتہ لگتا ہے کیونکہ ہر ایک چیز جو دنیا میں موجود ہے وہ اپنے اندر کُرویت رکھتی ہے جیسے پانی کا قطرہ اگر ہاتھ سے چھوڑ دیں تو وہ کُروی شکل کا ہوگا اور کُروی شکل توحید کو مستلزم ہے اور یہی وجہ ہے کہ پادریوں کو بھی ماننا پڑا کہ جہاں تثلیث کی تعلیم نہیں پہنچی وہاں کے رہنے والوں سے توحید کی پُرسش ہوگی۔ چنانچہ پادری فنڈر نے اپنی تصنیفات میں اس امر کا اعتراف کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قرآن کریم کا بیان صحیح ہے کیونکہ اس کا نقش انسانی فطرت اور دل میں موجود ہے اور دلائل قدرت سے اس کی شہادت ملتی ہے برخلاف اس کے انجیلی تثلیث کا نقش نہ دل میں ہے نہ قانون قدرت اس کا مؤیّد ہے۔

یہی معنے ہیں كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ الآیۃ کے۔ یعنی قانون قدرت سے اس کی تعلیموں کو ایسا احکام اور استوار کیا گیا ہے کہ مشرک و عیسائی کو بھی ماننا پڑا کہ انسان کے مادۂ فطرت سے توحید کی باز پُرس ہوگی۔

دوسری وجہ استحکام کی خدا تعالیٰ کے نشانات ہیں۔ کوئی نبی، کوئی مامور دنیا میں ایسا نہیں آتا جس کے ساتھ تائیدات الٰہی شامل نہ ہوں اور یہ تائیدات اور نشانات ہمارے نبی کریم ﷺ کے ساتھ بہت پُرشوکت اور پُرقوت تھے۔ آپؐ کے حرکات سکنات میں، کلام میں نشانات تھے۔ گویا آپ کا وجود از سر تا پا نشانات الٰہی کا پُتلا تھا۔

تیسرا احکام نبی کا پاک چال چلن اور راست بازی ہے۔ یہ منجملہ ان باتوں کے ہے جو عقلمندوں کے نزدیک امین ہونا بھی ایک دلیل ہے جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ نے اس سے دلیل پکڑی۔

چوتھا احکام جو ایک زبردست وجہ استواری اور استحکام کی ہے نبی کی قوت قدسیہ ہے جس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ جیسے طبیب خواہ کتنا ہی دعویٰ کرے کہ میں ایسا ہوں اور ویسا ہوں اور اس کو سدیدی خواہ وہ نوک زبان ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن اگر لوگوں کو اس سے فائدہ نہ پہنچے تو یہی کہیں گے کہ اس کے ہاتھ میں شفا نہیں ہے۔ اسی طرح پر نبی کی قوت قدسی جس قدر زبردست ہو اسی قدر اس کی شان اعلیٰ اور بلند ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی تعلیم کے احکام کے لئے یہ پشتیبان سے بھی بڑا پشتیبان ہے......... ان وجوہات احکام آیات کے علاوہ میرے نزدیک اور بھی بہت سے وجوہات ہیں منجملہ ان کے ایک الرٰ کے لفظ رسے پتہ لگتا ہے یہ لفظ مجددوں اور مرسلوں کے سلسلہ جاریہ کی طرف اشارہ کرتا ہے جو قیامت تک جاری ہے۔ اب اس سلسلہ میں آنے والے مجددوں کے خوارق، ان کی کامیابیوں، ان کی پاک تاثیروں

وغیرہ وجوہات احکام آیات کو گن بھی نہیں سکتے اور یہ سب خوارق اور کامیابیاں جو رسول اللہ ﷺ کے بعد آپ کے متبعین مجددوں کے ذریعہ سے ہوئیں اور قیامت تک ہوں گی۔ درحقیقت رسول اللہ ﷺ کی ہی کامیابیاں ہیں۔ غرض ہر صدی کے سر پر مجدد کا آنا صاف طور پر بتلا رہا ہے کہ مردوں سے استمداد خدا تعالیٰ کی منشاء کے موافق نہیں۔ اگر مُردوں سے مدد کی ضرورت ہوتی تو پھر زندوں کے آنے کی کیا ضرورت تھی؟ ہزاروں ہزار جو اولیاء اللہ پیدا ہوئے ہیں اس کا کیا مطلب تھا۔ مجدد ین کا سلسلہ کیوں جاری کیا جاتا؟ اگر اسلام مُردوں کے حوالے کیا جاتا یقیناً سمجھو کہ اس کا نام ونشان مٹ گیا ہوتا۔ یہودیوں کا مذہب مردوں کے حوالے کیا گیا۔ نتیجہ کیا ہوا؟ عیسائیوں نے مردہ پرستی سے بتلاؤ کیا پایا؟ مردوں کو پوجتے پوجتے خود مردہ ہوگئے۔ نہ مذہب میں زندگی کی روح رہی نہ ماننے والوں میں زندگی کے آثار باقی رہے۔ اوّل سے لے کر آخر تک مردوں ہی کا مجمع ہو گیا۔

اسلام ایک زندہ مذہب ہے۔ اسلام کا خدا حیّ وقیّوم خدا ہے پھر وہ مردوں سے پیار کیوں کرنے لگا۔ وہ حیّ و قیّوم خدا تو بار بار مردوں کو جلاتا ہے یُحۡیِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِہَا۔ (الروم:20) تو کیا مردوں کے ساتھ تعلق پیدا کرا کر جلاتا ہے۔ نہیں، ہرگز نہیں۔ اسلام کی حفاظت کا ذمہ اسی حیّ وقیّوم خدا نے اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ۔ (الحجر:9) کہہ کر اٹھایا ہوا ہے۔ پس ہر زمانہ میں یہ دین زندوں سے زندگی پاتا ہے اور مردوں کو جلاتا ہے۔ یاد رکھو اس میں قدم قدم پر زندے آتے ہیں۔ پھر فرمایا ثُمَّ فُصِّلَتۡ ایک تو وہ تفصیل ہے جو قرآن کریم میں ہے۔ دوسری یہ کہ قرآن کریم کے معارف و حقائق کے اظہار کا سلسلہ قیامت تک دراز کیا گیا ہے۔

ہر زمانے میں نئے معارف اور اسرار ظاہر ہوتے ہیں۔ فلسفی اپنے رنگ میں، طبیب اپنے مذاق پر، صوفی اپنے طرز پر بیان کرتے ہیں۔ اور پھر یہ تفصیل بھی حکیم وخبیر خدا نے رکھی ہے۔ حکیم اس کو کہتے ہیں کہ جن چیزوں کا علم مطلوب ہو وہ کامل طور پر ہو اور پھر عمل بھی کامل ہو ایسا کہ ہر ایک چیز کو اپنے اپنے محل وموقع پر رکھ سکے۔ حکمت کے معنے وَضۡعُ الشَّیۡءِ فِیۡ مَحَلِّہٖ اور خَبِیۡر مبالغہ کا صیغہ ہے یعنی ایسا وسیع علم کہ کوئی چیز اس کی خبر سے باہر نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب مجید کو خاتم الکتب ٹھہرایا تھا اور اس کا زمانہ قرب قیامت تک دراز تھا۔ وہ خوب جانتا تھا کہ کس طرح پر یہ تعلیمیں ذہن نشین کرنی چاہئیں۔ چنانچہ اسی کے مطابق تفاصیل کی ہیں۔ پھر اس کا سلسلہ جاری رکھا کہ جو مجدد و مصلح احیاء دین کے لئے آتے ہیں وہ خود مفصل آتے ہیں۔"

(ملفوظات حضرت مسیح موعودؑ جلد 1 صفحہ 466 تا 471 ایڈیشن 2022ء)

(جاری ہے)

سیدنا وامامنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

”وہ دوسری قدرت یعنی خلافت تم میں قیامت تک قائم رہے گی۔ ایسے لوگ ہمیشہ پیدا ہوتے رہیں گے جو خلافتِ احمدیہ کی حفاظت کرنے والے ہوں گے۔ پس خوش قسمت ہیں ہم میں سے وہ لوگ جو خلافت احمدیہ کے ساتھ ہمیشہ جڑے رہیں اور اپنی نسلوں کو بھی اس کی تلقین کرتے رہیں اور بدقسمت ہیں وہ جو خلافت احمدیہ کو کسی دَور تک محدود کرنا چاہتے ہیں یا یہ سوچ رکھتے ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ کی طرح ناکامی اور نامرادی دیکھیں گے۔ جیسا کہ جماعت کی تاریخ ہمیں بتاتی ہے۔ جو مخالفین تھے انہوں نے خلافتِ اولیٰ یا خلافتِ ثانیہ کے انتخاب کے وقت ناکامیاں دیکھیں۔ بہرحال حضرت مسیح موعود علیہ السلام خلافت کے قائم رہنے کے بارے میں وضاحت کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں کہ ”وہ وعدہ“ یعنی خلافت کے قائم رہنے کا وعدہ) ”میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ مَیں اس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔ سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے وہ سب کچھ تمہیں دکھائے گا جس کا اس نے وعدہ فرمایا۔ اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی۔“ ابھی تو اللہ تعالیٰ کے آپ سے بے شمار وعدے ہیں جو پورے ہونے والے ہیں۔ آپؑ نے فرمایا: ”مَیں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور مَیں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور میرے بعد بعض اَور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔“ (رسالہ الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 305،306) پس اللہ تعالیٰ نے اسلام کی نشأۃ ثانیہ اور ترقی کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے جو وعدے کیے ہوئے ہیں، جن باتوں کے پورا ہونے کا اللہ تعالیٰ نے آپؑ کو بتایا ہوا ہے وہ ان شاء اللہ تعالیٰ ضرور پوری ہوں گی، وہ وعدے ضرور پورے ہوں گے۔ اسلام کے غلبہ کے دن جماعت ان شاء اللہ دیکھے گی۔ جماعت کی ترقی کے دن جماعت دیکھے گی۔ ان شاء اللہ۔ جو لوگ خلافت سے جڑے رہیں گے وہ اللہ تعالیٰ کے فضلوں کے وارث بنتے چلے جائیں گے۔“ (خطبات مسرور جلد 20 صفحہ 278)

Monthly

MUWĀZNA-E-MADHĀHIB

ISSN: 20491131 Editor: Mahfooz ur Rehman

MAY 2026 | HIJRAT 1405(HS)| DHUL QU'ADAH 1447(HQ)| VOL.15 NO.05

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں:

”سو اے عزیزو! جب کہ قدیم سے سُنّت اللہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ دو قدرتیں دکھلاتا ہے تا مخالفوں کی دو جھوٹی خوشیوں کو پامال کر کے دکھلا وے سو اب ممکن نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ اپنی قدیم سنت کو ترک کر دیوے۔ اس لئے تم میری اس بات سے جو میں نے تمہارے پاس بیان کی غمگین مت ہو اور تمہارے دل پریشان نہ ہو جائیں **کیونکہ تمہارے لئے دوسری قدرت کا بھی دیکھنا ضروری ہے اور اُس کا آنا تمہارے لئے بہتر ہے کیونکہ وہ دائمی ہے جس کا سلسلہ قیامت تک منقطع نہیں ہوگا۔** اور وہ دوسری قدرت نہیں آسکتی جب تک مَیں نہ جاؤں۔ لیکن مَیں جب جاؤں گا تو پھر خدا اُس دوسری قدرت کو تمہارے لئے بھیج دے گا جو ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گی جیسا کہ خدا کا براہین احمدیہ میں وعدہ ہے اور وہ وعدہ میری ذات کی نسبت نہیں ہے بلکہ تمہاری نسبت وعدہ ہے جیسا کہ خدا فرماتا ہے کہ **مَیں اِس جماعت کو جو تیرے پیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا سو ضرور ہے کہ تم پر میری جدائی کا دن آوے تا بعد اس کے وہ دن آوے جو دائمی وعدہ کا دن ہے** وہ ہمارا خدا وعدوں کا سچا اور وفادار اور صادق خدا ہے وہ سب کچھ تمہیں دکھائے گا جس کا اُس نے وعدہ فرمایا اگرچہ یہ دن دنیا کے آخری دن ہیں اور بہت بلائیں ہیں جن کے نزول کا وقت ہے پر ضرور ہے کہ یہ دنیا قائم رہے جب تک وہ تمام باتیں پوری نہ ہو جائیں جن کی خدا نے خبر دی۔ میں خدا کی طرف سے ایک قدرت کے رنگ میں ظاہر ہوا اور میں خدا کی ایک مجسم قدرت ہوں اور **میرے بعد بعض اَور وجود ہوں گے جو دوسری قدرت کا مظہر ہوں گے۔**“

(الوصیت، روحانی خزائن جلد 20 صفحہ 305-306)

Publishers: Additional Wakalat Tasneef
Unit 3, Bourne Mill Business Park,
Guildford Road, Farnham, GU9 9PS, UK
Email: office@tasneef.co.uk
https://www.alislam.org/periodical/muwazna-e-madhahib